تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجرپور اعظم گڑھ یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

MAKTABA-AL-HABIB
JAMIA ISLAMIA DARUL ULOOM
MUHAZZABPUR P.O.SANJARPUR DISTT. AZAMGARH U.P. INDIA
Mobile: 09450546400

جمال ہم نشیں در من اثر کرد
وگر نہ من ہما خاکم کہ ہستم

جمال ہم نشیں

تالیف

حبیب الامت، عارف باللہ
حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدر مفتی
بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

اس کتاب میں (۱۴۱) ان اسلاف، اکابرین، اولیاء، مشائخ اور بزرگوں کا تذکرہ ہے جن کو پڑھے بغیر آپ کی زندگی ادھوری ہے۔

ناشر

مکتبہ الحبیب
جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

نام کتاب: جمال ہم نشیں
مصنف: حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
صفحات: 312
تعداد اشاعت: 1100
قیمت: 250
ناشر: مکتبۃ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ملنے کے پتے

۱- مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی
۲- مکتبۃ الحبیب خانقاہ حبیب گوونڈی ممبئی
۳- مکتبۃ الحبیب وخانقاہ حبیب جھٹکاہی ڈھاکہ ضلع مشرقی چمپارن
۴- مکتبہ طیّبہ دیوبند، سہارنپور

فہرست

☆☆☆

عرض حبیب

ادھر دس پندرہ سال کے اندر نوجوانوں میں جو دینی بے راہ روی پیدا ہوئی، علم کے باوجود جس انداز سے وہ بدعملی کے شکار ہوئے اور اپنے اسلاف واکابرین کی زندگی سے جس قدر دور ہوتے چلے گئے اس کو دیکھ کر دل دکھتا رہا اور ایک اضطراب کی کیفیت محسوس ہونے لگی اور اس کے حل کی جستجو میں دل ودماغ لگ گیا۔

بالآخر ایک دن وہ آیا کہ دل نے یہ طے کیا کہ آج کل کے نوجوانوں کے ہاتھوں میں کوئی ایسی کتاب آنی چاہئے جو کتاب ان کے لیے مہمیز کا کام کرے اور اس میں اکابرین اور اسلاف کی عبادتوں کے تذکرے ہوں جس کو پڑھ کر ممکن ہے کہ زندگی کے کسی لمحے میں ان کی آنکھ کھل جائے کہ ہمارے اسلاف کیا تھے اور ہم کیا ہیں اور شاید ان کی زندگی میں کسی موڑ پر پہنچ کر صالح انقلاب پیدا ہو جائے۔

آپ اس کتاب میں یہ پڑھیں گے کہ حضرت یزید بن ہارون واسطی، اور حضرت وہب بن منبہ، اور حضرت طاؤس بن کیسان اپنے ان اسلاف میں سے ہیں جنھوں نے عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز چالیس سال تک مسلسل پڑھی ہے، اسی طرح حضرت منصور بن زاذان واسطی نے بیس سال تک مسلسل عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی ہے اور حضرت ہشیم بن بشیر واسطی نے دس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن اسود جب حرم پاک میں مقیم رہے،

تو قیام کے دوران مسلسل عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھتے رہے۔

اسی طرح اس کتاب میں آپ کو ان اسلاف اور بزرگوں کا تذکرہ ملے گا، جن کا قرآن پاک سے ایسا تعلق تھا کہ آج کے نوجوان اس کو سوچ بھی نہیں سکتے، لیکن سوچنے کی ضرورت ہے، چونکہ یہ ہمارے وہ اسلاف اور اکابر ہیں جن پر ہمارے علم اور دین کی بنیاد قائم ہے۔

حضرت منصور بن زاذان واسطی روزانہ دو قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے، حضرت اسود بن یزید بن قیس کوفہ کے رہنے والے تھے، تابعی تھے، رمضان المبارک میں دو رات میں ایک قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے اور باقی ایام میں چھ دن میں ایک قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت علقمہ بن قیس تابعی ہیں پانچ دن میں ایک قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر دو رات میں ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد اللہ السبیعی بڑھاپے کی حالت میں ایک رکعت میں ایک ہزار آیت یعنی سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران پڑھا کرتے تھے۔ حضرت معروف بن واصل التیمی تین روز میں ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ حضرت کرز بن وبرہ روزانہ تین قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت مسعر بن کدام رات میں روزانہ پندرہ پارہ تلاوت کیا کرتے تھے۔ حضرت حسن بن صالح بن حی ایک رات میں ایک قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت علی بن صالح بن حی ایک رات میں پندرہ پارے کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ حضرت وکیع بن جراح رات میں روزانہ ایک قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت مغیرہ بن حکیم صنعانی روزانہ ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت زہیر بن محمد بغدادی رمضان میں روزانہ تین قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ روزانہ ایک قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے اور رمضان میں روزانہ دو قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن ادریس نے اپنی زندگی میں چار ہزار قرآن ختم کیا اور حضرت ابوبکر بن عیاش کوفی ہیں پوری زندگی میں اٹھارہ ہزار قرآن کریم ختم کیا۔

اسی طرح اس کتاب میں آپ کو اپنے ان اسلاف اور بزرگوں کا تذکرہ ملے گا جو کثرت سے روزہ رکھنے والے تھے جیسے حضرت وکیع بن جراح یہ صائم الدہر تھے۔ حضرت داؤد طائی اور حضرت منصور بن معتمر السلمی نے چالیس سال تک مسلسل روزے رکھے اور حضرت عمر بن قیس الملائی نے بیس سال تک مسلسل روزے رکھے۔

اسی طرح آپ کو اپنے ان اسلاف و اکابرین اور بزرگوں کا تذکرہ ملے گا جن کی پوری زندگی کبھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی جیسے حضرت سلیمان بن مہران الاعمش الاسدی کی ستر سال تک کبھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی، کسی کی چالیس سال کسی کی تیس سال کسی کی بیس سال کسی کی سفر کے ساتھ حضر میں بھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔

اس کتاب میں آپ کو ان اسلاف اور بزرگوں کی زندگی کی عبادت کی وہ جھلکیاں نظر آئیں گی کہ شاید آپ بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ ہمارے اسلاف کیا تھے اور ہم کیا ہیں اور شاید زندگی کے کسی موڑ پر اس کتاب میں مذکور تذکرے آپ کے ہاتھوں سے موبائیل کو چھوڑ وا کر قرآن کو ہاتھوں میں دینے میں کامیاب ہو جائیں اور شاید رات میں موبائل بینی چھوڑ وا کر قرآن بینی اور نوافل میں لگا دیں۔

شیخ سعدی نے اپنی کتاب گلستاں میں لکھا ہے۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے - رسید از دست محبوبے بدستم

ایک دن ایک صاحب حمام میں نہانے کے لئے گئے، ایک محبوب کے ہاتھ سے بدن میں لگانے کے لئے ان کے ہاتھ میں خوشبودار مٹی پہنچی۔

بدو گفتم کہ مشکی یا عنبری

کہ از بوئے دل آویز تو مستم

نہانے والے شخص نے اس مٹی کو مخاطب کر کے بزبان حال یہ کہا کہ اے مٹی تو مشک ہے یا عنبر کہ تمہاری دلکش خوشبو سے میرا دل مست ہوا جا رہا ہے۔

بگفتا من گلے ناچیز بودم

ولیکن مدتے با گل نشستم

مٹی نے بزبان حال اس کے جواب میں یہ کہا کہ اے دیکھنے والے میں وہی ناچیز مٹی ہوں یعنی میں گِل ہی ہوں گُل نہیں، البتہ گل کی صحبت میں ایک زمانے تک رہنے کا مجھ کو شرف حاصل ہے۔

جمال ہم نشیں در من اثر کرد

و گر نہ من ہما خاکم کہ ہستم

اور اسی گل کی صحبت کا یہ اثر ہے کہ مجھ سے مشک وعنبر کی خوشبو محسوس کر رہے ہو ورنہ اصل کے اعتبار سے میں وہی خاک ہوں جس میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی۔

اس خادم نے شیخ سعدی کے اسی کلام کے تناظر میں اپنی اس کتاب کا نام ''جمال ہم نشیں'' رکھا تا کہ حضرات قارئین اپنے تکیہ کے پاس اس کتاب کو رکھیں اور جب کبھی اپنے اسلاف واکابر یاد آئیں تو اس کتاب کے چند اوراق کا مطالعہ کر کے اپنے علم وعمل میں بالیدگی پیدا کر سکیں اور کچھ دیر اپنے اکابر واسلاف کی ریاضت

ومجاہدہ اور عبادت وتقرب کو دیکھ کر اپنے قلب ونظر کو متأثر کرنے کا موقع مل سکے۔

اس خادم کی اس کتاب کی تالیف سے از اول تا آخر یہ نیت رہی کہ بالخصوص ہمارے نوجوان علماء وفضلاء کے اندر عبادت کا ذوق وشوق پیدا ہو جائے، قرآن کریم سے ان کا تعلق مضبوط ہو جائے، موبائل جیسی لایعنی چیزوں سے اپنے اکابر واسلاف کے تذکرے کو پڑھ کر دل ہٹ جائے اور دنیا اور آخرت میں کام آنے والی چیزوں کا شوق دل میں پیدا ہو جائے اور اپنے سلف کے وہ خیر خلف بن جائیں پھر وہ دولتیں ان کو بھی حاصل ہو جائیں جو ان اسلاف واولیائے کرام کو حاصل تھیں۔

دل سے دعا ہے اللہ پاک خادم کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور جس مقصد کے تحت یہ کتاب لکھی گئی ہے اس میں پوری پوری کامیابی عطا فرمائے اور اس خادم کو بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت وقوت طاقت عطا فرمائے اور آخرت میں انہیں صلحاء ابرار واخیار کے ساتھ اس خادم کا بھی حشر فرمائے۔ آمین

یلوح الخط فی القرطاس دھراً – و کاتبه رمیم فی التراب.

مفتی حبیب اللہ قاسمی

خادم الحدیث والافتاء

ورئیس جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ

۲۵-۰۲-۲۰۲۱ء

جمال ہم نشیں

یہ انسان دنیا کی زندگی بہت مختصر لے کر آیا ہے اس کے بالمقابل آخرت کی زندگی لمبی ہے اور اس کی تیاری کا وقت یہی دنیا کی زندگی کے اوقات ولمحات ہیں۔ ہمارے بڑوں نے اس کو خوب سمجھا؛ اس لئے انہوں نے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو اللہ کی یاد میں لگایا اور اللہ کا تعلق وقرب حاصل کر کے وہ اس دنیا سے گئے۔ اور ان کی صحبت ومعیت جن کو حاصل ہوئی ان کا سینہ بھی اللہ کے قرب سے معمور ہو گیا اور جن اعمال کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے وہ ان اعمال میں اس طرح منہمک ہوئے کہ اس کے ماسوا کی طرف رخ کرنے کی فرصت نہیں ملی اور اپنے کو بعد میں آنے والوں کے لئے اسوہ وآئیڈیل بنا گئے۔ اس عنوان کے ضمن میں ان اولیاء ومشائخ کا تذکرہ آئے گا جن کی زندگیاں قابل رشک ہیں شاید ان کا کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔

(۱) تذکرہ حضرت منصور بن زاذان واسطی

یہ اہل واسط کے اولیاء میں سے ہیں ان کا تعلق بالقرآن اس درجہ قوی تھا کہ چوبیس گھنٹے میں دو قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے ایک قرآن رات میں اور ایک قرآن

دن میں۔ بلکہ ہشام بن حسان راوی ہیں کہ منصور بن زاذان ظہر اور عصر کے درمیان ایک قرآن اور مغرب وعشاء کے درمیان ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ اس قدر عبادت کے باوجود خشیت کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت روتے رہتے تھے اور آنسو کو اپنی پگڑی سے پوچھتے رہتے تھے گریہ کا یہ عالم تھا کہ پوری پگڑی آنسوؤں سے بھیگ جایا کرتی تھی۔ ابوسعید جو منصور بن زاذان کے پڑوسی تھے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے منصور کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا اور وضو سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے رونے لگے شیخ ابوسعید نے شیخ منصور سے گریہ وزاری کی وجہ معلوم کی تو کہنے لگے میں وضو کر کے اس ذات پاک کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں جس کو نہ کبھی اونگھ آتی ہے اور نہ نیند اگر اس نے مجھ سے اعراض کر لیا اور میری حاضری کو قبول نہیں کیا تو میرا کیا حال ہوگا، حضرت عمر بن عون حضرت ہشیم کے حوالہ سے بیان کیا کرتے تھے کہ حضرت منصور نے بیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔ رات بھر عبادت کی مصروفیات کے باوجود دن میں یہ حال تھا کہ فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اشراق تک مسجد ہی میں عبادت میں مصروف رہتے۔ اشراق کے بعد زوال تک نوافل میں مشغول رہتے اسی طرح ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد عصر تک نوافل میں منہمک رہتے عصر کی نماز کے بعد مغرب تک مسجد ہی میں تسبیحات وغیرہ میں مصروف رہتے مغرب کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کے بعد عشاء تک نوافل میں مصروف رہتے، عشاء کی نماز باجماعت ادا فرما کر گھر واپس ہوتے۔ سچ ہے جب عبادت کی حلاوت ولذت انسان کو مل جاتی ہے تو اس کے بغیر چین نہیں ملتا، اور اس کے باوجود

ندامت کے آنسو بہتے ہیں اور زبان پر یہ کلمہ ہوتا ہے "**ماعبدناک حق عبادتک**"، اے میرے رب جیسی عبادت کرنی چاہئے ویسی عبادت نہیں کرسکا۔

اسی طرح ایک مرتبہ سیار بن دینار کے پاس حضرت ہشیم پہنچے تو وہ رورہے تھے ہشیم نے ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ اپنے سے پہلے عبادت گزاروں کی عبادت پر رونا آرہا ہے کہ وہ کتنی عبادت کرتے تھے ہم سے تو کچھ نہیں ہو پاتا۔ حضرت سیار بن دینار نے ایک مرتبہ فرمایا کہ دنیا کی خوشی اور آخرت کا غم دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے، اگر دنیا کی خوشی دل میں جگہ بنالے گی تو آخرت کا غم دل سے رخصت ہوجائے گا، اور اگر آخرت کے غم نے دل میں جگہ بنالیا تو دنیا کی خوشی رخصت ہوجائے گی، حضرت سیار بن دینار بھی واسط کے رہنے والے تھے اور آخرت کی فکر کے حامل تھے اور اپنے ارشادات کے ذریعہ لوگوں کو آخرت کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے حضرت سیار بن دینار سے کہا آپ کبھی ہمارے پاس آتے نہیں تو اس کے جواب میں حضرت سیار نے کہا اگر میں تمہارے پاس آمدورفت شروع کردوں تو تم مجھ کو فتنہ میں مبتلا کردو گے یعنی اپنی دنیا کی طرف مجھ کو بھی گھسیٹ لو گے اور اگر دور رہوں تو غم کے سوا کچھ نہ دو گے اس لئے بہتر ہے کہ میں اپنے کام میں لگا رہوں تم اپنی فکر میں پڑے رہو، چونکہ جو میں چاہتا ہوں یعنی رضاء باری وہ تمہارے پاس نہیں ہے اور جو تم چاہتے ہو یعنی دنیا وہ میرے پاس نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ اللہ والے دنیاداروں سے بہت زیادہ قرب حاصل نہیں کرتے تھے اس لئے کہ ان کا قرب سواء فتنہ کے اور کچھ نہیں دیتا اس لئے اللہ والوں کی یہ شان

ہمیشہ رہی ہے کہ وہ بقدر کفاف پر راضی اور خوش رہا کرتے تھے اور اللہ کے تعلق و رضا کو حاصل کرنے کی کوشش میں ہمہ وقت لگے رہتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ اصل چیز اللہ کا تعلق ہے اس کی رضا اور اس کا قرب ہے جو دائمی خوشی کا ذریعہ ہے۔

(۲) تذکرہ حضرت مسلم بن سعید واسطی

حضرت مسلم بن سعید یہ بھی واسط کے رہنے والے ہیں ان کے بارے میں یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے مسلم بن سعید کے پاس رات گزارنے کا موقع ملا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حضرت مسلم پوری رات عبادت میں مصروف رہے کبھی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھ کر لیکن تھوڑی دیر بھی آرام نہیں کیا۔ اس کے بعد یہ جان کر میں حیران رہ گیا کہ ان کا یہی معمول چالیس سال سے ہے میں نے سوچا رات کو عبادت اور دن میں آرام کرتے ہوں گے لیکن میری حیرانی کی انتہا نہیں رہی جب یہ معلوم ہوا کہ ان کا یہی حال دن میں بھی رہتا ہے۔ سچ ہے جب اللہ سے کسی کو تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو اس کو عبادت میں ایسی چاشنی ملنے لگتی ہے کہ پھر ساری لذتیں وہ بھول جاتا ہے اور اپنے کو اس کی عبادت کے لئے وقف کر دیتا ہے۔

(۳) تذکرہ حضرت ہشیم بن بشیر

حضرت ہشیم بن بشیر یہ بھی واسط کے حفاظ حدیث اور اولیاء میں سے ہیں

دس شعبان بروز بدھ ۱۸۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت مالک بن انس، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک جیسے کبار مشائخ نے ان سے علم حدیث حاصل کیا ان کے والد بشیر حجاج بن یوسف کے طباخ تھے۔ حضرت ہشیم کا یہ حال تھا کہ دس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی یعنی پوری رات عبادت الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے اور پورے دن حدیث پاک کی خدمت یعنی اس کی اشاعت میں لگے رہتے تھے اور تدریس حدیث کے درمیان بھی جو وقت ملتا کثرت سے ذکر اور تسبیح میں مصروف رہتے تھے پہلا کلمہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بلند آواز سے پڑھتے رہتے تھے۔

(۴) تذکرہ حضرت یزید بن ہارون واسطی

حضرت یزید بن ہارون یہ بھی واسط کے رہنے والے ہیں حفاظ حدیث میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے علی بن مدینی ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے ان سے بڑا حافظ میں نے نہیں دیکھا (ستاسی سال کی عمر میں) ۲۰۶ھ میں انتقال ہوا اس کے باوجود ان کی عبادت و بندگی کا حال یہ تھا کہ چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی پوری رات عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے اور قیام ایسا کرتے تھے لگتا تھا کہ کوئی ستون کھڑا ہے بدن میں قیام کی حالت میں کسی طرح کا تمائل یا اضمحلال نہیں دکھاتی دیتا تھا۔ دن میں ظہر اور عصر کے درمیان اور رات میں مغرب وعشاء کے

درمیان نوافل میں مصروف رہا کرتے تھے۔کثرت عبادت کے باوجود خشیت کا یہ عالم تھا کہ کثرت گریہ وزاری کی وجہ سے ایک آنکھ ضائع ہوگئی پھر دوسری بھی ضائع ہوگئی تو ایک صاحب نے دونوں آنکھوں کی روشنی کے ضائع ہونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا صبح کے وقت کی آہ وبکا دونوں آنکھوں کی روشنی لے گئی۔اس کے باوجود اس پر کوئی غم نہیں تھا؛ بلکہ خوش تھے چونکہ حدیث قدسی ہے:"**إذا أخذت كريمتي عبد فلا جزاء عندي إلا الجنة**" (ترمذی شریف) جب میں اپنے کسی بندہ کی دونوں آنکھوں کی روشنی سلب کرلیتا ہوں تو میرے پاس اس کو دینے کے لئے سواء جنت کے اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔یعنی اس کے بدلہ میں ایسے شخص کو جنت ملتی ہے۔

(۵) تذکرہ حضرت سوید بن غفلہ کوفی

حضرت سوید بن غفلہ تابعی ہیں کوفہ کے رہنے والے ہیں حضرت نبی پاک ﷺ کے وصال کے بعد مدینہ طیبہ ان کی حاضری ہوئی، حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت بلال رضوان اللہ علیہم اجمعین سے انہوں نے ارشادات نبوی کو اپنے سینہ میں محفوظ کیا ان کے شوق عبادت کا یہ حال تھا کہ ایک سو بیس سال کی عمر میں پوری تراویح کھڑے ہوکر ادا ہی نہیں فرماتے تھے بلکہ تراویح کی امامت کیا کرتے تھے۔ایک سو سولہ سال کی عمر میں جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد پیدل جایا کرتے تھے۔ایک سو ستائیس سال کی عمر میں مسجد پہنچ کر باجماعت نماز ادا کیا

کرتے تھے۔زہد کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی کہتا فلاں شخص نے فلاں چیز بطور ہدیہ کے دی ہےتو فرماتے میرے لئے تو سوکھی روٹی کے ٹکڑے اور نمک کافی ہے۔۱۲۸سال کی عمر میں ۸۱ھ میں انتقال ہوا۔

(۶) تذکرہ حضرت اسود بن یزید بن قیس

حضرت اسود بن یزید بن قیس یہ بھی کوفہ کے رہنے والے تابعی ہیں حضرت ابوبکر حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت سلمان وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایات لی ہیں۔ان کی عبادت کا یہ حال تھا کہ رمضان المبارک میں دو رات میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھےاور غیر رمضان میں چھ دن میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔رمضان المبارک میں صرف مغرب وعشاء کے درمیان آرام فرماتے باقی پورا وقت عبادت میں گزارتے۔نماز، تلاوت کے علاوہ روزہ بھی کثرت سے رکھتے تھے کثرت روزہ کی وجہ سے جسم پیلا پڑ گیا تھااور ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی۔ایک بار حضرت علقمہ نے ان سے فرمایا اپنے جسم پر اتنا بوجھ کیوں ڈالتے ہیں تو فرمایا معاملہ بہت سخت ہےاور واقعی ہے یعنی خوف خدا کی وجہ سے اپنے کو عبادت میں تھکاتے تھے تاکہ اللہ کی رضا حاصل ہوجائے، حضرات تابعین میں سے جن کا شمار عباد کے ساتھ زہاد میں ہوتا ہےان میں سے ایک یہ بھی تھے اسّی حج وعمرہ انہوں نے کیا تھا۔اس کے باوجود کثرت سے روتے رہتے تھے، وفات کا وقت جب قریب آیا تو رونے لگے پاس بیٹھنے والوں

نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا جتنا کرنا چاہیئے تھا اتنا نہیں کر سکا۔ جو کچھ میں نے کیا ہے اس پر اللہ سے مغفرت کی امید کرتے ہوئے شرم آرہی ہے۔ میں نے تو اپنی زندگی ضائع کردی کیا منھ دکھاؤں گا۔ یہ تھے ہمارے اسلاف سب کچھ کرنے کے باوجود یہ خیال تھا کہ میں نے کچھ نہیں کیا اور ایک ہم ہیں کہ کچھ نہ کرنے کے باوجود سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ کیا ہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجا تا بکجا کوفہ میں ۷۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۷) تذکرہ حضرت مسروق بن اجدع بن مالک

یہ بھی تابعین میں سے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود کے اجل تلامذہ میں سے ہیں ان کے شوق عبادت کا یہ حال تھا کہ رات میں طول قیام کی وجہ سے پاؤں پر ورم آگیا تھا ان کی اہلیہ کثرت عبادت کی وجہ سے پنڈلیوں کی سوجن کو دیکھ کر رویا کرتی تھی لیکن ان کا یہ حال تھا کہ رات میں پردہ کھینچ دیتے تا کہ بچوں کے آرام میں خلل نہ پڑے اور خود نماز میں مصروف ہوجاتے انتہائی گرمی کے موسم میں آپ نے روزہ رکھا گرمی کی شدت کی وجہ سے آپ پر غشی طاری ہوگئی تو بچی نے از راہ محبت باپ سے کہا ابو افطار کرلیں حضرت مسروق نے بچی سے کہا بیٹی یہ مشورہ کیوں دے رہی ہو؟ بچی نے کہا ابو محبت میں حضرت مسروق نے کہا بیٹی میں اس دن کی تیاری کر رہا ہوں جہاں ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ حضرت مسروق حج کے لئے تشریف لے گئے تو اپنی نیند سجدہ کی حالت میں پوری کی کبھی باضابطہ آرام سے بستر پر نہیں لیٹے۔

حضرت مسروق فرمایا کرتے تھے کہ جب آدمی کی عمر چالیس کو پہنچ جائے تو احتیاط کے ساتھ زندگی گزارنا چاہئے یعنی لہو ولعب اور خرافات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ جیسے حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلویؒ فرمایا کرتے تھے جب پچاس سال کی عمر ہو جائے تو اپنا بستر لپیٹ دو یعنی اب سونے کا وقت نہیں رہا، اب سفر کی تیاری میں لگ جاؤ۔ حضرت مسروق فرمایا کرتے تھے وہ شخص عالم ہے جس کی زندگی میں اللہ کی خشیت ہو اور وہ شخص جاہل ہے جس کو اپنے عمل پر عجب اور گھمنڈ ہو۔ حضرت مسروق کی کثرت عبادت دیکھ کر بعض دوستوں نے ان سے کہا عبادت کچھ کم کر دیں اس پر حضرت مسروق نے فرمایا کہ اگر کوئی یقین کے ساتھ مجھ سے کہے کہ اللہ مجھ کو عذاب نہیں دے گا پھر بھی میں اپنے معمول کے مطابق عبادت میں کمی نہیں آنے دوں گا۔ اس لئے کہ حضرت مسروق کا مجاہدہ اور عبادت میں انہماک عذاب سے بچنے کے لئے نہیں تھا یعنی خودغرضی والی عبادت نہیں تھی بلکہ اللہ کی رضاء کے لئے وہ سب کچھ کر رہے تھے۔ حضرت مسروق فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ کچھ وقت تخلیہ کے لئے فارغ کرے اور اس میں اپنا محاسبہ کرے اور اپنے گناہوں کو یاد کرے اور اس پر استغفار کرے اور ندامت کے آنسو بہائے ۶۳ھ میں کوفہ میں انتقال ہوا۔

(۸) تذکرہ حضرت علقمہ بن قیس

حضرت علقمہ بن قیس یہ حضرت اسود بن یزید کے چچا اور ابراہیم تیمی کے

ماموں تھے۔ حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت حذیفہ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مرفوعاً روایتیں حاصل کی ہیں نوے سال کی عمر میں کوفہ میں ۶۱ ھ میں انتقال ہوا۔ حضرت نبی پاک ﷺ کی بہت سی خوبیوں کے مالک حضرت عبداللہ تھے اور حضرت علقمہ ان خوبیوں اور خصوصیات میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کے مشابہ تھے علم کا یہ حال تھا کہ حضرت ابوحیان کہا کرتے تھے کہ میں نے بہت سے صحابہ کو حضرت علقمہ سے سوال کرتے ہوئے اور فتوی لیتے ہوئے دیکھا۔ حضرت مرہ بن شراحیل کہا کرتے تھے کہ حضرت علقمہ ربانیین میں سے تھے۔ قرآن کریم سے تعلق کا یہ حال تھا کہ پانچ روز میں ایک ختم کیا کرتے تھے۔ اس درجہ علم کے باوجود آپ نے گمنامی کو ترجیح دیا بہت سے دوستوں نے حضرت علقمہ سے درخواست کی کہ آپ کسی جگہ کو درسگاہ بنالیں اور وہاں بیٹھ کر قرآن وحدیث کی تعلیم دیں۔ آپ نے فرمایا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں متبوع بنوں اور لوگ میرے پیچھے چلیں اور یہ کہیں کہ یہ علقمہ ہیں چنانچہ انہوں نے گمنامی کو اختیار کیا گھر میں تشریف فرما رہتے بکریوں کو چراتے اور ان کے لئے چارہ کا انتظام کرتے۔ اسی طرح ایک مرتبہ بعض دوستوں نے کہا سلاطین کے پاس آیا جایا کریں تاکہ آپ سے وہ دینی فائدہ اٹھائیں، اس پر فرمایا میں ان کی دنیا سے نفع اٹھانے نہیں جاؤں گا ہاں ان کو ضرورت ہو تو میرے پاس جو دین ہے آکر فائدہ حاصل کریں، اور فرماتے میرے پاس کسی کو مت بھیجو میرا دروازہ بند کردو اگر تم لوگ میری اس کام میں مدد کرسکتے ہو کہ دنیا سے جاتے وقت میری زبان پر کلمہ لا الہ الا اللہ ہو تو اس سے دریغ نہ کرو۔

(۹) تذکرہ حضرت شقیق بن سلمہ اسدی

حضرت شقیق بن سلمہ اسدی نے حضرت نبی پاک ﷺ کا زمانہ پایا لیکن ملاقات کا شرف نہیں حاصل ہوسکا۔ البتہ حضرات صحابہ کرام سے ملاقات ہوئی حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مرفوعاً روایات کا سننا ثابت ہے۔

ان کے زہد کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی رہائش کے لئے ایک جھونپڑی بنا رکھی تھی اسی میں اپنے ہتھیار یعنی گھوڑے کے ساتھ سکونت پذیر رہتے جب کسی جنگ میں جانا ہوتا تھا جھونپڑی توڑ کر اس کا ساز وسامان صدقہ کردیتے اور سفر میں نکل جاتے اور جب واپسی ہوتی دوبارہ جھونپڑی بنالیتے، اپنے اور بچوں کے گزر بسر کے لئے صرف اتنا ہی رکھتے کہ سال پورا ہوجائے اس سے زیادہ صدقہ کردیتے تھے۔ عبادت کے ساتھ گریہ وبکاء کا یہ حال تھا کہ مسجد میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کے حضور میں اس طرح روتے جس طرح عورتیں روتی ہیں، نماز کے سجدہ میں یہ دعا کرتے: "**رب اغفر لی، رب اعف عنی إن تعف عنی تطولا من فضلک وإن تعذبنی تعذبنی غیر ظالم لی**" (اے رب مجھے بخش دے، اے رب مجھے معاف کردے اگر آپ معاف کردیں گے تو آپ کا فضل ہوگا اور اگر مجھ کو عذاب دیں تو آپ مجھ پر ظلم کرنے والے نہیں ہوں گے) اور اس کے بعد اس قدر بلند آواز سے روتے کہ رونے کی آواز مسجد کے باہر سنائی دیتی۔ تنہائی میں ہمیشہ ذکر

وتسبیح میں مشغول رہتے۔ یادخدا سے کوئی لمحہ غافل نہیں ہوتے تھےاوراللہ والوں کی یہی شان رہی ہے کہ وہ ہمیشہ وقت کی قدر کرتے تھےاور یادالٰہی میں اپنے کومصروف رکھتے تھے۔حجاج کے زمانہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۱۰) تذکرہ حضرت مرہ بن شراحیل الہمدانی

حضرت مرہ بن شراحیل الہمدانی یہ بھی تابعی ہیں۔حضرت ابوبکر،حضرت عمر،حضرت علی،حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مرفوعاً احادیث کے راوی ہیں۔

عبادت کا یہ حال تھا کہ حضرت عطاء بن سائب فرمایا کرتے تھے کہ مرہ چوبیس گھنٹے میں ایک ہزار رکعت نوافل پڑھا کرتے تھےلیکن جب بڑھاپا آیااور کمزور ہو گئے تب بھی چارسو رکعت روزانہ نوافل ادا کرتے تھے۔

کثرت نوافل کی وجہ سے ہتھیلی، گھٹنے،قدم پر بڑے بڑے نشانات پڑ گئے تھے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے گھٹنے پر اونٹ کی طرح گھٹے پڑ گئے تھےتو غلط نہ ہوگا۔ کثرت سجود کی وجہ سے پیشانی کو مٹی کھا گئی تھی انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا ستارہ کی طرح پیشانی چمک رہی تھی، دیکھنے والے نے پوچھا مرہ یہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کثرت سجود کی وجہ سے پیشانی کو مٹی کھا گئی تھی اس کی برکت سےاس پیشانی کو نور سے منور کر دیا گیا ہے۔

آج تو اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ پیشانی کو گرد نہ لگنے پائے اگر گرد کا احساس ہوا تو سجدہ کی حالت میں پھونک مار کر اس کو صاف کر لیا جاتا ہے ہاتھ کو گرد لگنے نہ پائے، کاش ان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اس گرد کے بدلہ نور ملے گا تو شاید اس سے باز آجاتے۔

(۱۱) تذکرہ حضرت عمر بن عتبہ بن فرقد السلمی

حضرت عمر بن عتبہ بن فرقد السلمی نے اللہ پاک سے تین باتیں مانگی:

۱۔ دنیا سے بے رغبتی عطا فرما، ایسی بے رغبتی کہ نہ آنے پر خوشی نہ جانے پر غم ہو۔

۲۔ نماز پر قوت عطا فرما، کہ میں زیادہ سے زیادہ نماز میں اپنا وقت صرف کر سکوں۔

۳۔ شہادت کی موت عطا فرما۔

چنانچہ میری دو دعائیں قبول ہو چکی ہیں تیسری دعاء کی قبولیت کا انتظار کر رہا ہوں، لیکن یہ دعاء بھی قبول ہوئی حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں آذربائیجان کی جنگ میں آپ شہید ہوئے۔

شوق عبادت کا یہ حال تھا کہ عبادت کی مصروفیت کو تعلیم و تعلم پر ترجیح دیا اور درس و تدریس کو ترک کر کے ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ عبادت میں یکسوئی کا یہ عالم تھا کہ کبوتر آپ کے سر پر اڑتے رہتے درندے آپ کے ارد گرد دم ہلاتے رہتے لیکن آپ کو احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ شدید گرمی کے موسم میں ایک دن

پہاڑ پر چڑھ گئے اور نماز میں مصروف ہو گئے کبوتروں نے سر پر سایہ کرنا شروع کر دیا لیکن وہ اس شدید گرمی میں بھی بے خودی کے ساتھ نماز میں مصروف تھے۔ ان کے ایک غلام کہتے ہیں کہ ایک رات وہ نماز میں مصروف تھے اور ان کے پاس شیر دھاڑیں مار رہا تھا لیکن ان کی نماز پر کوئی اثر نہیں ہوا غلام نے بعد میں دریافت کیا آپ کو شیر سے ڈر نہیں لگا تو انہوں نے کہا اللہ کے علاوہ کسی چیز سے ڈرتے ہوئے اللہ سے شرم آتی ہے یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہو اس کو کسی چیز سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

خشیت باری کا یہ حال تھا کہ ایک رات نماز میں سورہ غافر کی تلاوت شروع کی اور جب ''وأنذرهم يوم الآزفة'' پر پہنچے تو ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اسی آیت کو دہراتے رہے اور صبح ہوگئی۔ ایک مرتبہ رات میں قبرستان پہنچ گئے اور پوری رات قبرستان میں رہے اور قبر والوں کو مخاطب کر کے یہ کہہ کر اے قبر والو نامۂ اعمال لپیٹ دیا گیا اعمال اٹھا لئے گئے رونے لگے اور رات بھر روتے رہے، لیکن صبح کے وقت مسجد پہنچ کر باجماعت فجر کی نماز ادا کی۔ نماز کے ساتھ روزہ کا بھی اہتمام کرتے تھے روزانہ دو روٹی اپنے پاس رکھتے تھے ایک سے سحری اور ایک سے افطاری کرتے۔

(۱۲) تذکرہ حضرت سعید بن جبیر

حضرت سعید بن جبیر جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اس قدر اعضاء وجوارح پر سکون ہوتا جیسے کھونٹا گاڑ دیا گیا ہو۔ عبادت میں استحضار کا یہ حال تھا کہ رات

کی نماز میں روتے روتے بے ہوش بھی ہو جایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ رات کی نماز میں سورہ بقرہ کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچے "واتقوا یوما ترجعون فیه إلی الله" تو ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اسی آیت کو بار بار پڑھتے رہے تقریباً ۲۷ مرتبہ اس آیت کریمہ کو دہرایا۔ قرآن کریم سے اس درجہ تعلق تھا کہ دو رات میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے یعنی ایک رات میں پندرہ پارہ نماز میں پڑھا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ تہجد کی نماز میں سورہ یس شریف کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچے: "وامتازوا الیوم أیها المجرمون"، تو ایسی کیفیت بنی کہ پوری رات اسی آیت پاک کو دہراتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ فرائض، سنن، نوافل، کے اہتمام کے ساتھ حج وعمرہ کا بھی بہت اہتمام تھا سال میں ایک حج اور ایک عمرہ کیا کرتے تھے۔ حضرت معاویہ بن اسحاق راوی ہیں کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت وضوخانہ میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ رات میں نے ڈھائی قرآن ختم کیا ہے۔ حضرت حماد راوی ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر نے کعبہ میں ایک رکعت میں پورا قرآن پاک ختم کیا اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھ کر نماز مکمل کی۔

حضرت خصیف کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ فجر کی نماز سے پہلے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی میں ان کے پاس گیا اور ان کے بغل میں بیٹھ گیا اور ایک آیت کے بارے میں میں نے سوال کیا تو آپ نے جواب نہیں دیا خاموش رہے فجر کی نماز کے بعد فرمایا صبح کے بعد سے فجر کی نماز تک کا وقت ذکر اللہ

میں مصروفیت کا ہوتا ہے اس وقت ذکر واذکار میں مصروف رہنا چاہئے۔

حضرت سعید بن جبیر کہا کرتے تھے کہ خشیت یہ ہے کہ اللہ کا ڈر بندے اور گناہ کے درمیان اس طرح حائل ہو جائے کہ بندے کو گناہ سے روکے رکھے۔ اور ذکر یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالی کا مطیع اور فرمانبردار بن جائے اگر اللہ کی اطاعت نہیں ہے تو کتنی بھی تسبیحات پڑھے اور تلاوت کرے اس کو ذاکر نہیں کہا جائے گا۔ ایک مرتبہ حضرت سعید سے کسی نے پوچھا سب سے زیادہ عبادت گزار کون ہے؟ آپ نے فرمایا جس کا گناہ اس کے عمل کو حقیر بنادے یعنی گناہوں سے بچتا ہوا گر اعمال صالحہ کے ساتھ گناہ بھی کر رہا ہو تو ایسے عمل سے کیا فائدہ۔

۵۷ سال کی عمر میں ۹۴ھ میں حجاج کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے لیکن اس کی پاداش میں حجاج بھی تین دن کے بعد رخصت ہو گیا اور اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

(۱۳) تذکرہ حضرت ابراہیم نخعی

حضرت ابراہیم نخعی نے حضرات صحابہ کی بڑی جماعت کی صحبت پائی ہے خاص طور پر حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عائشہ سے علمی فیض حاصل کیا ہے۔ تفقہ میں امام کا درجہ رکھتے تھے، کوفہ، بصرہ، شام، حجاز میں اس وقت جو فقہاء تھے ان میں ابراہیم نخعی کا سب سے اونچا مقام تھا۔ علمی رعب اتنا تھا کہ حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ابراہیم نخعی سے اسی طرح ڈرتے تھے جس طرح امیر سے ڈرا جاتا ہے اس کے باوجود

حضرت ابراہیم نخعی نے ہمیشہ اپنے کو چھپا کر رکھا اور درس وتدریس کے لئے کسی جگہ کا بطور درسگاہ کے نہ انتخاب کیا اور نہ بیٹھے، بلکہ لوگوں کے اصرار وخواہش کے باوجود اپنے کو ناموری وشہرت سے الگ رکھا، اگر کوئی شخص کوئی سوال کرتا تو چہرہ پر ناگواری کے آثار ظاہر ہو جاتے۔ اپنا ذاتی حال بھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، حضرت اعمش کہتے ہیں میں ایک مرتبہ حضرت ابراہیم نخعی کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے اتنے میں ایک صاحب نے دروازہ پر دستک دی اور اندر آنے کی اجازت چاہی آپ نے فوراً قرآن پاک پر کپڑا ڈال دیا تاکہ آنے والے کو یہ محسوس نہ ہو کہ میں تلاوت میں مصروف تھا اگر کبھی آپ کے اردگرد لوگ بیٹھ جاتے تو آپ خاموش بیٹھے رہتے۔ اسی طرح اگر لوگ علمی استفادہ کے لئے آتے تو آپ کو نماز میں مشغول پاتے۔

نماز، تلاوت، روزہ آپ کا محبوب مشغلہ تھا اپنا زیادہ وقت اسی میں صرف کیا کرتے تھے اور شہرت وناموری سے بہت زیادہ گریز کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم نخعی کی بیوی ہنیدہ کہتی ہیں حضرت ابراہیم ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

حضرت منصور راوی ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی کہا کرتے تھے جب کسی شخص کو تکبیر اولی میں سستی کرتے دیکھو تو اس سے ہاتھ دھو لو یعنی ایسا شخص دینی اعتبار سے رہبری کے لائق نہیں ہے۔ اس قدر دینی تثبت واہتمام کے باوجود خشیت کا یہ حال تھا کہ آخری وقت میں گریہ طاری تھا لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا ملک الموت کا انتظار کر رہا ہوں، پتہ نہیں جنت کی بشارت دے گا یا جہنم کی۔

(۱۴) تذکرہ حضرت ابراہیم بن یزید التیمی

حضرت ابراہیم بن یزید التیمی کی عبادت کا یہ حال تھا کہ اتنا طویل سجدہ کیا کرتے تھے کہ پرندے کمر پر آ کر بیٹھ جاتے اور کمر پر چونچ مارتے تھے لیکن آپ کو احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ زہد کا یہ حال تھا کہ ایک ایک مہینہ تک کچھ نہیں کھاتے تھے بلکہ کبھی دو مہینے بھی گزر جاتے تھے ایک بار فرمایا مجھے چالیس دن ہو گئے سوائے انگور کے ایک دانہ کے کچھ نہیں کھایا وہ بھی گھر والی کے اصرار پر منہ میں ڈال لیا، اس کے بعد پھینک دیا۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھتے تھے کہ وہی بات کہیں جس پر ان کا خود عمل ہو۔

عوام بن حوشب کہتے ہیں میں نے ابراہیم تیمی سے اچھا آدمی نہیں دیکھا، کبھی بھی سر اٹھا کر چلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ نگاہ نیچی رہا کرتی تھی اور کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی مجھ پر ظلم کرتا ہے تو میں اس کو معاف کر دیتا ہوں اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ جس گناہ پر اللہ نے پردہ ڈال دیا ہو وہ لوگوں سے بیان کرتا پھرے۔

علی بن محمد راوی ہیں کہ حجاج نے ابراہیم نخعی کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا، پولیس والے ان کی تلاش میں آئے ابراہیم تیمی سے ملاقات ہوگئی، ان سے پوچھا ابراہیم کو ہم تلاش کر رہے ہیں، ابراہیم تیمی نے کہا میں ہی ابراہیم ہوں، پولیس والے یہ سمجھ کر یہ ابراہیم نخعی ہیں، پکڑ کر لے گئے، ابراہیم تیمی نے یہ جان کر بھی کہ یہ ابراہیم نخعی کو تلاش کر رہے ہیں ان کے ٹھکانہ کی رہبری کو جائز نہیں سمجھا اور ان کی جگہ پر اپنی

گرفتاری دے دی۔

پولیس والے ابراہیم تیمی کو لے کر حجاج کے پاس آئے حجاج نے ایک تنگ وتاریک تہہ خانے میں قید کرنے کا حکم دے دیا جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم تیمی نڈھال ہوگئے، اور قید خانہ ہی میں ۹۲ھ میں واصل بحق ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حجاج ظالم وسفاک نے اس دن خواب میں دیکھا کہ اس رات میں کسی جنتی شخص کا انتقال ہوگیا ہے جب صبح ہوئی تو اس ظالم نے پوچھا کیا واسط میں رات کسی کا انتقال ہوگیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں ابراہیم تیمی کا جیل خانہ میں انتقال ہوگیا ہے اس بدبخت نے کہا یہ شیطانی خواب تھا اس کے بعد حکم دیا ابراہیم تیمی کی نعش کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دو۔ اس طرح اس ظالم وجابر نے ان کی نعش کے ساتھ بے حرمتی کی۔

یہ تھے ہمارے اسلاف جو دوسروں کی جان بچا کر اپنے کو پیش کر دیتے تھے اور سارے مظالم خود برداشت کر لیتے تھے آج تو معصوم لوگوں کی جان کو بلاقصور پھنسایا جاتا ہے اور اپنے کو اس کے باوجود پکا مومن سمجھتے ہیں اور اپنی حرکتوں پہ ذرہ برابر ملامت نہیں ہوتی۔

(۱۵) تذکرہ خیثمہ بن عبدالرحمٰن

حضرت خیثمہ بن عبدالرحمٰن کا قرآن کریم سے خصوصی شغف تھا تلاوت کثرت سے کیا کرتے تھے حفاظ، قراء، علماء سے خصوصی تعلق تھا بہت شوق واہتمام

سے ان کے لئے اس زمانہ میں رائج اہم کھانے تیار کرواتے تھے اور حفاظ، علماء، قراء، محدثین کی خدمت میں بہت محبت سے پیش کرتے تھے۔

حضرت اعمش کہتے ہیں حضرت خیثمہ خبیص اور اچھے کھانے تیار کرواتے پھر ابراہیم نخعی اور مجھ کو بلاتے اور فرماتے جی بھر کر کھائیے آپ ہی حضرات کے لئے یہ تیار کروایا ہے۔ حضرت اعمش کہتے ہیں ایک بار میں حضرت خیثمہ کے پاس گیا تو انہوں نے تخت کے نیچے سے ایک ٹوکری نکالی جس میں سے خبیص اور فالودہ نکالا اور فرمایا جی بھر کے کھائیے آپ ہی حضرات کے لئے بنوایا ہے۔

اللہ تعالی نے حضرت خیثمہ کو صاحب ثروت بنایا تھا لیکن اس مال میں کبھی بھی صرف اپنا اور اپنے بال بچوں کا ہی حق نہیں سمجھا اسی وجہ سے فقراء وغرباء ومساکین کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے چنانچہ دو لاکھ دراہم بطور وراثت کے آپ کو ملے اور آپ نے وہ سارے دراہم قراء، حفاظ، علماء، فقہاء کے درمیان تقسیم کر دیئے۔

اللہ ہر مومن کو ایسا جذبہ عطا فرمائے کہ وہ علماء، فقہاء، حفاظ، قراء، ائمۂ مساجد، مؤذن کا خیال رکھنے والے بن جائے، اپنے بچوں کا تو خیال ہر ایک رکھتا ہے لیکن دوسروں پر نظر کم لوگوں کی جاتی ہے۔ حضرت اعمش کہتے ہیں اگر ان کے پاس ملنے کے لئے کوئی ایسا شخص آتا جس کا کرتا یا اس کی لنگی پرانی یا پھٹی ہوئی ہوتی یا ضرورت وفقر کے آثار اس پر نظر آتے تو جب وہ ملاقات کر کے باہر نکل جاتا تو حضرت خیثمہ دوسرے دروازے سے چپکے سے نکل کر جاتے اور وہ اس سے ملاقات کر کے اس کو دراہم دیتے اور کہتے کرتا خرید لینا، لنگی خرید لینا یا اپنی ضرورت پوری کر لینا۔ حضرت خیثمہ اس کو پسند کرتے تھے کہ آدمی کی موت کوئی اچھا عمل کرتے ہوئے آئے، تلاوت

کرتے ہوئے، نماز پڑھتے ہوئے، روزہ کی حالت میں حج وعمرہ کرتے ہوئے، اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے۔ حضرت حکم فرماتے ہیں حضرت خیثمہ فرماتے تھے کہ اگر تم نے کوئی چیز چاہی اور اللہ نے تمہاری چاہت پوری کردی تو فوراً اللہ سے اس کی رضا اور جنت مانگ لو ممکن ہے یہ دن تمہارے لئے دعا کی قبولیت کا دن ہو۔

یہ بہت اہم بات ہے کہ آدمی کی چاہت جب پوری ہوجاتی ہے تو وہ اسی میں مگن ہوجاتا ہے اور آگے اس کو کچھ اور یاد نہیں رہتا۔ حضرت خیثمہ کی فقراء، غرباء کی محبت کا یہ اثر تھا کہ انہوں نے انتقال سے قبل وصیت کی کہ جب میرا انتقال ہوجائے تو مجھے قوم کے فقراء کے درمیان دفن کیا جائے "رحمهٔ الله رحمة واسعة"۔

(۱۶) تذکرہ حضرت عبدالرحمٰن بن اسود

حضرت عبدالرحمٰن بن اسود جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو کثرت عبادت، اور طول قیام کی وجہ سے ایک پاؤں شل ہوگیا اس کے باوجود شوق عبادت میں صبح تک ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہے اور عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز ادا کی۔

(۱۷) تذکرہ حضرت زبید بن حارث الیامی

حضرت زبید بن حارث الیامی نے بہت سے صحابہ کی زیارت کی ہے،

بالخصوص حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس سے فیض حاصل کیا ہے۔عبادت کا یہ حال تھا کہ پوری رات مسلسل جاگتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے پوری رات بستر سے کمر نہیں لگاتے تھے،شب بیداری اور طولِ قیام کی وجہ سے چہرہ کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

حضرت زبید کے لڑکے کہتے ہیں کہ ابا نے رات کو تین حصوں پر تقسیم فرمادیا تھا ایک حصہ اپنے ذمہ رکھا تھا اور ایک حصہ میرے ذمہ اور تیسرا حصہ میرے بھائی کے ذمہ تھا۔ایک تہائی رات اکیلے عبادت میں مصروف رہتے اس کے بعد مجھ کو بیدار کرتے اگر اٹھنے میں سستی پاتے تو فرماتے اچھا بیٹا سوجا میں تمہاری طرف سے قیام کرلیتا ہوں اس طرح صبح تک اکیلے نوافل،تہجد،عبادت میں مصروف رہتے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے رات میں تہجد کے لئے اٹھے وضو کے لئے اس برتن میں ہاتھ ڈالا جس میں وضو کا پانی رہتا تھا لیکن اس روز شدت کی ٹھنڈک کی وجہ سے پانی برف کی طرح جمنے کے قریب ہوگیا تھا آپ کا ہاتھ پانی ہی میں رات بھر پڑا رہا اور ٹھنڈک کی شدت کو یاد کرکے آپ پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی صبح کے وقت جب باندی نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا آقا آپ نے رات معمول کے مطابق تہجد کی نماز نہیں ادا کی آپ نے پورا واقعہ بتلایا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا چنانچہ باندی نے پوری زندگی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

یہ تھے ہمارے اسلاف اس درجہ ان کا استحضار تھا اور یہ حال تھا اس کے باوجود ان میں کتنا تستر تھا یہاں تو حال یہ ہے کہ اگر دو چار رکعت نفل کی اللہ نے توفیق

دے دی تو چاہتے ہیں کہ پوری بستی کے علم میں آجائے کہ میں تہجد گزار ہوں تاکہ لوگ میرے عقیدت مند بن جائیں اگر کبھی نادانستہ کوئی بات پیش آ گئی تو اس کو کرامت بنا کر اتنی تشہیر کی جائے گی کہ لوگ ان کو صاحب کرامت بزرگ سمجھ بیٹھیں۔

عبادت کے ساتھ خدمت خلق کا یہ حال تھا کہ بارش اور ٹھنڈک کی رات میں آگ کا شعلہ لے کر محلّہ کی بوڑھی عورتوں کے پاس جاتے اور آواز لگاتے آگ چاہیے اور ان کے پاس جو لکڑی ہوتی اس کو جلا کر ان کی راحت کا سامان فراہم کرتے۔ چونکہ اس زمانہ میں ہر وقت ہر گھر میں آگ نہیں ہوتی تھی اس لئے آگ سے ہی آگ جلتی تھی۔ اور صبح کے وقت محلّہ کی بوڑھی عورتوں کے گھر جا کر معلوم کرتے بازار سے کچھ منگانا ہے کچھ چاہیے اگر کسی کو کوئی ضرورت ہوتی تو وہ بتلاتی اور حضرت زبید دوکان سے وہ سامان خرید کر اس کے گھر پہنچا دیتے۔ بہت بڑی بات ہے اس طرح کی خدمت وہی کر سکتا ہے جس کا قلب خدمت خلق کے اجر وثواب سے معمور ہو ورنہ کون کس کو پوچھتا ہے۔

(۱۸) تذکرہ حضرت عون بن عبداللہ الہذلی

حضرت عون بن عبداللہ الہذلی کی خشیت کا یہ حال تھا کہ حضرت ابوہارون فرماتے ہیں حضرت عون بن عبداللہ ہم سے حدیث بیان کیا کرتے تھے اور داڑھی آنسوؤں سے تر رہا کرتی تھی، اغنیاء کی صحبت سے پرہیز کیا کرتے تھے، اگر کبھی ان

کے پاس بیٹھنے کی نوبت آتی تو اس پر آپ کو غم ہوتا اور اس کی تلافی کے لئے فقراء کی صحبت میں جا کر بیٹھتے اور کہتے اب مجھ کو راحت ملی، اگر کوئی کسی کی عیب جوئی کرتا تو آپ فرماتے یہ اپنے نفس اور اپنے عیوب کو بھول گیا ہے اس لئے دوسروں کے عیوب کے چکر میں پڑا رہتا ہے، یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اپنے سے کمتر کے مقابلہ میں اپنے کو اعلی و افضل سمجھنا یہ کبر کی علامت ہے۔

حضرت عونؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کی پریشانی کو پسند نہیں کرتا جس طرح بیمار کی پریشانی کو مریض کے اہل خانہ پسند نہیں کرتے، لیکن تلخ دواؤں کو بھی مریض کے اہل خانہ یہ کہہ کر پلاتے ہیں کہ یہ تھوڑی دیر کی تلخی ہے لیکن اس کے بعد ہمیشہ والی صحت اس کی برکت سے ملے گی۔ اسی طرح آنے والی بلاؤں کو بھی بندہ کو صبر کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے، چونکہ اس کا انجام اخروی نعمت وراحت ہے، یعنی نگاہ انجام پر ہونی چاہئے حال پر نہیں، جو چیز انجام کے اعتبار سے بہتر ہو اس پر خوش ہونا چاہئے، ایک اہم بات یہ بھی فرماتے تھے کہ توابین کی صحبت اختیار کیا کرو چونکہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں۔

حضرت عون بن عبداللہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: اللہ کی یاد سے غافل لوگوں میں اللہ کو یاد کرنے والے کی مثال اس شکست خوردہ جماعت کی طرح ہے جس کو شکستگی سے صرف ایک شخص کی بہادری بچالے۔

یعنی یہ ذاکر شخص سب کو ہلاکت سے بچانے والا ہے، ورنہ سب لوگ غفلت کی وجہ سے ہلاک و برباد ہو جائیں، لہذا اس ذاکر کی سب کو قدر کرنی چاہئے۔

حضرت عون بن عبداللہ فرمایا کرتے تھے: جو آخرت کی تیاری میں لگا رہتا ہے اس کے دنیوی کاموں کی کفایت اللہ کرتا ہے، یہ بھی فرمایا کرتے تھے: جو شخص اپنے باطن کو درست کر لیتا ہے اللہ اس کے ظاہر کو درست فرما دیتا ہے، گویا اصل باطن ہے اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، اس کی برکت ظاہر تک پہنچتی ہے۔

لیکن عام طور پر ظاہر کی درستگی کا تو خیال رکھتے ہیں لیکن باطن کو بھول جاتے ہیں۔

حضرت ابومعشر راوی ہیں کہ حضرت عون بن عبداللہ ایک مرتبہ حضرت ابو حازم کی مجلس میں بیٹھے رو رہے تھے اور اپنے آنسوؤں کو چہرہ پر مل رہے تھے، کسی نے ان سے پوچھا آنسو چہرہ پر کیوں مل رہے ہیں؟ فرمایا مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ جسم کے جس حصہ پر آنسو لگتا ہے جہنم کی آگ اس جگہ حرام ہو جاتی ہے، گویا چہرہ پر اس لئے آنسو مل رہے تھے تا کہ چہرہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہے۔

یہ تھے ہمارے اسلاف اس قدر عبادت وزہد کے باوجود اللہ کی ناراضگی اور اس کی آگ سے ڈرتے تھے اور بچاؤ کی تدابیر اختیار کرتے تھے آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہر اعتبار سے تہی دامنی کے باوجود کوئی فکر نہیں ہے، بڑی بے فکری کی زندگی گزارنے کے ہم عادی ہو گئے ہیں۔

(۱۹) تذکرہ حضرت عمر بن عبداللہ السبیعی

حضرت عمر بن عبداللہ السبیعی: یہ بھی تابعی ہیں، بہت سے صحابہ سے لقاء

ثابت ہے، تین صحابی ایسے ہیں جن سے صرف انہوں نے ہی روایت لی ہے ان کے علاوہ نے نہیں۔

(۱) عبداللہ بن حزن، (۲) کدیر الضبی، (۳) مطر بن عکاس۔

شوقِ عبادت کا یہ حال تھا کہ اخیر عمر میں جب کھڑے ہونے کی طاقت ختم ہوگئی پھر بھی کسی کے سہارے کھڑے ہونے کی کوشش کرتے اور جب کھڑے ہوجاتے تو کم از کم ایک ہزار آیت کھڑے ہوکر تلاوت کرتے تب ہی رکوع کرتے، اس سے اندازہ لگائیے جب کھڑے ہونے کی طاقت رہی ہوگی اس وقت کا قیام کتنا لمبا ہوگا اور کتنا قرآن پڑھتے ہوں گے، اخیر عمر میں فرمایا کرتے تھے: اب تو میں کمزور ہوگیا، ہڈیاں کمزور ہوگئیں، اب تو حال یہ ہے کہ کھڑے ہوکر نماز میں صرف سورہ بقرہ وآل عمران پڑھ پاتا ہوں اب اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رہی۔

حضرت سفیان راوی ہیں کہ حضرت عمر بن عبداللہ گرمی کے موسم میں پوری رات تہجد وعبادت میں گزارتے تھے اور سردی کی رات کا پہلا حصہ اور آخری حصہ عبادت میں مشغول رکھتے اور درمیان میں بھی اٹھتے رہتے تھے۔

۹۲ رسال کی عمر میں ۱۲۸ھ میں دنیا سے رحلت فرما گئے۔

(۲۰) تذکرہ حضرت شعیب بن حرب

حضرت شعیب بن حرب، یہ مدائن کے باشی تھے، لیکن ہجرت کر کے مکہ مکرمہ

چلے گئے اور پوری زندگی مکہ ہی میں گذاردی۔ حضرت شعبہ، سفیان ثوری، زہیر بن معاویہ سے اکتساب فیض کیا۔ پوری زندگی زہد کے ساتھ عبادت میں گزاردی، آپ کا شمار بھی بڑے زہاد وعباد میں ہوتا ہے۔

حضرت سری سقطی جو بڑے اولیاء میں سے ہیں وہ فرمایا کرتے تھے: چار حضرات ایسے ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے حلال روزی حاصل کی اور پیٹ میں حلال روزی کے علاوہ جانے نہیں دیا، پوری زندگی اہتمام کیا کہ جولقمہ پیٹ میں جائے وہ مال حلال ہواور حرام سے مکمل اجتناب کیا (۱) شعیب بن حرب (۲) وہیب بن ورد(۳) یوسف بن اسباط (۴) سلیمان بن خواص۔

حضرت عبداللہ بن خبیق راوی ہیں کہ حضرت شعیب دس دن میں ایک لقمہ کھانا اور ایک گھونٹ پانی پیتے، دجلہ کے کنارے ایک جھونپڑی بنارکھی تھی وہیں رہا کرتے تھے، سوکھی ہوئی روٹی اور پانی کا ایک برتن اس میں لٹکا ہوا تھا، سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا رات میں لیتے اور پانی میں تر کرکے کھالیتے اور دن ورات عبادت وطاعت میں مصروف رہتے، بدن پر صرف ہڈی اور کھال نظر آتی تھی، فرماتے: موٹا بننے سے کیا فائدہ قبر کے کیڑے مکوڑوں کے کھانے کے لئے بدن کوموٹا تازہ بنانے سے کیا فائدہ۔

مکہ مکرمہ میں ایک صاحب ان کے پاس آئے تو آپ نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ فرمایا آپ کی تنہائی ختم کرکے انس پیدا کرنے کے لئے، فرمایا اس کی کوئی ضرورت نہیں، چالیس سال ہوگئے تنہائی میں زندگی گزارتے گزارتے جس سے

انس پیدا ہونا چاہئے اس سے انس پیدا کرلیا ہے اب وہ میرا مونس ہے تمہاری ضرورت نہیں جاؤ۔

ایک مرتبہ حضرت شعیب نے خواب دیکھا: آقا ﷺ جلوہ افروز ہیں، اور حضرت ابوبکر وعمر آپ کے ساتھ ہیں، میں پہنچا تو آقا نے فرمایا: اس کو جگہ دیدو یہ اللہ کی کتاب کا حافظ ہے، اللہ کے خوف سے اکثر رویا کرتے تھے، آنسو چہرہ پر بہا کرتا تھا۔

حضرت شعیب فرماتے تھے: صرف دو شخص کی مصاحبت اختیار کرو (۱) ایسا شخص جو تم کو بھلی بات بتلائے اور تم اس کو قبول کرو (۲) ایسا شخص جس کو تم بھلی بات بتلاؤ تو وہ قبول کرے، باقی اور لوگوں سے دور رہو، ان کی مجلس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

اسی طرح فرمایا کرتے تھے جو صرف دنیا کا طالب ہو اس کو ذلت اٹھانے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے، اس لئے کہ دنیا اپنے چاہنے والوں کو سوائے ذلت وخواری کے کچھ نہیں دیتی۔

اسی طرح فرمایا کرتے تھے: اگر ایک دھیلا بھی تم نے اللہ کی اطاعت کے ساتھ کمایا ہے تو اس کی قدر کرو اس لئے کہ مقصود پیسہ نہیں ہے اللہ کی اطاعت ہے۔ ممکن ہے اس سے جو کچھ تم خرید کر کھاؤ وہ مزید اطاعت باری اور مغفرت کا ذریعہ بنے۔

یعنی اصل اطاعت باری رضاء باری ہے، اس کی مرضی کے مطابق حاصل

کردہ چیز قابل قدر ہوگی، لہذا اس کو حقیر نہ سمجھو بلکہ اس کی قدر کرو، یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ گھر کے باہر کی دیوار پر کوئی ایسی چیز نہ لگاؤ کہ اس کے گرنے کی وجہ سے کسی راہ گیر کو اذیت پہنچے، یعنی خلق خدا کی راحت کا بھی خیال رکھو، صرف اپنی ہی راحت نہ دیکھو بلکہ ایسے بنو اس طرح رہو کہ تمہاری ذات یا تمہارے عمل سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ مکہ مکرمہ میں ۱۹۷ھ میں اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے۔

(۲۱) تذکرہ حضرت عمر بن مرہ الجملی

حضرت عمرو بن مرہ الجملی، حضرات تابعین کے تیسرے طبقہ میں ان کا شمار ہے، کبار تابعین سے ان کی لقاء ثابت ہے، حضرت شعبہ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ جب یہ نماز میں مشغول ہوتے تو اس قدر خشوع وخضوع اور تضرع وانابت کا ظہور ہوتا کہ ہمیں لگتا تھا کہ جب تک اپنی نماز قبول نہیں کروالیں گے اس وقت تک مصلی نہیں چھوڑیں گے۔

حضرت سفیان ثوری نے ایک مرتبہ حضرت معمر سے پوچھا: جن حضرات کی تم نے زیارت کی ان میں سب سے افضل کس کو پایا؟ انہوں نے کہا عمرو بن مرہ کو کہ جب بھی ان کو دعاء کرتے ہوئے پایا تو دعاء میں ایسی حالت نظر آتی تھی کہ میرا دل کہتا تھا یہ دعاء ضرور قبول ہوگی۔

حضرت عمرو بن مرہ فرمایا کرتے تھے: جو آخرت کا طالب ہوتا ہے اس کی دنیا

میں کمی آتی ہے اور جو دنیا کا طالب ہوتا ہے اس کی آخرت میں کمی آتی ہے۔
۱۱۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۲۲) تذکرہ حضرت حبیب بن ابی ثابت الاسدی

حضرت حبیب بن ابی ثابت الاسدی کے بارے میں ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں: نماز کا سجدہ اتنا لمبا کیا کرتے تھے کہ دیکھنے والے کو یہ خیال ہوتا کہ آپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ سجدہ دراصل اللہ کے قدموں میں پڑ جانے کو کہتے ہیں جو لوگ سجدہ کا لطف پا چکے ہیں ان کے سجدوں کا یہی حال ہوتا ہے اور جو لوگ سجدہ صرف برائے سجدہ کرتے ہیں ان کا جو حال ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے، عبادت کے ساتھ سخاوت کا یہ حال تھا کہ حفاظ وقراء پر ایک لاکھ دراہم انہوں نے خرچ کیئے۔ ۱۱۹ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۳) تذکرہ حضرت مجمع بن یسار

حضرت مجمع بن یسار کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ حضرت سفیان ثوریؒ ان کی ملاقات کے لئے گئے، بدن پر جو لنگی تھی وہ پھٹی ہوئی تھی حضرت مجمع نے چار دراہم حضرت سفیان ثوری کو دیئے اور کہا اس سے نئی لنگی خرید لیں، حضرت سفیان ثوریؒ نے معذرت کیا اور کہا ضرورت نہیں ہے، حضرت مجمعؒ نے فرمایا: آپ ٹھیک فرما رہے ہیں

آپ کوضرورت نہیں ہے؛ لیکن مجھ کوضرورت ہے، اس کے بعد حضرت سفیان ثوریؒ نے وہ دراہم لے لئے اور نیا ازار خرید لیا اور فرمایا مجمع نے مجھ کونئی لنگی پہنادی اللہ ان کو اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

جن حضرات کے دلوں میں علماء، فقہاء، حفاظ، قراء، خدام، دین کی قدر ہوتی ہے وہ اسی طرح اپنی اخروی ضرورت سمجھ کر ان کی خدمت کرتے ہیں اور اس کو اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی مہمان آتا تو اس سے یہ بھی نہیں پوچھتے کہ کہاں سے آئے ہو کیوں آئے ہو؛ بلکہ مہمان ہے اس کی آمد پر خوش ہوتے اس کی خدمت کرتے جب تک وہ رہنا چاہتا رہتا اور جب دل چاہتا واپس ہو جاتا۔

حضرت سفیان ثوری جیسی شخصیت کو حضرت مجمع سے بہت محبت تھی اور اس کا برملا اظہار بھی فرماتے تھے، تمام تر خوبیوں کے ساتھ حضرت مجمع کی سخاوت نے بہت سے لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا اور بہتوں کے دل سے نکلنے والی دعائیں ان کو حاصل ہوا کرتی تھیں۔

(۲۴) تذکرہ حضرت ربیع بن راشد

ان کا اکثر یہ حال رہتا تھا جیسے کوئی شخص مخمور ہو اس کیفیت کو صوفیاء کی اصطلاح میں سکر کہتے ہیں اور ان کا یہ حال اس وجہ سے تھا چونکہ ہمہ وقت فکر موت ان کے قلب پر غالب رہتا تھا اور فرماتے تھے کہ اگر موت کی یاد سے میرا دل تھوڑی دیر

کے لئے بھی غافل ہوجائے تو مجھے اندیشہ ہونے لگتا ہے کہ میرا دل بگڑ تو نہیں گیا ہے، حضرت خلف بن حوشب راوی ہیں کہ حضرت ربیع بن راشد نے مجھ سے کہا یہ آیت پڑھو "**یا أیها الناس إن کنتم فی ریب من البعث**" ان کے حکم پر میں نے اس آیت کی تلاوت کی اس کے بعد وہ رونے لگے اور فرمایا اگر شریعت کی طرف سے ممانعت نہ ہوتی تو میں لوگوں سے دور پہاڑ پر چلا جاتا لیکن آقا کا ارشاد ہے: "**لا رهبانیة فی الإسلام**" ۔

حضرت سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کوفہ میں سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والے ربیع بن راشد تھے وہ موت سے بہت ڈرتے تھے ۔

موت کو یاد رکھنا اور اس کی تیاری کرنا یہ بھی ایک اہم کام ہے عموماً دنیوی کام وکاج میں لگ کر لوگ موت کو بھول جاتے ہیں لیکن ایسے ہزاروں ہزار اللہ والے دنیا میں رہے ہیں جنہوں نے موت کو ہمیشہ یاد رکھا انہی میں سے ایک حضرت ربیع بن راشد بھی ہیں ۔

(۲۵) تذکرہ حضرت عبدہ بن ابی لبابہ

ان کے بارے میں امام اوزاعی فرمایا کرتے تھے عبدہ ریا نام ونمود سے بہت دور رہتے تھے ۔ امام اوزاعی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ عبدہ جب مسجد میں ہوتے تو دنیا کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے تھے ۔

ہونا بھی یہی چاہئے مسجد بادشاہوں کے بادشاہ کا گھر ہے وہاں پہنچ کر مؤمن کو مکمل اللہ کی یاد میں رہنا چاہئے جو لوگ مسجد کا جو حق ہے اس کو ادا نہیں کرتے وہ لوگ بہت خسارہ میں ہیں مساجد مجلس آرائی کی جگہ اور پنچایت گھر نہیں ہیں بلکہ عبادت کی جگہ ہے اس کا ہر ایک کو دھیان رکھنا چاہئے۔

حضرت عبدہ فرمایا کرتے تھے جو شخص قرآن پاک صبح کے وقت ختم کرتا ہے شام تک فرشتے اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں اور جو شام کے وقت ختم کرتا ہے اس کے لئے صبح تک فرشتے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔

(۲۶) تذکرہ حضرت منصور بن معتمر السلمی

ان کا یہ حال تھا کہ تسلسل کے ساتھ روزہ رکھتے تھے حضرت زائدہ بن قدامہ راوی ہیں چالیس سال تک انہوں نے دن میں روزے رکھے اور رات میں قیام کیا لیکن حضرت سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے ساٹھ سال تک ان کا یہ معمول رہا۔

حضرت منصور کی والدہ کہا کرتی تھی منصور نے رات کے تین حصے کر رکھے تھے ایک حصہ میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے ایک حصہ میں روتے تھے اور ایک حصہ میں دعا کیا کرتے تھے، رونے کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ ان کی ماں کو بھی ترس آنے لگتا اور فرماتیں بیٹا تم اس طرح روتے ہو جیسے لگتا ہے تم نے کسی کو قتل کر دیا ہے اس طرح کا خوف تم پر رہتا ہے اپنی جان پر رحم کھاؤ ایسا کیوں کرتے ہو حضرت منصور

فرماتے امی مجھے معلوم ہے جو میں کرتا ہوں مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔

رات کی عبادت کے بارے میں یہ بھی کتابوں میں ملتا ہے کہ پوری رات قیام کی حالت میں گذار دیتے تھے نہ رکوع کرتے نہ سجدہ، ابو الاحوص راوی ہیں کہ حضرت منصور جیسے دن بھر رات کا انتظار کرتے ہوں گرمیوں کے موسم میں رات میں ازار باندھ لیتے اور چادر بدن پر ڈال کر مصروف عبادت ہو جاتے اور سردی کے موسم میں چادر کے اوپر لحاف ڈال کر کھڑے ہو جاتے اور قیام میں اس قدر سکون ہوتا کہ لگتا لکڑی گاڑ دی گئی ہے اور صبح تک یہی حال رہتا۔

حضرت سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے اہل کوفہ میں چند افراد وہ تھے جو تہجد کی نماز بہت لمبی دیر تک پڑھا کرتے تھے (۱) طلحہ (۲) زبید (۳) عبد الجبار بن وائل، حضرت حمیدی راوی ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری سے پوچھا اور منصور تو آپ نے فرمایا ان کی بات کیا کرتے ہو رات ان کے نزدیک سواری کی طرح تھی جب تم ان کو دیکھنا چاہتے وہ سوار ملتے۔

یعنی وہ رات میں ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔

عبادت کے ساتھ گریہ کا یہ عالم تھا کہ آنکھ کی روشنی ختم ہوگئی تھی، ۱۳۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۷) تذکرہ حضرت ضرار بن مرہ الشیبانی

ان کا شمار ان حضرات میں ہوتا ہے جن پر کثرت سے گریہ طاری رہا کرتا تھا اور

اللہ کے خوف سے بہت رویا کرتے تھے، کوفہ میں چار حضرات وہ تھے جو کثیر البکاء تھے(۱) ضرار بن مرہ (۲) عبدالملک بن ابجر (۳) محمد بن سوقہ (۴) مطرف بن طریف۔

حضرت ضرار بن مرہ نے موت سے پندرہ سال قبل اپنی قبر تیار کر لی تھی اس میں آ کر بیٹھتے تھے اور قرآن کریم کی اس میں تلاوت کیا کرتے تھے کئی قرآن اس میں انہوں نے ختم کیا۔

محمد بن فضیل راوی ہیں کہ ضرار بن مرہ نے اپنے گھر میں قبر بنا رکھی تھی اور اسی میں وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت محاربی راوی ہیں کہ ضرار بن مرہ اور محمد بن سوقہ ہر جمعہ کو اپنے ساتھیوں کو جمع کرتے اور بیٹھ کر سب اللہ کے خوف سے رویا کرتے تھے گویا کہ مجلس گریہ ہوا کرتی تھی۔

عبداللہ بن اجلح راوی ہیں کہ حضرت ضرار لوگوں کے اکیلے آنے کو پسند کرتے تھے اور فرماتے اس سے معمولات میں خلل نہیں ہوتا اور لوگ جب جماعت کی شکل میں آتے ہیں اور بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو اس سے معمولات میں خلل پڑتا ہے۔ حضرت ضرار کہتے تھے جب انسان میں تین باتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو شیطان خوش ہوتا ہے اور اپنی محنت میں وہ اپنے کو کامیاب سمجھتا ہے(۱) جب انسان اپنے گناہ کو بھول جائے (۲) اور اپنے عمل کو بہت زیادہ سمجھنے لگے (۳) اور اپنی رائے پر اس کو گھمنڈ ہونے لگے، یعنی آدمی کو اپنے گناہوں کو بھولنا نہیں چاہئے اس کو یاد رکھنا چاہئے اور اس پر ندامت کے آنسو بہاتے رہنا چاہئے۔ اور اپنے عمل کو بہت زیادہ سمجھنے کا مطلب ہوتا ہے پھر عمل میں کوتاہی شروع ہو جاتی ہے اور اپنی رائے پر گھمنڈ تو بہت

خراب بات ہے اس سے بچنے کی پوری کوشش ہونی چاہئے، یہ کبر کی علامت ہے اور کبر کو اللہ پسند نہیں کرتا یہ صفت رذیلہ ہے جس کے ازالہ کی کوشش خانقاہوں میں ہوتی ہے۔

(۲۸) تذکرہ حضرت محمد بن سوقہ

یہ کپڑے کے تاجر تھے اور جو کچھ کماتے تھے اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے محتاجوں، مساکین کا خیال رکھتے تھے۔

حضرت سفیان ثوری راوی ہیں کہ محمد بن سوقہ کوفہ کے ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے ایک لاکھ بیس ہزار دراہم اپنی زندگی میں اپنی آخرت کے لئے پیشگی بھیج دیا تھا تا کہ وہ آخرت میں کام آئے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب محمد بن سوقہ کے پاس اپنی ضرورت لے کر آئے ان کے بتلانے کے بعد محمد بن سوقہ رونے لگے بتلانے والا بہت پریشان ہوا اس نے کہا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرے سوال سے آپ کو تکلیف ہوگی تو کبھی سوال نہ کرتا اس پر محمد بن سوقہ بولے تمہارے سوال پر رونا نہیں آیا بلکہ اس پر رونا آیا کہ میں نے خود تمہاری ضرورت کیوں نہیں پوری کی تم کو سوال کیوں کرنا پڑا یہ میرا فرض بنتا تھا کہ تمہاری ضرورت معلوم کرتا اور اس کو پوری کرتا۔

ایسے بھی اللہ کے نیک بندے دنیا میں تھے جن کا یہ ذہن تھا کہ ضرورت

مندوں کے پاس جانا اور ان کی ضروریات کو جاننا اور پورا کرنا یہ ہمارا فرض ہے اگر اللہ نے ہمیں اس لائق بنایا ہے تو ہمیں اپنے اپنے فرائض کو محسوس بھی کرنا چاہئے۔

(۲۹) تذکرہ حضرت سلیمان بن مہران الاعمش الاسدی

یہ بڑے تابعین میں سے ہیں بہت سے صحابہ کی زیارت کی ہے شوق عبادت کا یہ حال تھا کہ حضرت وکیع راوی ہیں کہ میرا آنا جانا حضرت اعمش کے پاس ستر سال سے ہے لیکن کبھی ان کی تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی چہ جائیکہ کبھی ان کی رکعت فوت ہوئی ہو۔

بہت بڑی بات ہے تکبیر اولی کے اہتمام کی بہت فضیلت احادیث میں آئی ہے کاش اس کی عظمت دل میں پیدا ہو جائے۔

حضرت یحیی بن سعید القطانی حضرت اعمش کا تذکرہ کرتے تو فرماتے وہ بہت عبادت گزار تھے نماز باجماعت اور صف اول کے بہت پابند تھے، اٹھاسی سال کی عمر میں ۱۴۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۳۰) تذکرہ حضرت معروف بن واصل التیمی

قرآن کریم سے اس قدر گہرا تعلق تھا کہ سفر ہو یا حضر تین روز میں ایک قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔

ساٹھ سال تک آپ نے اپنی قوم کی امامت کی لیکن اس قدر استحضار کے ساتھ نماز پڑھاتے تھے کہ اس طویل وقفہ میں کبھی سجدۂ سہو کی نوبت نہیں آئی۔

حضرت موسیٰ بن ابی عائشہ کے بارے میں حضرت جریر بن عبدالحمید فرمایا کرتے تھے کہ یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو دیکھ کر اللہ یاد آجاتا تھا دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر سجدہ کا نشان تھا اور چہرہ پر عبادت کی پوری نورانیت تھی۔

(۳۱) تذکرہ حضرت خلف بن حوشب

ان کے بارے میں حضرت عبدالسلام بن حرب کہا کرتے تھے کہ ان سے زیادہ شب گزار اور راتوں کو جاگنے والا میں نے نہیں دیکھا۔

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ ان کے ساتھ سفر کی سعادت ملی تو میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کوفہ سے جانے اور کوفہ لوٹنے تک کبھی رات میں آپ نے آرام نہیں کیا بلکہ پوری رات اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے اور تہجد ونوافل میں پوری رات گزارتے تھے۔

(۳۲) تذکرہ حضرت کرز بن وبرہ

یہ اصل کے اعتبار سے کوفی ہیں لیکن کوفہ چھوڑ کر جرجان میں انہوں نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ قرآن کریم سے بے حد تعلق تھا چوبیس گھنٹہ میں تین ختم قرآن

کریم کا کیا کرتے تھے، گویا کہ ہروقت تلاوت میں مصروف رہا کرتے تھے۔

محمد بن فضیل اپنے والد کے حوالہ سے نقل کیا کرتے تھے کہ کرز بن وبرہ نے چالیس سال تک آسمان کی طرف سر نہیں اٹھایا۔

محمد بن فضیل ہی راوی ہیں کہ حضرت کرز بن وبرہ جب گھر سے نکلتے اورلوگوں کولہو ولعب میں مصروف دیکھتے تو ان کو اچھے کاموں کی تلقین کرتے امر بالمعروف کا فریضہ انجام دیتے اس پر لوگ ان کو اتنا مارتے کہ بے ہوش ہوجایا کرتے تھے۔

یہ کس قدر نادانی کی بات ہے ایک شخص اچھائیوں کی تلقین کررہا ہے تو اس کو زدوکوب کیا جارہا ہے اور اپنی غلطیوں پر ندامت نہیں ہورہی ہے ایسے ہی لوگ انجام کے اعتبار سے عذاب الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں۔الامان والحفیظ۔

ابن شبرمہ راوی ہیں کہ حضرت کرز بن وبرہ نے اللہ سے اسم اعظم کا سوال کیا اور یہ شرط لگائی کہ اس کے ذریعہ وہ دنیا نہیں مانگیں گے اللہ نے ان کو اسم اعظم دیدیا اس کے ذریعہ انہوں نے اللہ سے درخواست کی کہ اے اللہ مجھ کو اتنی طاقت دیدے کہ میں چوبیس گھنٹہ میں تین ختم قرآن کریم کیا کروں چنانچہ دعاء قبول ہوئی اور جیسا کہ گذرچکا ہے کہ روزانہ تین ختم کیا کرتے تھے، حضرت کرز بن وبرہ دو باتوں کی تلقین اکثر کیا کرتے تھے (۱) حضورﷺ پر درود بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود ان پر پیش کیا جاتا ہے۔(۲) اور خاتمہ بالخیر کی دعاء کیا کرو۔

سفر کی حالت میں بھی سواری پر بیٹھ کر نوافل کا بہت زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے اور جب سواری سے اترتے تو زمین پر نفل شروع فرمادیتے۔

یعنی کوئی لمحہ ضائع نہیں جانے دیتے تھے۔

ایک مرتبہ مکہ جاتے ہوئے شدت گرمی میں پہاڑ پر مصلی بچھا دیا اور نوافل میں اس طرح مشغول ہو گئے کہ رفقاء کو بسیار جستجو کے بعد ملے لیکن اس حال میں جس نے دیکھا اس سے شرط لگا دی کہ کسی کو بتانا نہیں۔ چونکہ اس گرمی میں ان کے سر پر بادل سایہ فگن تھا اور یہ نوافل میں منہمک تھے یہ ان کی کرامت تھی اس لئے دیکھنے والے سے نہ بتلانے کی شرط لگا دی۔

ہمارے بڑوں کا یہی حال تھا کہ انتہائی تستر کی زندگی گزارنا پسند کرتے تھے۔

اب تو حال یہ ہے کہ اختراعی کرامت کی تشہیر کروائی جاتی ہے تا کہ لوگ معتقد ہوں۔ ؎

ببیں تفاوت رہ از کجا تا بکجا

جب حضرت کرز بن وبرہ کا انتقال ہوا تو ایک صاحب نے خواب میں دیکھا اہل قبور نئے کپڑے پہنے ہوئے اپنی قبروں پر بیٹھے ہیں دیکھنے والے نے پوچھا یہ نئے کپڑے کیسے؟ قبر والوں نے بتلایا آج کرز بن وبرہ ہمارے پاس آئے ہیں ان کی آمد پر ہمیں نئے کپڑے پہنائے گئے ہیں۔

سبحان اللہ کتنی بڑی بات ہے صلحاء کے فیوض و برکات سے دنیا زندگی میں بھی مستفید ہوتی ہے اور مرنے کے بعد بھی ان کا فیض تقسیم ہوتا ہے۔

(۳۳) تذکرہ حضرت ابو یونس القوی

ان کا نام حسن بن یزید العجلی ہے، ان کو قوی سے اس لئے پکارا جاتا تھا چونکہ عبادت پر یہ بہت قوی تھے، نماز اس قدر کثرت سے پڑھتے تھے کہ بڑھاپا آ گیا اور معذور ہو گئے۔

اللہ کے خوف سے اس قدر روتے تھے کہ آنکھوں کی روشنی چلی گئی۔

روزہ اس قدر کثرت سے رکھتے تھے کہ کثرت روزہ کی وجہ سے چھوہارہ کی طرح خشک ہو گئے۔

امام بخاری نے بحوالہ ابو عاصم نقل کیا ہے کہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو ایک دن میں ستر طواف کئے۔

(۳۴) تذکرہ حضرت عبدالملک بن سعید بن ابجر

یہ بے حد صاحب تقوی تھے اور تقوی کا اثر ان کی گفتگو چال ڈھال ہر چیز پر دکھائی دیتا تھا شدت تقوی کی وجہ سے رفتار ایسی تھی کہ دیکھنے والا ان کو تھکا ہوا کمزور بدن تصور کرتا تھا حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

اسی طرح گفتگو میں بھی بے حد محتاط رہتے تھے اکثر معاریض کا استعمال کرتے تھے جو توریہ کی ایک قسم ہے اور ایسا صرف شدۃ تقوی کی وجہ سے کرتے تھے۔

اسی وجہ سے لوگ اپنے بچوں کو اچھی زبان سیکھنے اور زبان کی حفاظت کی تربیت کے لئے ان کے پاس جانے کو کہتے تھے بلکہ بعض حضرات اہل کوفہ میں اپنی زبان کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والا انہی کو بتلاتے تھے۔

جعفر احمد راوی ہیں کہ ہمارے ساتھیوں میں چار افراد ایسے تھے جن پر خوف خدا کی وجہ سے کثرت سے گریہ طاری رہا کرتا تھا ان میں سے ایک عبدالملک بن ابجر بھی ہیں (۲) محمد بن سوقہ (۳) مطرب بن طریف (۴) ضرارہ بن مرہ۔

حضرت سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کوفہ میں پانچ افراد ایسے ہیں جن میں خیر کے اعتبار سے روزانہ اضافہ ہوتا ہے، ان پانچ میں ایک عبدالملک بن ابجر بھی ہیں۔

حضرت عبدالملک بن ابجر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کبھی عافیت دے کر بندہ کے شکر کا امتحان لیتا ہے اور کبھی عافیت لے کر صبر کا امتحان لیتا ہے۔

(۳۵) تذکرہ حضرت عمر بن قیس الملائی

حضرت عمر بن قیس الملائی بیس (۲۰) سال تک اس انداز سے مسلسل روزہ رکھا کہ گھر والوں کو بھی اس کی خبر نہیں ہوئی دوپہر کا کھانا روزانہ گھر سے آتا اس کو چپکے سے صدقہ کر دیتے اور خود روزہ کا معمول پورا کرتے تھے۔

تستر کا حال یہ تھا کہ جب رقت طاری ہوتی اور رونا آتا تو اپنے چہرہ کو دیوار

سے لگا لیتے اور شرکاءِ مجلس سے کہتے زکام ہو گیا ہے۔

جب دنیا سے جانے کا وقت قریب آیا تو رونے لگے حاضرین نے کہا حضرت کیوں رو رہے ہیں فرمایا میں دنیا کے چھوٹنے پر نہیں رو رہا ہوں بلکہ اس پر رو رہا ہوں کہ آخرت کا خوف جیسا ہونا چاہئے تھا اپنے اندر پیدا نہیں کر پایا۔

فرمایا کرتے تھے جب کسی کارِ خیر کو کرنے کا موقع ملے ضرور کر لو چاہے ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہوتا کہ اس خیر کے کرنے والوں کی فہرست میں تمہارا نام شامل ہو جائے۔

محاربی کہتے ہیں حضرت سفیان ثوری نے مجھ سے کہا عمر بن قیس الملائی وہ ہیں جنہوں نے مجھے قرآن پاک اور علم فرائض کی تعلیم دی اور میری تربیت فرمائی، میں ان کو بازار میں تلاش کرنے جاتا تو بازار کے بجائے گھر میں ملتے تھے نماز یا تلاوت میں مشغول ملتے کبھی ایسا ہوتا گھر کے بجائے کوفہ کی کسی مسجد میں ملتے ایک کونے میں بیٹھے رو رہے ہوتے جیسے کوئی چوری کر کے آ کر دبک کر کسی کونے میں بیٹھا ہو کبھی قبرستان میں ملتے بیٹھے رو رہے ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا پورا کوفہ ان کے جنازہ میں شریک ہوا۔

وصیت کے مطابق ابو حیان التیمی نے نماز جنازہ پڑھائی اور ایک آواز غیب سے سنی ''قد جاء المحسن''، محسن آ گیا۔

پورا میدان سفید پرندوں سے بھر گیا لوگوں کو ان کی کثرت اور خوبصورتی پر حیرت ہوئی۔

ابو حیان نے کہا یہ فرشتے ہیں جو جنازہ میں شرکت کے لئے آئے ہیں۔

عبد اللہ بن سعید الجعفی کہتے ہیں الملائی کے جنازہ میں سفید کپڑے میں ملبوس بہت لوگ تھے لیکن نماز جنازہ کے بعد وہ سب غائب ہو گئے۔

اسی طرح کی بات محمد بن یزید الرفاعی اور ابو خالد احمر بھی کہا کرتے تھے کہ الملائی کے جنازہ میں سفید پوش لوگوں کی اتنی بھیڑ تھی کہ جنازہ گاہ پورا بھر گیا تھا لیکن جنازہ ختم ہونے کے بعد یہ سب غائب ہو گئے۔

یہ سب فرشتے تھے جو الملائی کے جنازہ میں شرکت کے لئے آئے تھے اور جنازہ ختم ہونے کے بعد سب رخصت ہو گئے۔

(۳۶) تذکرہ حضرت عطوان بن عمر التیمی

آپ لوگوں سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتے تھے اور اپنا حال کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے اکثر قبرستان جایا کرتے تھے۔

ایک بار کچھ لوگ ملاقات کے لئے آئے تو آپ کو قبرستان میں قبروں کے درمیان بے ہوشی کی حالت میں پایا لوگ ان کے پاس کھڑے رہے جب ان کو ہوش آیا تو کچھ لوگوں کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر شرمندہ ہوئے اور اپنے حال کو چھپاتے ہوئے ان سے کہا کبھی کبھی نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے یا تھکاوٹ آجاتی ہے تو اس طرح قبروں کے درمیان لیٹ جاتا ہوں۔

محمد بن السماک کہا کرتے تھے کہ عطوان سے زیادہ موت سے ڈرنے والا

میں نے کسی کونہیں دیکھا، ہر سانس پر اس کا خیال ہوتا تھا کہ پتہ نہیں دوسری سانس لے پاؤں گا یا نہیں۔

(۳۷) تذکرہ قیس بن مسلم الجدلی

حضرت سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ قیس بن مسلم شب بیدار لوگوں میں سے تھے پوری رات نوافل پڑھا کرتے تھے اور بیٹھ کر آنسو پونچھا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ ہم کیوں پیدا کئے گئے ہیں؟ ایک صاحب ان کی ملاقات کے لئے آئے وہ عشاء کے بعد پہنچے معلوم کیا کہ قیس بن مسلم کہاں ہیں معلوم ہوا مسجد میں ہیں وہ ملاقات کے لئے مسجد پہنچے صبح تک وہ انتظار کرتے رہ گئے لیکن نوافل کا سلسلہ ان کا ختم نہیں ہوا مجبوراً ان کو واپس آنا پڑا، واپسی کے بعد اپنے محلّہ کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھائی لیکن دونوں کی ملاقات نہیں ہوسکی۔ صبح کے وقت دوبارہ ان کی ملاقات کے لئے گئے، قیس بن مسلم نے ان کو آتا ہوا دیکھا تو کھڑے ہوکر ان کا استقبال کیا اور آنے کے بعد معانقہ کیا اور دیر تک دونوں روتے رہے۔

اس میں شک نہیں کہ جن حضرات نے بھی شب بیداری کی چاشنی پائی وہ اپنی خوابگاہوں کو بھول گئے اور ”**تتجافی جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفاً وطمعاً**“ کے مصداق بن گئے ہم لوگوں کو بھی اللہ پاک ان شب بیداروں کا کچھ حصہ نصیب فرمائے، اور اس کی چاشنی نصیب فرمائے۔

(۳۸) تذکرہ مسعر بن کدام

حضرت سفیان بن عیینہ فرمایا کرتے تھے جتنے لوگوں سے میری ملاقات ہوئی ان میں سب سے افضل میں نے مسعر بن کدام کو پایا۔

حضرت سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے زمانہ میں مسعر بن کدام جیسا کوئی نہیں تھا۔

ابوخالد الاحمر کہا کرتے تھے ان کے معاصرین میں مسعر بن کدام سے زیادہ کم گو کوئی نہیں تھا۔

مسعر بن کدام کے لڑکے محمد کہا کرتے تھے کہ میرے والد محترم رات میں آرام نہیں کرتے تھے جب تک پندرہ پارہ یعنی نصف قرآن کی تلاوت نہ فرما لیتے اس کے بعد بہت مختصر وقت کے لئے آرام کرتے پھر بستر سے اس طرح سے کود کر چل پڑتے جیسے کوئی چیز گم ہوگئی ہو اس کو وہ تلاش کر رہے ہوں مسواک اٹھاتے وضو کرتے اس کے بعد محراب میں آ کر نوافل میں لگ جاتے اور صبح تک نوافل میں مشغول رہا کرتے تھے اس کثرت عبادت کے باوجود ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ میری عبادت کا حال کسی کو معلوم نہ ہو۔

حضرت مسعر کا حال یہ تھا وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری ماں زندہ نہ ہوتی اور ان کی خدمت کی مجبوری نہ ہوتی تو میں مسجد کی دائمی حاضری ترک نہ کرتا۔

(۳۹) تذکرہ داؤد بن نصیر الطائی

داؤد بن نصیر الطائی ان کی کنیت ابو سلیمان ہے، فن حدیث اور فقہ کی تحصیل کے بعد عبادت گزاری میں مشغول ہوگئے اور اس انہماک کے ساتھ مصروف ہوئے کہ کوئی اگر ملاقات کے لئے حاضر ہوتا تو اس کو دوبارہ آنے سے منع فرما دیتے، حضرت سفیان ثوری کے سامنے جب ان کا تذکرہ آتا تو فرماتے تھے کہ طائی نے مقصد حیات کو سمجھ لیا تھا۔

حضرت طائی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی جب اپنے کسی بندہ کو معصیت کی ذلت سے نکال کر تقوی کی عزت سے سرفراز فرماتے ہیں تو بغیر مال کے اس کو غنی بنا دیتے ہیں بغیر خاندان کے اس کو شرف سے نواز دیتے ہیں اور تنہائی میں بھی سامان انس فراہم کر دیتے ہیں۔

بکر بن محمد کہا کرتے تھے کہ حضرت داؤد طائی نے مجھ سے فرمایا: "**فر من الناس کما تفر من الأسد**" کہ لوگوں سے اس طرح دوری بنا کر رکھو جس طرح شیر سے تم دور رہتے ہو۔

ابو الربیع الاعرج ایک بار اپنے شہر واسط سے حضرت داؤد طائی کی ملاقات وشرف زیارت سے مشرف ہونے کے لئے آئے آنے کے بعد تین دن تک ان کے دروازہ پر بیٹھے رہ گئے لیکن ملاقات کی نوبت نہیں آئی جب بھی ملاقات کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ وہ عبادت میں مصروف ہیں نماز پڑھ رہے ہیں۔

ایک دن بڑی مشکل سے مسجد سے گھر آتے ہوئے دراوزہ پر مل گئے میں نے کہا حضرت مہمان ہوں زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا اگر مہمان ہو تو اندر آجاؤ اندر جا کر تین دن تک میں ٹھہرا رہا لیکن بات کرنے کی نوبت نہیں آئی تین دن کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت میں واسط سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور بغرض استفادہ حاضری ہوئی ہے آپ نے فرمایا"**صم عن الدنیا و اجعل فطرک الموت**" دنیا سے روزہ رکھ لو یعنی اس سے انتفاع کم سے کم کرو اور اپنی افطاری موت کو بنالو۔

میں نے مزید نصیحت کی درخواست کی، تو آپ نے فرمایا:"**فر من الناس فرارک من الأسد**" کہ لوگوں سے اسی طرح دور رہو جیسے شیر سے بھاگتے ہو یعنی دور رہتے ہو لیکن لوگوں پر طعن و تشنیع نہ کرو اور نہ ان کی جماعت کو چھوڑو میں نے مزید نصیحت کی درخواست کی تو آپ کود کر مصلی پر کھڑے ہو گئے اور اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر دی۔

حضرت اعرج کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت داؤد طائی کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا آپ کا معمول یہ تھا کہ جب مکبر **قد قامت الصلاۃ** پر پہنچتا تب وہ گھر سے نکلتے اور امام کے سلام پھیرتے ہی جوتا پہن کر گھر میں داخل ہو جاتے اس آنا فاناً آمد و رفت کی وجہ سے کئی روز ملاقات کی نوبت نہیں آئی ایک دن لپک کر تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور عرض کیا کہ حضرت آپ کے پیچھے اعرج ہے یہ سن کر آپ تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرے میں نے عرض کیا کہ حضرت کوئی نصیحت فرما دیں آپ نے فرمایا

''اتق اللہ'' اللہ کا تقوی اختیار کرو، ''وإن کان لک والدان فبرّھما'' اگر ماں باپ زندہ ہوں تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو پھر فرمایا: ''صم الدنیا واجعل الفطر موتک''۔ دنیا سے روزہ رکھ لو یعنی تم دوری بنا کر رکھو اور افطاری اپنی موت کو بنا لو یعنی جس طرح افطاری کے وقت خوشی ہوتی ہے اسی طرح موت کا انتظار خوشی سے کرو اور یہ دولت اسی وقت حاصل ہوگی جب دنیا سے بے رغبت ہو کر زندگی گزارو گے اور چوتھی نصیحت یہ فرمائی ''واجتنب عن الناس'' لوگوں سے دوری بنا کر رکھو یعنی تخلیہ کو ترجیح دو خواہ مخواہ ان کے ساتھ اختلاط سے پرہیز کرو اس لئے کہ خواہ مخواہ کی مجلسوں میں شرکت کرنے سے سوائے غیبت اور بہتان والزام تراشی دوسروں کی تحقیر وتذلیل اور تضحیک کے گناہ کے سواء کچھ ہاتھ نہیں آتا ہاں اگر خیر کی مجلس ہو علمی مجلس ہو، وعظ وتذکیر کی مجلس ہو صلحاء واتقیاء کی مجلس ہو ابرار واخیار کی مجلس ہو اصفیاء واتقیاء کی مجلس ہو تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔

عبد اللہ بن ادریس کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ داؤد طائی سے کچھ پند ونصائح کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا لوگوں سے جان پہچان کم رکھو میں نے درخواست کی کہ کچھ اور نصیحت فرما دیجئے تو آپ نے فرمایا، دین کی سلامتی کے لئے دنیا کی تھوڑی سی مقدار پر خوش رہو جس طرح سے دنیادار دین کے بگاڑ کے ساتھ اپنے پاس بہت دنیا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

میں نے مزید نصیحت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ دنیا کو اس دن کی طرح سمجھو جس دن تم نے روزہ رکھا اور پھر موت پر افطاری کر لی۔

ولید بن عقبہ کہتے ہیں کہ داؤد طائی کے لئے ایک ساتھ ساٹھ (٦٠) روٹیاں پکا کر لٹکا دی جاتی تھیں روزانہ اس میں سے دو روٹی نکال کر پانی اور نمک سے افطاری کیا کرتے تھے ایک دن روٹیاں ختم ہوگئیں تو باندی ایک طباق میں کھجور لے کر آئی آپ نے چند کھجوروں سے افطار کیا اس کے بعد پوری رات عبادت میں مصروف رہے اور دن بھر روزہ رکھا اور شام کے وقت حسب معمول روٹی کے ساتھ پانی اور نمک سے افطاری کیا۔

ایک مرتبہ داؤد طائی کوفہ کے ایک جنازہ میں تشریف لے گئے تدفین میں تاخیر کی وجہ سے قبرستان کے ایک کونے میں بیٹھ گئے لوگ آپ کو دیکھ کر جمع ہوگئے تو لوگوں کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا جو وعید سے ڈرتا ہے اس کے لئے بعید قصیر ہوجاتا ہے اور جس کی آرزو دراز ہوتی ہے اس کا عمل ضعیف ہوجاتا ہے اور یقینی طور پر پیش آنے والی چیز کو قریب سمجھنا چاہئے اور جو چیز تم کو تمہارے رب کے ساتھ مشغول کردے وہ چیز نامبارک ہے اور فرمایا کہ یہ یاد رکھو جب لوگ قبروں سے نکلیں گے تو جنہوں نے ”**ولتنظر نفس ما قدمت لغد**“ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی آخرت کے لئے کچھ توشہ بھیج دیا ہوگا وہ تو خوش ہوں گے اور جو لوگ سب کچھ دنیا ہی میں چھوڑ کر آئے ہوں گے وہ لوگ اس دن نادم و شرمندہ ہوں گے ابو حفص کہا کرتے تھے کہ میں نے ابن ابی عدی کو کہتے ہوئے سنا کہ داؤد طائی نے چالیس سال تک مسلسل روزہ رکھا لیکن اپنے اس عمل کی گھر والوں کو بھی خبر نہیں ہونے دیا، دوپہر کا کھانا گھر سے اپنے ساتھ لے کر نکلتے تھے راستہ میں کسی محتاج و ضرورت مند کو وہ کھانا دے دیتے تھے اور

شام کا کھانا افطار کے وقت گھر آ کر کھایا کرتے تھے جس کیوجہ سے گھر والے یہ سمجھ نہیں پاتے کہ آپ روزہ رکھتے ہیں۔

حضرت داؤد طائی چونکہ کثرت اختلاط سے بہت پرہیز کیا کرتے تھے اس لئے گھر کا دروازہ ہمیشہ بند رکھتے تھے اسی دوران ایک مرتبہ حضرت فضیل بن عیاض آپ کی ملاقات کے لئے آئے ان کو بھی گھنٹوں دروازہ پر بیٹھنا پڑا اکثر جس کو بات کرنی ہوتی تھی وہ دروازہ کے باہر سے بات کیا کرتا تھا۔

حضرت داؤد طائی پوری یکسوئی کے ساتھ ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے اسی وجہ سے اپنے مکان کی چھت میں مکڑیوں کے جالوں کو بھی دیکھنے اور کسی سے صاف کروانے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ ایک دن ایک صاحب نے جب اس کی طرف متوجہ کیا تو آپ نے یہ فرمایا کہ اتنی فرصت کس کو ہے جو فضول چیزوں کو دیکھے۔

حضرت داؤد طائی کے زہد کا یہ عالم تھا کہ ماں سے ترکہ میں چار سو درہم ملے جس سے اپنے کھانے پینے کا تیس سال تک انتظام کیا اور باپ سے ترکہ میں بیس دینار ملے اس سے بیس سال تک اپنے کھانے پینے کا انتظام کیا جب پیسے ختم ہو گئے تو گھر کی چھتوں کی لکڑیاں اور بانس کی بنی ہوئی چٹائی اور گھر کی دیواروں میں لگی ہوئی اینٹ کو بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرتے رہے یہاں تک کہ گھر کی آدھی چھت باقی رہ گئی اس میں اپنی زندگی بسر کرتے رہے لیکن نہ کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز کیا اور نہ ہی اجڑے ہوئے مکان کی تعمیر کی فکر کی اس لئے کہ ہمیشہ ان کے پیش نظر یہ بات رہی "**إن الدنيا دار من لا دار له**" اور ہمہ وقت اپنے دار آخرت یعنی جنت کی تعمیر،

تزئین میں لگے رہے۔

بالآخر اپنی تمام تر ریاضت ومجاہدہ اورعبادت کے ساتھ ۱۶۱ھ میں اس دار فانی کوالوداع کہہ گئے۔

(۴۰) تذکرہ علی وحسن ابناء صالح بن حیی

حضرت علی اور حسن یہ دونوں جڑوے بھائی تھے ان کے والد کا نام صالح تھا علی کی پیدائش حسن سے ایک گھنٹہ پہلے ہوئی تھی اس اعتبار سے علی بڑے اور حسن چھوٹے ہوئے اوراسی بنیاد پر پوری زندگی حسن علی کا احترام واکرام کرتے رہے۔

حضرت وکیع بن جراح کہا کرتے تھے کہ ان کی ماں نے قرآن پاک کو دس دس پارہ کر کے تقسیم کردیا تھا سب سے پہلے علی قیام اللیل شروع کرتے جب وہ دس پارہ مکمل کر لیتے تو آرام کرتے اس کے بعد حسن قیام اللیل شروع کرتے ان کا جب دس پارہ مکمل ہو جاتا تو سو جاتے اس کے بعد ان کی والدہ آخری دس پارہ کی تلاوت قیام اللیل میں شروع کرتی اور سحر تک وہ دس پارہ مکمل کر لیتی جب ماں کا انتقال ہو گیا تو دونوں بھائیوں نے پندرہ پندرہ پارہ کر کے پورا قرآن قیام اللیل میں تلاوت کے لئے تقسیم کیا اس طرح پوری رات میں دونوں بھائی مل کر قیام اللیل میں ایک قرآن مکمل کرتے رہے اس کے بعد علی کا انتقال ہو گیا تو حسن اکیلے پورا قرآن قیام اللیل میں ختم کرتے تھے۔

یہ والدہ کی تربیت تھی جس تربیت میں خود بھی شریک تھیں کاش آج کی مائیں اس سے سبق حاصل کریں اوراس انداز کی تربیت اپنی اولاد کی کریں۔

یحییٰ بن آدم راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حسن نے بیان کیا کہ جس رات میرے بھائی علی کا انتقال ہوا انہوں نے پینے کے لئے مجھ سے پانی طلب کیا اس وقت میں نماز میں مصروف تھا نماز مکمل کرنے کے بعد جو پانی لے کر ان کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ بھائی جان پانی حاضر ہے انہوں نے کہا میں پانی پی چکا ہوں میں نے کہا اس کمرہ میں میرے اور آپ کے علاوہ کوئی نہیں ہے تو پانی آپ کو کسنے پلا دیا اس پر انہوں نے کہا کہ ابھی حضرت جبرئیل پانی لے کر آئے تھے وہ پلا کر چلے گئے، اور مجھ سے یہ فرمایا کہ تم اور تمہارے بھائی (حسن) اور تمہارے ابا (صالح) کا شمار "**الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين**" میں سے ہے۔

اس کے بعد ان کی روح نکل گئی یعنی انتقال ہو گیا۔

یہ سب کچھ قرآن کریم سے تعلق کی برکت تھی کہ اتنی آسانی کے ساتھ روح نکلی اور فرشتے کے ہاتھوں مرتے وقت پانی نصیب ہوا۔

ابوسلیمان الدرانی کہا کرتے تھے کہ حسن کے چہرے سے جتنا خوف اور خشوع ظاہر ہوتا تھا یہ چیز میں نے کسی اور کے چہرے پر نہیں دیکھی۔

خوف کا یہ عالم تھا کہ ایک رات سورہ **عم يتساء لون** پڑھنا شروع کیا اور ایک ہی آیت کو بار بار دہراتے رہے اس آیت میں ذکر کردہ مضمون کا دل ودماغ پر اس قدر غلبہ ہوا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش آیا پھر اسی آیت کی تلاوت شروع

کر دی دوبارہ پھر آپ پر غشی طاری ہوگئی صبح تک یہی سلسلہ چلتا رہا لیکن پوری سورت مکمل نہیں کر سکے۔

جب تعمق اور استحضار کے ساتھ آدمی تلاوت کرتا ہے تو اس انداز کی کیفیت کا پیدا ہونا لازمی چیز ہوتی ہے۔

ہمارے اسلاف چونکہ پوری یکسوئی اور استحضار کے ساتھ تلاوت کیا کرتے تھے اس لئے وہ تلاوت کی لذت سے آشنا تھے اور اس انداز کی کیفیات سے دوچار بھی ہوتے تھے۔

خلف بن تمیم کہتے ہیں کہ حسن بن صالح کا معمول تھا کہ سحر تک قیام اللیل میں مصروف رہا کرتے تھے، اس کے بعد مصلی ہی پر بیٹھ کر دیر تک گریہ وزاری میں مصروف رہتے اور اسی حجرہ میں ان کے بڑے بھائی علی بن صالح بھی ہوا کرتے تھے ان کا بھی حال یہی تھا۔

اور ان دونوں کی والدہ کا حال یہ تھا کہ وہ دن ورات یعنی چوبیس گھنٹہ خوف خدا سے روتی رہتی تھیں سب سے پہلے والدہ کا انتقال ہوا اس کے بعد بڑے بھائی علی کا تیسرے نمبر پر حسن کا۔

خلف بن تمیم کہتے ہیں ایک مرتبہ خواب میں میں نے حسن کو دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا کہ والدہ کا کیا حال ہے، انہوں نے جواب میں کہا ان کی گریہ وزاری کے طفیل ہمیشہ کی خوشی ان کو حاصل ہوگئی اس کے بعد میں نے پوچھا کہ علی کا کیا حال ہے، انہوں نے کہا علی بھی بھلے ہیں اس کے بعد میں نے ان کے بارے میں پوچھا کہ

آپ کا کیا حال ہے تو فرمایا کہ بس اللہ سے معافی کی امید لگائے بیٹھا ہوں، سچ ہے دنیا رونے کی جگہ ہے ہنسنے کی جگہ نہیں جو خوف خدا سے دنیا میں روتا ہے وہ خدا کے یہاں پہنچ کر اس کی نعمتوں کو پا کر خوش ہوتا ہے اور ہنستا ہے۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ علی بن صالح ۱۵۴ھ میں دنیا کو الوداع کہہ گئے اور اس کے تیرہ سال کے بعد ۱۶۷ھ میں حسن بن صالح دنیا کو خیر آباد کہہ گئے۔

(۴۱) تذکرہ حضرت حمزہ بن عمارہ الزیات

حضرت حمزہ چونکہ تیل کے کاروباری تھے کوفہ سے تیل لے کر حلوان جاتے تھے اسی لئے زیات کے ساتھ آپ مشہور ہو گئے۔

قرآن کریم کی تلاوت کے عاشق تھے اور سنت وفرائض کے بے حد پابند تھے۔

حضرت اعمش جب حضرت حمزہ کو آتا ہوا دیکھتے تو فرماتے کہ قرآن وسنت کا بہت بڑا عالم آ رہا ہے۔

مسلم بن عیسی راوی ہیں کہ ایک دن میں حضرت حمزہ کی ملاقات کے لئے ان کے پاس آیا تو دیکھا کہ رخسار کو زمین پر رکھ کر رو رہے ہیں میں نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے اپنے ایک لمبے خواب کا تذکرہ کیا جس کا آخری حصہ یہ تھا کہ خواب میں میری ملاقات اللہ سے ہوئی اللہ نے یہ فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں قرآن کا اکرام کرتے

ہیں یعنی اس کا حق ادا کرتے ہیں یعنی اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں تو اس کی وجہ سے میں اس کا اکرام کرتا ہوں بشرطیکہ اس کا عمل قرآن پر ہو۔

اس کے بعد اللہ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے حمزہ! قرآن میرا کلام ہے اس کی جتنی محبت میں اہل قرآن سے کرتا ہوں اتنی کسی سے نہیں کرتا۔

اس کے بعد اللہ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے حمزہ! میرے قریب آؤ جب میں قریب گیا تو ایک خاص قسم کی قیمتی خوشبو سے میں آراستہ ہو گیا۔

اللہ نے فرمایا کہ اے حمزہ! میں یہ صرف تیرے ساتھ نہیں کر رہا ہوں بلکہ تمہاری طرح جتنے اہل قرآن ہیں خواہ تم سے اوپر ہوں یا نیچے ان سب کے ساتھ میرا یہی برتاؤ ہے۔

اے حمزہ! اپنے ساتھیوں کو اہل قرآن سے میری محبت بتلا دو، میرے نزدیک ان کا شمار منتخب بندوں میں ہے۔

اس کے بعد اللہ نے مجھ کو مخاطب کر کے اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر فرمایا، میں اس زبان کو جہنم کی آگ میں کبھی نہیں جلاؤں گا جس نے قرآن پڑھا ہو اور نہ اس دل کو جلاؤں گا جس نے قرآن کو محفوظ کیا ہو اور نہ اس کان کو جلاؤں گا جس نے قرآن کریم کو سنا ہو اور نہ اس آنکھ کو جلاؤں گا جس نے قرآن کو دیکھا ہو اس کے بعد اللہ نے فرمایا ایسے لوگ جب مجھ سے ملاقات کریں گے تو ہر آیت کے بدلہ ان کا ایک درجہ بلند کروں گا اس کے بعد حضرت حمزہ نے مسلم بن عیسیٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ اسی وجہ سے میں رو رہا ہوں مٹی پر رخسار رکھ کر اپنا چہرہ رگڑ رہا ہوں۔

ایک صاحب نے خواب میں امام کسائی کو دیکھا ان سے پوچھا کہ حمزہ زیات کا کیا حال ہے، تو انہوں نے کہا کہ وہ تو علیین میں ہیں یقیناً ان کو یہ مقام قرآن کریم سے تعلق کی بنیاد پر ملا، اللہ پاک پوری امت کو یہ تعلق نصیب فرمائے آمین، حلوان میں ۱۵۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۴۲) تذکرہ حضرت محمد بن النضر الحارثی الکوفی

حضرت محمد کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے یہ کوفہ کے عابد وزاہد حضرات میں سے ہیں ان کی عبادت کا حال یہ تھا کہ ابو زید کہتے ہیں میرے پڑوس میں انہوں نے چالیس راتیں گزاریں لیکن میں نے کبھی بھی ان کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا خواہ دن ہو یا رات، اسی کے ساتھ خلوت نشینی ان کو بہت پسند تھی اس لئے وہ اس کو نہیں پسند کرتے تھے کہ کوئی ان کی ملاقات کے لئے آئے ابواسامہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ بہت زیادہ خلوت نشینی سے آپ کو وحشت نہیں ہوتی تو انہوں نے کہا کہ جس کی یاد میں لگا رہتا ہوں اس کی ہم نشینی میرے لئے کافی ہے۔

حضرت خالد بن یزید کہتے ہیں کہ محمد بن النضر کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ متقیوں کے دلوں کو موت کی یاد نے دنیا سے غافل کر دیا ہے، اللہ کی قسم جنہوں نے بھی دنیا کی بے وفائی اور بے ثباتی کو سمجھ لیا انہوں نے کبھی دنیا پر محبت بھری نگاہ بھی نہیں ڈالی خود محمد بن النضر موت کو کثرت سے یاد کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کے بدن

کے جوڑ ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

یزید بن زیاد الحارثی کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ محمد بن النضر کے ساتھ حج کا سفر کیا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جب قافلہ کہیں ٹھہرتا پھر وہاں سے کوچ کرنے کا اعلان ہوتا تو اتنی تیزی کے ساتھ آگے چلتے کہ قافلہ سے بہت آگے پہنچ جاتے وہاں ٹھہر کر نوافل میں مصروف ہوجاتے جب قافلہ کے پہنچنے کی آہٹ محسوس کرتے تو پھر چل پڑتے اور آگے بڑھ کر نوافل میں مصروف ہوجاتے۔

محمد بن صبیح کہتے ہیں کہ محمد بن النضر کہا کرتے تھے کہ بھوک کی حالت میں نیکی کا داعیہ زیادہ پیدا ہوتا ہے بخلاف اس کے کہ جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو برائی کا داعیہ زیادہ پیدا ہوتا ہے۔

اسی لئے حضرات صوفیاء بھی قلت طعام کی ترغیب دیتے ہیں اور سنت بھی یہی ہے۔

(۴۳) تذکرہ حضرت ورّاد العجلی

حضرت وراد العجلی عابد وزاہد باکی وداعی حضرات اسلاف میں سے تھے۔
حضرت ابوعمر کہتے ہیں کہ میں نے وراد العجلی کو ہمیشہ اس حال میں دیکھا کہ سر نیچا کر کے سر پر رومال ڈالے ہوئے مسجد میں آتے اور مسجد کے گوشہ میں نماز ودعاء اور آہ وزاری میں مصروف رہتے پانچوں نمازوں میں مسجد میں آنے جانے کا یہی حال انکا تھا

کسی سے نہ بات کرتے نہ کسی کے پاس بیٹھتے میں نے ان کے محلّہ کے ایک شخص سے ان کا حال بیان کرکے دریافت کیا کہ وہ نوجوان کون تھے؟ اس نے اظہار حیرت کرتے ہوئے جواب دیا کہ جانتے نہیں وہ ورّاد العجلی ہیں انہوں نے اللہ سے اگریمنٹ کررکھا ہے کہ جب تک اللہ کا دیدارنہیں ہوگا وہ نہیں ہنسیں گے، ابوعمر کہتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد جب کبھی ان کو میں دیکھتا تو مجھ پر ہیبت طاری ہوجاتی تھی۔

عمر کہتے ہیں کہ اسی قبیلے کا ایک شخص ملا جس کی وراد سے قرابت تھی اس نے وراد کی چھوٹی بہن سے پوچھا کہ وراد کا رات میں معمول کیا ہے تو اسنے بتلایا کہ کبھی رات کا اکثر حصہ گریہ وزاری میں گزرتا ہے پھر پوچھا کہ ان کا کھانا کیا ہے تو اس نے کہا ایک چھوٹی سی روٹی سحری میں اور وہی افطاری میں کھاتے ہیں انہوں نے کہا کہ ان کی دعاؤں میں سے کوئی دعا یاد ہے تو اس نے کہا کہ ہاں صبح صادق کے قریب سجدہ ریز ہوکر رونا شروع کرتے اور یہ کہتے کہ اے میرے آقا! تیرا بندہ تیری فرمانبرداری کے ذریعہ تیرے قرب کا خواہاں ہے لہذا اس کی اس پر مدد فرما۔

اے میرے آقا! تیرا بندہ تیری نافرمانی اور ناراضگی سے بچنا چاہتا ہے لہذا اس کی اس پر مدد فرما۔

اے میرے آقا! تیرا بندہ تیری بھلائیوں کی امید لگائے بیٹھا ہے لہذا اسے ناامید نہ فرما۔

صبح تک انہی الفاظ کے ساتھ دعاء میں مصروف رہتے۔

کثرت عبادت کی وجہ سے رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

(۴۴) تذکرہ حضرت ابوبکر بن عیاش

حضرت ابوبکر بن عیاش کوفہ کے صلحاء میں سے ہیں ان کے نام کے سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض حضرات ان کا نام شعبہ بتاتے ہیں اور بعض محمد اور بعض مطرف کہتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں عابد وزاہد اللہ کے تعلق کے حامل اسلاف میں سے ہیں تعلق بالقرآن کا حال یہ تھا کہ گھر کے ایک کونہ میں اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) قرآن پاک انہوں نے ختم کیا تھا۔

ان کے لڑکے ابراہیم کہتے ہیں کہ جب وفات کا وقت قریب آیا تو میں رونے لگا والد محترم نے فرمایا، کیوں رو رہے ہو؟ کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ اللہ تمہارے والد کو ضائع کردے گا جبکہ تمہارے والد نے چالیس سال تک روزانہ ہر رات میں ایک قرآن کریم ختم کیا ہے۔

یزید بن ہارون کے سامنے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر بن عیاش کا تذکرہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ قابل قدر فاضل تھے چالیس سال تک رات میں بستر پر نہیں لیٹے بلکہ پوری رات عبادت میں گزارتے تھے، حضرت ابوبکر بن عیاش ایک بالاخانہ میں قیام پذیر تھے جب اترنے چڑھنے سے معذور ہوگئے تو مستقل بالاخانہ میں رہنے لگے اور فرمایا میں حجرہ اس لئے تبدیل نہیں کرنا چاہتا چونکہ ساٹھ سال سے میں اس میں قیام پذیر ہوں اور اس حجرہ میں روزانہ ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔

ایک ادنی قباء اور پائجامہ آپ کا لباس تھا اور ایک بیساکھی آپ کے پاس تھی

اسی لباس میں پوری رات عبادت میں مصروف رہتے اور جب بڑھاپے کی وجہ سے کمر کمزور ہوگئی تو بیساکھی کو سینے سے لگا کر اس کے سہارے پوری رات کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت میں گزارتے۔

ہیثم بن خارجہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خواب میں حضرت ابوبکر بن عیاش کو دیکھا کہ آپ کے سامنے تازی کھجوروں کا ایک طباق رکھا ہوا ہے میں نے خواب ہی میں کہا کیا مجھے نہیں کھلائیں گے؟ تو حضرت ابوبکر بن عیاش نے مجھ سے کہا کہ ہیثم یہ جنت والوں کا کھانا ہے اور تم دنیا والوں میں سے ہو، میں نے کہا یہ نعمت آپ کو کیسے حاصل ہوئی، آپ نے فرمایا کیسے کا سوال کرتے ہو تمھیں معلوم نہیں میری چھیاسی (۸۶) سال کی عمر اس حال میں گذری کہ میں ہر رات ایک قرآن پاک ختم کیا کرتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ جس کا بھی تعلق قرآن پاک سے ہو گیا اس کو اللہ پاک نے نہ دنیا میں ضائع فرمایا نہ آخرت میں، ۱۹۳ھ ماہ جمادی الاولی میں کوفہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۴۵) تذکرہ حضرت عبداللہ بن ادریس

یہ بھی عابد اور زاہد صلحاء میں سے تھے حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن ادریس کو اس حال میں دیکھا کہ ایک ادنی جبہ آپ کے بدن پر تھا اور سالوں سال اسی ایک جبہ میں آپ ملبوس نظر آئے کفایت شعاری کا یہ حال تھا کہ

اپنے تلامذہ میں سے کسی تلمیذ سے نہ اپنی کسی ضرورت کا اظہار کرتے تھے اور نہ ہی کوئی ہدیہ قبول کرتے تھے پوری زندگی حدیث پاک کی خدمت میں گزاری دوروقریب سے لوگ حدیث پاک سننے کے لئے آپ کے پاس آتے تھے اس وقت کے امراء وسلاطین بھی آپ کی اس دولت عظمی سے فیض یاب ہوتے اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ ایک دن وہ آیا کہ آپ دنیا سے رخصت ہونے کے قریب ہوگئے اور اس رخصتی کے آثار جب آپ پر نمودار ہوگئے تو اس کو دیکھ کر آپ کی بچی رونے لگی آپ نے فرمایا بیٹی کیوں رو رہی ہو؟ تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس حجرہ میں میں نے حدیث کی خدمت کے ساتھ چار ہزار (۴۰۰۰) قرآن پاک ختم کیا ہے، انشاء اللہ میرا یہ عمل ضائع نہیں ہوگا بالآخر ۱۹۲ھ میں آپ نے اس دار فانی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیا۔

(۴۶) تذکرہ حضرت وکیع بن جراح

حضرت وکیع بن جراح اونچے محدثین اور فقہاء میں سے تھے اسی کے ساتھ عابد اور زاہد بھی تھے ہشام بن عروہ اعمش، ابن جریج، اوزاعی، شعبہ، اور حضرت سفیان ثوری جیسے پایہ کے محدثین کے تلامذہ میں سے تھے بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، حضرت سفیان ثوری کے انتقال کے بعد ان کے مسند درس پر یہی فائز ہوئے، حضرت امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ اگر وکیع کو تم دیکھ لو تو تم سمجھو گے ایسا آدمی آج تک میں نے دیکھا ہی نہیں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت وکیع جیسا میری آنکھوں نے

کبھی نہیں دیکھا، حدیثیں بہت عمدہ ان کو یاد تھیں مسائل فقہیہ میں بھی بہت عمدہ گفتگو کیا کرتے تھے اور جو بات کہتے تھے پورے تقوی اور اجتہاد کے ساتھ کہتے تھے اور کسی فقیہ کے بارے میں کبھی بھی کوئی تنقیدی یا تنقیصی جملہ نہیں کہتے تھے۔

علم حدیث اور حفظ حدیث میں تحمل مزاجی اور تقوی کے ساتھ آپ جیسا میں نے کسی کو نہیں دیکھا اس قدر علم کے باوجود تعلق مع اللہ کا یہ حال تھا کہ یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں کہ میں حضرت وکیع کے سفر وحضر میں ساتھ رہا ہوں آپ صائم الدہر تھے یعنی ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور قائم اللیل بھی تھے رات میں روزانہ ایک قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وکیع بن جراح سے افضل کسی کو میں نے نہیں دیکھا آپ ہمیشہ قبلہ رخ بیٹھنے کا اہتمام کرتے تھے۔

حدیثوں کے حافظ تھے اور اس کے ساتھ قائم اللیل اور صائم الدہر تھے۔

یحییٰ بن ایوب کہتے ہیں کہ حضرت وکیع کے بعض تلامذہ نے مجھ سے بیان کیا جو حاضر باش تلامذہ میں سے تھے کہ حضرت وکیع رات میں اس وقت تک آرام کے لئے بستر پر نہیں جاتے جب تک کہ قرآن پاک کا ایک تہائی حصہ یعنی دس پارہ تلاوت نہ کر لیتے پھر جب قیام اللیل کے لئے بیدار ہوتے تو اس وقت نوافل میں مفصل کی سورتیں پڑھا کرتے تھے، قیام اللیل سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر استراحت کے لئے بیٹھ جاتے اور صبح صادق تک استغفار میں مصروف رہتے، اذان فجر کے بعد دو رکعت سنت فجر ادا فرماتے، حضرت وکیع کے لڑکے ابراہیم کہتے ہیں کہ ابا کے قیام اللیل کی برکت گھر میں یہ ہوتی کہ گھر کا ہر فرد قیام اللیل کا پابند ہو گیا حتی کہ خدمت کے لئے

ایک باندی تھی وہ بھی قیام اللیل کی عادی تھی۔

حضرت سلب بن حبادہ کہتے ہیں کہ میں سات سال تک حضرت وکیع کی صحبت میں رہا لیکن کبھی تھوک پھینکتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ کنکریوں کو ہاتھ سے برابر کرتے ہوئے دیکھا اور نہ مجلس میں دائیں بائیں پلٹتے ہوئے دیکھا اور نہ کبھی اللہ کی قسم کھاتے ہوئے دیکھا اور نہ قبلہ کے علاوہ کسی رخ کی طرف بیٹھتے ہوئے دیکھا۔

حسین بن ابی زید کہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ سفر حج میں شریک تھا پورے سفر میں نہ آپ نے کجاوے سے ٹیک لگایا نہ اپنے کجاوے میں سوئے، اس قدر علم وفضل کے ساتھ تعلق مع اللہ اور ریاضت ومجاہدہ کا حال آپ نے دیکھا اور پڑھا، کاش ان جیسے اسلاف سے آج کے علماء سبق حاصل کریں اور سلف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خیر خلف کا مصداق بنیں۔

۱۹۶ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے، حج سے واپسی پر منکر نامی مقام پر جو مکہ اور کوفہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے محرم کے مہینہ میں ۱۹۷ھ میں ٦٦ چھیاسٹھ سال کی عمر میں اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا۔

(۴۷) تذکرہ عبدالعزیز بن ابی رواد

حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد کبار تابعین اور حضرت عطاء حضرت عکرمہ حضرت نافع جیسے کبار محدثین کے تلامذہ میں سے ہیں۔

خوف خدا کا بہت زیادہ غلبہ تھا کثرت سے ان پر گریہ طاری رہتا تھا جس کی وجہ سے آنکھ کی بینائی بھی جاتی رہی لیکن تستر کا حال یہ تھا کہ بیس سال تک گھر والوں کو اور بچوں کو اس کی خبر نہیں ہوئی ایک دن آپ کے ایک بچہ نے بہت غور سے نگاہ دیکھی تو اس نے کہا ابو آپ کی آنکھ تو ختم ہو چکی ہے، تب آپ نے فرمایا ہاں بیٹا اللہ کی مرضی تمہارے ابو کی آنکھ کو ختم ہوئے بیس سال ہو گئے ہیں۔

اللہ سے حیا کا یہ عالم تھا کہ چالیس تک آپ نے آسمان کی طرف نگاہ نہیں اٹھائی ایک مرتبہ بیت اللہ کے طواف کے دوران ابوجعفر منصور نے انگلی سے آپ کے کوکھ میں مارا تب آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں سمجھ گیا تھا کہ کسی جبار نے میری کوکھ میں کچوکا لگایا ہے۔

انتہائی درجہ متواضع اور تکبر سے دور رہتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص ازخود بڑا بننے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے ہیں یا اس کو دھنسا دیتے ہیں۔

گناہوں کا استحضار بہت تھا وہ کثرت سے موت کو یاد کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ پر اکثر گریہ طاری رہتا تھا۔

ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا جو شخص تین چیزوں سے نصیحت نہ حاصل کر سکے وہ کسی چیز سے نصیحت حاصل نہیں کر پائے گا (۱) اسلام (۲) قرآن، (۳) بڑھاپا۔

مکہ مکرمہ میں ۱۵۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۴۸) تذکرہ حضرت سفیان بن عیینہ

حضرت سفیان بن عنینہ کوفہ میں پیدا ہوئے لیکن مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر ہو گئے تقریباً چھیاسی (۸۶) کبار تابعین سے آپ کی ملاقات ہوئی اور اکثر سے سند حدیث کی سماعت ثابت ہے حضرت زہری، عمرو بن دینار، ابن المنکدر، ابو حازم، اعمش جیسوں سے آپ نے حدیثیں لی ہیں۔

اور کبار محدثین جیسے سفیان ثوری حضرت شعبہ، امام اوزاعی، جیسے حضرات آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

والد کی نصیحت اور وصیت کی وجہ سے علم اور علماء سے پندرہ سال کی عمر سے ہی تعلق بڑھتا چلا گیا آپ کے والد نے پندرہ سال کی عمر میں بلا کر یہ نصیحت کی کہ بیٹا اب تمہارا بچپن ختم ہو گیا لہٰذا اپنے کو برے ساتھیوں سے بچاؤ اور یہ یاد رکھنا کہ تنہائی برے ساتھی سے بہتر ہے اور علم وعلماء کی قربت باعث خیر ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے والد کی نصیحت کو قبلہ بنا کر آگے بڑھنا شروع کیا۔

چنانچہ آپ علم اور علماء سے قریب تر ہوتے چلے گئے کبار تابعین کی ملاقات ان سے علمی استفادہ حدیث پاک کے سننے سنانے کا مشغلہ اسی کا ثمرہ ہے۔

اپنے ملنے جلنے والوں سے ابقاء علم کے ساتھ مختصر اور قیمتی نصیحت فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا کہ جو شخص ایسا لباس اختیار کرے جس سے وہ خالی وعاری

ہوتو اللہ تعالی اس کو ذلیل ورسوا کرتا ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا کسی اہم ضروری چیز کا کسی سے سوال حب دنیا میں داخل نہیں ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا: اگر میرا دن بیوقوف جیسا ہو اور رات جاہلوں کی طرح ہو تو پھر اس علم سے کیا فائدہ جس کو میں نے اپنے بڑوں سے سنا اور لکھا۔

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا جس کے عقل میں بڑھوتری ہوتی ہے اس کے رزق میں کمی آجاتی ہے، اسی لئے کسی شاعر نے کہا ہے:

کم عاقلٍ عاقلٍ اعیت مذاهبه

وکم جاهلٍ جاهلٍ تلقاه مرزوقاً

کہ بہت سے داناؤں کے دانا ایسے ہیں کہ وہ نان شبینہ کے محتاج ہیں اور بہت سے نادان در نادان ایسے ہیں کہ ان کے پاس رکھنے کی جگہ نہیں۔ جیسے ایک مرتبہ نیپال کے ایک زیرک حافظ جی سے کچھ کالج کے نوجوان غیر مسلم بچوں نے پوچھا کہ حافظ جی آپ کے بھگوان کیا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارے بھگوان کا کام یہ ہے کہ کسی کو بورے بورے نون اور کسی کو بورے لا نہ نون۔ یعنی ہمارے اللہ کسی کو اتنا نمک دے دیتا ہے کہ اس کے پاس رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی اور کسی غریب کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس اتنا نمک نہیں ہوتا کہ روٹی نمک سے لگا کر وہ کھا سکے بابو ہمارے بھگوان یہی کرتے ہیں۔

ان باتوں سے حضرت سفیان ابن عیینہ کے اس ملفوظ کی تائید ہوتی ہے کہ

جس کے پاس عقل بڑی ہوتی ہےاس کی روزی کم ہو جاتی ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ انسانوں میں انبیاءاور علماء کا مقام سب سے اونچا ہے چونکہ یہ دونوں خالق اور خلق کے درمیان رابطہ اور واسطہ ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جو آدمی یہ سمجھے کہ میں بڑھیا ہوں اور دوسرا گھٹیا ہے اسی کو کبر اور تکبر کہتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ سے ابلیس کو اس کے اسی مزاج نے روکا (قال أنا خير منه)،(أبى و استكبر)۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ رب کی نافرمانی موت کے مترادف ہے اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلایا کہ سب سے پہلے ابلیس کی موت واقع ہوئی ہے اور وہ اس طور پر کہ اسی نے سب سے پہلے میری نافرمانی کی اور میرے نزدیک میرے نافرمانوں کا شمار مردوں میں ہوتا ہے۔

حضرت حرملہ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان بن عیینہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو ایک گوشہ میں لے گئے اس کے بعد اپنی آستین سے جو کی ایک روٹی نکالی اور مجھ سے فرمایا کہ اے حرملہ ساٹھ سال سے میری یہی غذا ہے اس کے باوجود لوگ پتہ نہیں کیا کیا کہتے ہیں؟

ایک مرتبہ حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا جب باطن ظاہر کے موافق ہو یعنی جیسا ظاہر ہو ویسے ہی باطن تو یہ عدل ہے اور اگر باطن ظاہر سے بہتر ہو تو یہ فضل

ہےاور اگر ظاہر باطن سے بہتر ہوتو ظلم ہے، ایک مرتبہ فرمایا جو شخص اپنے نفس کا عارف ہواس کے لئے دوسروں کی مدح نقصان دہ نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ فرمایا علم سے اگر عالم کو نفع نہ ہواور وہ نفع نہ اٹھائے تو وہی علم اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے ایک مرتبہ فرمایا کہ نماز کا احترام اس میں ہے کہ نمازی تکبیر سے پہلے مسجد پہنچ جائے ایک مرتبہ فرمایا کہ حق کو اختیار کرو اور اسی پر چلو چاہے اس پر چلنے والے افراد کم ہوں یا زیادہ، ابھی یہ نہ سوچو کہ حق اگر حق ہے تو میں تنہا کیوں ہوں، ان تمام کمالات اور خوبیوں کے ساتھ ۱۹۸ھ میں اکانوے سال کی عمر میں اس دنیا کو الوداع کہہ گئے۔

(۴۹) تذکرہ حضرت فضیل بن عیاض

حضرت فضیل بن عیاض خراسان میں پیدا ہوئے عمر بڑی ہونے کے بعد کوفہ چلے آئے وہاں علمی حلقوں سے وابستہ رہے خاص طور پر حدیث پاک کے سماع کی مجلسوں میں شرکت کی لیکن بعد میں عباد وزہاد میں آپ کا شمار ہوگیا کچھ عرصہ کے بعد مکہ مکرمہ منتقل ہوگئے اور وہیں پر انتقال ہوا۔

کبار تابعین سے آپ کی ملاقات ہوئی اور حدیث پاک کی سماعت کی جیسے حضرت اعمش، منصور بن معتمر، عطاء بن سائب، حصین بن عبد الرحمٰن، مسلم الاعور، ابان بن ابی عیاش وغیرہم۔

حضرت فضیل بن عیاض عابد وزاہد شخصیات میں سے ہیں قرآن پاک سے

بے حد لگاؤ تھا قرآن کریم کی تلاوت حزن وملال کے ساتھ دھیرے دھیرے ٹھہر ٹھہر کر کیا کرتے تھے اور جب کسی ایسی آیت سے گذر ہوتا جس میں جنت کا تذکرہ ہوتا تو ٹھہر کر بار بار اس آیت کو پڑھتے اور اللہ سے جنت کا سوال کرتے، عبادت اور قیام اللیل کا حال یہ تھا کہ آپ کے لئے مسجد میں ایک چٹائی بچھا دی جاتی آپ رات کے شروع حصہ میں نوافل میں مشغول ہوتے اور یہاں تک مشغول رہتے کہ جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو جاتا، جب نیند کا غلبہ ہوتا تھوڑی دیر اس چٹائی پر لیٹ جاتے جس پر نہ بستر ہوتا نہ تکیہ، اس کے بعد پھر اٹھ کر نوافل میں مصروف ہو جاتے پھر جب نیند کا غلبہ ہوتا تھوڑی دیر لیٹ جاتے پھر کھڑے ہو کر نوافل میں مصروف ہو جاتے یہی حال آپ کا صبح تک رہا کرتا تھا۔

حضرت فضیل بن عیاض فرمایا کرتے تھے جو شخص رات کے قیام پر اور دن کے روزہ پر قادر نہ ہو سمجھ جاؤ ایسا شخص محروم ہے گناہوں کی وجہ سے اس سے یہ نعمت چھین لی گئی ہے۔

حضرت منصور بن عمار کہتے ہیں کہ ایک دن مسجد حرام میں جہنم کے احوال میں سے کسی حال کا ذکر کر دیا میں نے دیکھا کہ حضرت فضیل بن عیاض پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ آپ کی چیخ نکل گئی اور بے ہوش ہو کر گر گئے، خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھ کو اختیار دے دیا جائے کہ میں کتا بن کر زندگی گزاروں یا کتا بن کر مر جاؤں اور اس سے میں قیامت کے دن سوال و جواب سے بچ جاؤں تو میں کتا بن کر زندگی گزارنے اور مرنے کو ترجیح دوں گا۔

خلوت نشینی اور تخلیہ آپ کو بہت پسند تھا کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آیا اور آپ کو اس کی اطلاع ہوگئی تو آپ نے دروازہ کو باہر سے بند کروادیا تاکہ آنے والا شخص یہ سمجھ کر کہ دروازہ میں تالا لٹک رہا ہے واپس چلا جائے۔

ایک مرتبہ حضرت فضیل بن عیاض نے ایک صاحب سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تمہارے دل میں اللہ کے علاوہ کسی کے لئے جگہ نہ ہوگی اس وقت اللہ سے جو مانگو گے تم کو ملے گا ایک مرتبہ آپ نے فرمایا ڈھول اور طبلہ بجا کر میں لوگوں سے دنیا مانگوں یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ عبادت کے بدلہ میں دنیا مانگوں یعنی عبادت صرف معبود کی رضا جوئی کے لئے ہونی چاہئے طلب دنیا کے لئے نہیں۔

امراء واغنیاء سے دنیا اور دنیا داروں سے بہت دور رہا کرتے تھے ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید نے آپ کی مالی خدمت کرنی چاہی لیکن آپ نے کسی قیمت پر اس کو قبول نہیں کیا۔

افسوس آج دنیاداروں کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے اور ان سے ان کی دنیا حاصل کرنے کے لئے لوگ نہ معلوم کیسی کیسی تدبیریں کرتے ہیں، **فإلى الله المشتكى**۔

حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلوی فرمایا کرتے تھے کہ یہ انتہائی درجہ کی بد دینی ہے کہ کسی دنیا دار پر دین کی محنت اس لئے کی جائے کہ جب اس میں دین آجائے گا تو وہ اپنی دنیا سے بے تعلق یا کم تعلق ہوجائے گا پھر اس کی دنیا سے میں فائدہ اٹھاؤں گا۔ **الأمان الحفيظ**۔

اللہ پاک حب مال اور حب دنیا سے ہر ایک کی حفاظت فرمائے۔حضرت فضیل بن عیاض کا انتقال ۱۸۷ھ میں ہوا۔

(۵۰) تذکرہ محمد بن ادریس الامام الشافعی

۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے دوسال کی عمر میں مکہ معظّمہ پہنچ گئے،حضرت امام شافعی نے فرمایا بچپن میں شعروشاعری سے زیادہ دلچسپی تھی لبید کے کلام زیادہ پڑھا کرتا تھا۔

ایک دن قبیلۂ قریش کے ایک شخص نے ڈانٹ کر کہا شعروشاعری کیا چیز ہے ارے بننا ہے تو معلم بنو اس سے سربلندی وترقی ملے گی۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں اس کی بات دل میں اتر گئی اور شعروشاعری چھوڑ کر ابن عیینہ کی مجلس میں حاضر ہونے لگا اور ان سے علمی استفادہ شروع کر دیا۔

اس کے بعد مسلم بن خالد کی مجلس میں جانے لگا پھر حضرت امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا،اور موطا لکھی،اس کے بعد امام مالک کو سنایا جب کتاب السیر پر پہنچا تو امام مالک نے فرمایا بھتیجے فقہ حاصل کرلو اس سے تم کو سربلندی حاصل ہوگی۔

محمد بن اسماعیل الحمیر ی اپنے والد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام شافعی کو شروع شروع میں شعروشاعری سے زیادہ دلچسپی تھی،اسی دوران ایک بدو آیا اور اس نے ایک مسئلہ دریافت کیا کہ ایک عورت ہے اس کو ایک دن حیض آتا ہے ایک دن پاک رہتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ حضرت امام شافعی نے فرمایا مجھے معلوم نہیں

اس جواب پر وہ بدو ناراض ہوا اور کہنے لگا بھتیجے فرض کی ادائیگی نفل پر مقدم ہے۔

یہ جواب سنکر امام شافعی کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اس کے بعد وہ حضرت امام مالک کے پاس پہنچ گئے۔

اسماعیل بن یحییٰ کہتے ہیں سات سال کی عمر میں امام شافعی حافظ قرآن اور دس سال کی عمر میں حافظ موطا بن گئے تھے، حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا حدیث پاک میں ہے کہ سو سال کے بعد اللہ پاک ایسے شخص کو پیدا فرماتے ہیں جو امت میں پیدا شدہ دینی بگاڑ کی اصلاح فرماتے ہیں جس کو مجدد کہا جاتا ہے۔

پہلی صدی کے اخیر میں اللہ نے عمر بن عبد العزیز کو پیدا فرمایا اور دوسری صدی کے اخیر کے مجدد امام شافعی ہیں۔ علمی صلاحیت ولیاقت کا یہ حال تھا کہ ان کے استاذ محترم مسلم بن خالد الزنجی نے امام شافعی سے بیس سال کی عمر سے پہلے فرما دیا کہ ابو عبداللہ تم لوگوں کو فتوی دے سکتے ہو۔

حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا امام شافعی دنیا کے لئے سورج کی طرح تھے اور لوگوں کے لئے سراپا عافیت تھے۔

یہ بھی فرمایا کہ چھ افراد ایسے ہیں جن کے لئے میں تہجد میں دعا کرتا ہوں ان میں ایک امام شافعی بھی ہیں۔

ملفوظات امام شافعی:

ا۔ حضرت امام شافعی فرمایا کرتے تھے تین اعمال بہت سخت ہیں (۱) مال کی

کمی کے باوجود سخی بننا ہر ایک کی ضرورت میں کام آنا، (۲) اور تنہائی میں تقوی اختیار کرنا پرہیزگار بننا، (۳) اور ظالم کے پاس حق بات بولنا۔

۲۔فرمایا کرتے تھے علم حاصل کرنا نفل نماز سے افضل ہے۔

۳۔فرمایا کرتے تھے طالب علم کو تین چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے (۱) اچھی تحریر، (۲) لمبی عمر، (۳) ذکاوت۔

۴۔ فرمایا کرتے تھے لوگوں سے منہ چڑھا کر رہنا دشمنی کا ذریعہ ہے اور خوشدلی برے ساتھیوں کو قریب لے آتی ہے، اس لئے بیچ بیچ میں رہو نہ بہت دوری بناؤ نہ بہت قربت۔

۵۔فرمایا کرتے تھے علماء کو لوگوں کی رضا جوئی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہئے چونکہ یہ ایسا مقصود ہے جس کا پانا ناممکن ہے اس لئے اللہ کی رضا کو مطلوب و مقصود بنائے۔

۶۔فرمایا کرتے تھے اگر ٹھنڈا پانی پینے سے مروت میں کمی آتی ہو تو میں کبھی ٹھنڈا پانی نہ پیئوں۔

۷۔ایک صاحب نے آپ کی عمر پوچھی تو آپ نے فرمایا کسی کو اپنی عمر بتلانا مروت کے خلاف ہے۔

اور فرمایا اسی طرح کا سوال کسی نے حضرت امام مالک سے کیا تو آپ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا آگے بڑھ جا بھاگ جا یعنی اپنی عمر نہیں بتلائی۔

بعض نے اس کا بھی اضافہ نقل کیا ہے کہ اگر پوچھنے والے سے تمہاری عمر

کم نکلی تو حقیر سمجھیں گے اور اگر زیادہ نکلی تو بوڑھا سمجھیں گے اس لئے اپنی عمر کسی کو نہ بتلاؤ۔

۸۔فرمایا کرتے تھے جو شخص اپنے کپڑے صاف ستھرے رکھتا ہے اس کو غم کم پیش آتا ہے، اور خوشبو کے استعمال سے عقل میں بڑھوتری ہوتی ہے۔

۹۔فرمایا کرتے تھے جس نے قرآن سیکھ لیا لوگوں کی نظر میں اس کی عظمت پیدا ہو جاتی ہے، اور جس نے حدیث سیکھ لیا اس کی دلیل مضبوط ہو جاتی ہے، اور جس نے علم نحو سیکھ لیا اس کی ہیبت پیدا ہو جاتی ہے، اور جس نے لغت اور عربی سیکھ لیا اس کی طبیعت میں نرمی آ جاتی ہے، اور جس نے حساب سیکھ لیا اس کی رائے بڑی ہو جاتی ہے۔

اور جو اپنے کو گناہوں سے نہیں بچا پاتا اس کا علم اس کو نفع نہیں پہنچاتا ہے۔
اور ان سب کی اصل اور جڑ تقوی ہے۔
اگر زندگی میں تقوی نہ ہو تو سارے علوم وفنون بیکار ہیں۔

حضرت امام شافعی کی عبادت:

اس قدر علم وفضل کے ساتھ عبادت کا حال یہ تھا کہ رات کے آپ نے تین حصے کر رکھے تھے پہلے حصہ میں لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے اور رات کے دوسرے حصہ میں عبادت ونماز میں وقت گزارتے تھے اور تیسرے حصہ میں آرام فرماتے تھے۔

رمضان المبارک میں تراویح کے علاوہ ساٹھ قرآن پاک ختم فرماتے تھے۔

حضرت ربیع راوی ہیں کہ حضرت امام شافعی ہر مہینہ میں تیس ختم یعنی روزانہ ایک ختم قرآن پاک کرتے تھے۔

حضرت امام شافعی کی سخاوت:

حمیدی کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعی ایک مرتبہ یمن کے سفر سے واپس تشریف لائے تو آپ کے پاس بیس ہزار دینار تھے، آپ نے مکہ مکرمہ کے باہر خیمہ لگایا اور سارے دینار آپ نے تقسیم کردیئے تب واپس آئے۔

آپ کے اساتذہ میں سے حضرت امام مالک، سفیان بن عیینہ، ابراہیم بن سعد، عبدالعزیز دراوردی، مسلم بن خالد الزنجی وغیرہم ہیں۔

اور آپ کے تلامذہ میں اجل تلمیذ امام احمد بن حنبل ہیں۔

۲۰۴ھ میں رجب کی آخری تاریخ میں آپ کا انتقال ہوا، حضرت ربیع نے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا تو ان سے حال پوچھا تو آپ نے فرمایا اللہ نے سونے کی کرسی پر بٹھایا اور ہیرے و جواہرات اوپر سے بکھیرے گئے۔

(۵۱) تذکرہ طاؤس بن کیسان

حضرت طاؤس بن کیسان تابعی ہیں پچاس صحابۂ کرام کی زیارت سے

مشرف ہوئے۔

لیکن زیادہ تر روایت انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے لی ہے۔

مجاہد، عطاء، عمر بن دینار، محمد بن منکدر، زہری جیسے حضرات نے حضرت طاؤس سے علمی استفادہ کیا ہے، حضرت سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ طاؤس سے زیادہ دنیاوی مال ومتاع سے گریز کرنے والا میں نے کسی کونہیں دیکھا اسی کا ثمرہ تھا کہ ایک بار سلیمان بن عبدالملک کا بیٹا آپ کے پاس آ کر بیٹھ گیا آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں کی، آپ سے کسی نے کہا امیر المومنین کا بیٹا آپ کے پاس بیٹھا ہے پھر بھی آپ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

اور فرمایا اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ آج بھی دنیا میں اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو اس کی ضرورت نہیں جو اس کے پاس ہے۔

حضرت عطاء سے حضرت طاؤس نے کہا اے عطاء ایسے شخص کے پاس اپنی حاجت لے کر کبھی نہ جانا جس کا دروازہ تمہارے علاوہ سب کے لئے بند ہو۔

بلکہ ایسے کے پاس جانا جس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے یعنی اللہ کے در پر جانا اور جو مانگنا ہو اسی سے مانگنا۔ سلاطین وامراء واغنیاء کے سایہ سے بھی بھاگتے تھے۔

یمن سے مکہ کے لئے جاتے تو زمانہ جاہلیت میں بنے ہوئے کنویں سے بھی پانی پیتے اس وقت کے امراء وسلاطین کے ذریعہ کھدوائے ہوئے کنویں سے گریز کرتے تھے۔

بلکہ جس جانور پر سواری کرتے تھے اس کو بھی نہیں پینے دیتے تھے۔

عبادت:

عبدالمنعم بن ادریس اپنے والد کے حوالہ سے نقل کرتے تھے کہ وہب بن عتبہ اور حضرت طاؤس نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔ اور ۴۰ حج کیئے۔

ملفوظات:

حضرت طاؤس فرمایا کرتے تھے انسان کی ہر بات محفوظ رکھی جاتی ہے خواہ اچھی ہو یا بری حتی کہ مرض کی حالت میں اوہ آہ بندہ جو کرتا ہے وہ بھی محفوظ رکھا جاتا ہے۔

اس لئے ہر بندہ کو زبان کھولنے سے پہلے سو بار سوچنا چاہیئے کہ وہ کیا بول رہا ہے۔

حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ حضرت طاؤس نے فرمایا مردہ جب دفن کیا جاتا ہے تو سات دن اس کے لئے بہت مشکل گھڑی ہوتی ہے ان ایام میں اس کی طرح طرح کی آزمائش ہوتی ہے اس لئے سات دن تک مردوں کا خیال رکھنا چاہیئے ثواب کا اہتمام کرنا چاہیئے، تسبیح تہلیل، اطعام طعام، صدقہ خیرات کا خوب اہتمام کیا جانا چاہیئے، بالخصوص غریب مسکین کو اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے۔

۹۱ سال کی عمر میں ۷/ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا۔

(۵۲) تذکرہ وہب بن منبہ

حضرت وہب بن منبہ بھی تابعی ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت معاذ بن جبل اور دیگر بہت سے حضرات صحابہ کرام سے آپ کی لقاء، اوراخذ روایت اور سماع حدیث ثابت ہے۔

آپ کے تلامذہ میں حضرت عمرو بن دینار، ابان بن عیاش، موسی بن عقبہ جیسے حضرات شامل ہیں۔

عبادت:

علمی مشاغل کے ساتھ کثرت سے عبادت کا اہتمام تھا، حضرت عبدالرزاق اپنے والد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اکثر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتا ہوں۔

حضرت مثنی بن الصباح کی روایت ہے کہ حضرت وہب بن منبہ نے بیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے، عبدالمنعم بن ادریس اپنے والد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہ نے ۴۰ سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔

ملفوظات:

آپ اکثر اپنے قیمتی واہم ارشادات سے بھی سامعین وتلامذہ کو مستفید

فرماتے رہا کرتے تھے۔

ا۔ایک مرتبہ فرمایا اگر کوئی تمہاری تعریف میں ایسی بات کرے جو تم میں نہ ہو تو اس سے خوش مت ہونا اس لئے کہ وہ تمہاری ایسی برائی کرے گا جو تم میں نہ ہو، اس لئے تعریف کرنے والوں سے چوکنا رہنا چاہئے۔

۲۔فرمایا ایک بار اللہ نے حضرت داؤد کے پاس وحی بھیجی اے داؤد تم کو معلوم ہے میں اپنے کن بندوں کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا اے اللہ نہیں معلوم۔

اللہ نے فرمایا وہ بندہ جب اس کو گناہ اور اپنی غلطی یاد آجائے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور بدن میں کپکپی طاری ہوجائے ایسے بندہ کے بارہ میں فرشتہ کو حکم کرتا ہوں کہ اس کے گناہ معاف کر دو اور نامۂ اعمال سے ہٹا دو۔

۳۔یہ بھی فرمایا کہ اللہ سے حضرت داؤد نے پوچھا اے اللہ جب میں آپ کو تلاش کروں تو آپ کہاں ملیں گے؟

جواب ملا: جن کے دل میرے خوف سے ٹوٹ گئے ہوں۔

۴۔فرمایا: میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے چوتھے آسمان سے روزانہ صبح کے وقت ایک پکارنے والا پکار کر کہتا ہے۔

اے چالیس سال کی عمر والوں کھیتی تیار ہے کٹائی کا وقت آ گیا ہے۔

اور اے پچاس سال والو آگے کیا بھیجا پیچھے کیا چھوڑا سوچ لو حساب کرلو۔

اور اے ساٹھ سال والو اب کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا ہے جو کرنا ہے

جلدی کرو۔

اے کاش پیدا ہی نہ کئے گئے ہوتے اگر پیدا کئے گئے تو ان کو پتہ ہوتا کیوں پیدا کئے گئے۔

قیامت آنے والی ہے، اپنے بچاؤ کی تدبیر کرلو۔

۵۔فرمایا، میں نے توراۃ میں پڑھا ہے لکھا ہوا ہے جو گھر کمزوروں کو دبا کر بنایا جاتا ہے اس کا انجام ویرانگی ہے۔

اور جو مال ناجائز طریقہ پر جمع کیا جاتا ہے اس کا انجام فقر ہے۔

۶۔فرمایا: ایمان ننگا ہوتا ہے اس کا لباس تقوی ہے اور اس کی زینت حیاء ہے اور اس کی دولت فقہ ہے۔

۷۔فرمایا: اے لوگو ہمارے اصول یعنی باپ دادا جا چکے ہیں ہم ان کے فروع ہیں جب جڑ باقی نہیں رہی تو ٹہنیاں کب تک سرسبز و شاداب رہیں گی ان کو بھی سوکھنا ہے، امام واقدی کے بقول حضرت وہب بن منبہ۔

صنعاء میں ۱۲۰ھ میں اس دار فانی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ گئے۔

(۵۳) تذکرہ مغیرہ بن حکیم صنعانی

حضرت مغیرہ بن حکیم صنعانی، حضرت ابوہریرہؓ کے تلامذہ میں سے ہیں، بڑے عابد وزاہد اسلاف میں سے ہیں، سارے دیگر مشاغل وکام کے ساتھ روزانہ ایک کلام پاک ختم کیا کرتے تھے۔

فجر کی نماز میں سورۂ بقرہ سے سورہ ہود تک تلاوت فرماتے اور صبح سے زوال سے پہلے تک سورۂ حج تک تلاوت کرتے اس کے بعد کے وقت میں قرآن پاک مکمل کر لیتے، حضرت مغیرہ بن حکیم نے پچاس سے زائد مکہ مکرمہ کا سفر کیا بظاہر یہ حج کا سفر تھا۔

اور ہر سفر کا معمول یہ تھا کہ احرام کے ساتھ روزہ کی حالت میں اور ننگے پاؤں سفر کیا۔

اور سفر میں بھی تہجد کی نماز کبھی نہیں چھوٹی۔

اور تہجد بھی زمین پر ادا کرتے ساتھیوں کو چھوڑ دیتے، وہ آگے چلتے رہتے اور نماز سے فارغ ہو کر تیزی کے ساتھ چل کر ان کے ساتھ شامل ہو جاتے۔

(۵۴) تذکرہ حکم بن ابان العدنی

حضرت حکم بن ابان عدن کے رہنے والے تھے حضرت عکرمہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

علمی مشاغل کے ساتھ عبادت کا حال یہ تھا کہ پوری رات عبادت نوافل تلاوت میں مصروف رہا کرتے تھے اور جب نیند کا غلبہ ہوتا اپنے کو سمندر میں ڈال دیتے اور فرماتے مچھلیوں کے ساتھ میں بھی اللہ کی تسبیح و پاکی بیان کروں گا۔

یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنے اوپر کسی چیز کو غالب نہیں ہونے دیا اور ہمیشہ علمی کاموں کے ساتھ اللہ کی عبادت و بندگی، تہجد، نوافل، ذکر، تلاوت، شب

بیداری میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔

اللہ آج کے علماء وفضلاء کو بھی اس کی توفیق دے اوران اعمال کے لئے قبول فرمائے، ۴۵۱ھ میں اس دار فانی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ گئے۔

(۵۵) تذکرہ اسود بن صالح

حضرت اسود بن صالح صلحاء واتقیاء میں سے تھے۔ عابدوزاہد تھے اللہ کا تعلق بہت گہرا تھا، اللہ کی رضاء وخوشنودی ہر عمل میں پیش نظر رکھتے تھے۔

حضرت معروف کرخی سے بہت قریبی تعلقات تھے آپس میں بڑی محبت تھی۔

ایک مرتبہ ایک صاحب آئے اور انہوں نے دو اشعار پڑھے جس میں آخرت اور یوم الحساب اور پل صراط کا تذکرہ تھا اس کو سن کر ایک چیخ ماری اور رات بھر بے ہوش رہے، ایک مرتبہ فرمایا دو رکعت نماز جسے میں ادا کروں وہ جنت اور اس کی ساری نعمتوں سے میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔ کسی نے یہ سن کر ان کی تغلیط کی اس کے جواب میں حضرت اسود نے فرمایا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں اس لئے کہ دو رکعت میری نماز رب کی رضاء کے لئے ہے اور جنت اور اس کی نعمتوں میں میرے نفس کی رضاء ہے کہ جنت پا کر میرا نفس خوش ہوگا، اور میرے رب کی رضا وخوشنودی نفس کی رضاء کے مقابلہ میں میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

اللہ کی رضا ہر حال میں اصل ہے ہر بندہ کو ہر حال میں اس پر نظر رکھنی

چاہئے، اللہ اگر راضی ہو گیا تو بندہ کا بیڑا پار ہے ورنہ کشتی بھنور میں ہے۔

حماد بن زید، سفیان بن عیینہ، اسماعیل بن علیہ سے علمی استفادہ آپ نے کیا ہے۔

۲۱۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۵۶) تذکرہ منصور بن عمار

حضرت منصور بن عمار خراسان کے رہنے والے تھے لیکن بعد میں بغداد میں آکر قیام پذیر ہو گئے۔

لیث اور ابن لہیعہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

منصور کا شمار اچھے واعظین میں ہوتا تھا شیریں کلام تھے لوگوں کو آپ کا وعظ بہت پسند آتا تھا آپ کی تقریر دل پذیر ہوا کرتی تھی۔

عباد وزہاد میں آپ کا شمار ہوتا تھا، اپنے خطاب میں زہد وقناعت فکر آخرت دنیا سے بے رغبتی پر زیادہ زور دیا کرتے تھے۔

آپ کے لڑکے سلیم کہتے ہیں میں نے ایک مرتبہ اپنے والد منصور کو خواب میں دیکھا میں نے پوچھا ابا آپ کے ساتھ اللہ نے کیا برتاؤ کیا؟

جواب دیا اللہ نے مجھ کو اپنے سے قریب کیا اور فرمایا جانتے ہو میں نے تمہاری مغفرت کیسے کی؟

میں نے کہا اے اللہ مجھے نہیں معلوم۔ جواب ملا۔

ایک دن تم مجلس وعظ میں بیٹھے اور وعظ کے بعد دعا کی اس دعاء میں تم نے سب کو رلا دیا اس مجلس اور دعاء میں اسی دن ایک ایسا شخص شریک تھا جو میرے خوف سے کبھی نہیں رویا اس کی برکت سے تمہاری اور اس روز کی مجلس میں تمام شرکاء کی میں نے مغفرت کر دی، سچ ہے اللہ کو کسی کی مغفرت کے لئے بہانہ چاہیئے۔

برائے مغفرت بہا نمی جوید بہانہ می جوید

اس لئے ہر بندہ کو ہر کام اس نیت سے کرنا چاہیئے کہ پتہ نہیں کس عمل سے مغفرت ہو جائے اور کونسا کام اللہ کو پسند آجائے اور اس بہانے مغفرت کا پروانہ مل جائے۔

بغداد ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۵۷) تذکرہ عبداللہ بن فرج

حضرت عبداللہ بن فرج کا بھی شمار صلحاء، اتقیاء، عباد و زہاد میں ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ نے ایک بار حضرت ابراہیم بن سہل سے فرمایا اللہ سے عفو جمیل اچھی معافی مانگا کرو میں نے کہا عفو جمیل کیا ہے؟

آپ نے فرمایا بلا حساب و کتاب جنت۔

حضرت صاعد کہتے ہیں جب حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا تو جنازہ میں میں

بھی شریک ہوا۔

رات میں خواب میں دیکھا کہ قبر کے کنارہ بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے جس کو دیکھ رہے ہیں میں نے پوچھا عبداللہ کیا حال رہا؟

فرمایا میری اور میرے جنازہ میں جن لوگوں نے شرکت کی اللہ نے ان سب کی مغفرت فرمادی۔

میں نے کہا میرا بھی نام ہے یا نہیں؟

فرمایا اس میں تمہارا بھی نام ہے۔

سبحان اللہ، کیا بات ہے اللہ ہر ایک کے جنازہ میں شریک ہونے کی مسلمانوں کو توفیق دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسباب مغفرت میں سے جنازہ کی شرکت بھی ہے، آج تو یہ دیکھا جانے لگا ہے کہ جنازہ کس کا ہے؟ امیر کا ہے یا غریب کا؟

اگر امیر کا ہو تو لوگ شرکت کرتے ہیں۔

حالانکہ پتہ نہیں اللہ کے یہاں کس کا مقام کیا ہے؟ اس لئے حسب موقع ہر جنازہ میں شرکت کی کوشش ہونی چاہئے، اللہ توفیق دے۔

(۵۸) تذکرہ معروف کرخی

حضرت معروف کرخی اونچے پایہ کے بزرگوں میں سے ہیں کرخ کے رہنے

والے ہیں اس لئے ان کو کرخی کہا جاتا ہے، حضرت بکر بن خنیس ،عبداللہ بن موسی ، ابن السماک کے تلامذہ میں آپ کا شمار ہے۔

بچپن ہی میں اللہ نے آپ کا اپنے تعلق خاص کے لئے انتخاب کرلیا تھا۔

حضرت معروف کرخی کے بھائی عیسی کہا کرتے تھے ہم دونوں بھائی بچپن میں مکتب جاتے تھے اور بچپن میں ہم نصرانی تھے، استاذ بھی نصرانی تھے بچوں کو ا، ب، ابن سکھاتے تھے جب معروف کو ا، ب، ابن پڑھایا اور اس کا مطلب بتلایا تو میرا بھائی معروف احد احد یعنی ایک ایک کہنے لگا اس پر استاذ نے ان کو بہت زیادہ مارا بس وہیں سے مکتب چھوڑ کر بھاگ گئے۔

میری والدہ کو جب خبر ہوئی تو رونے لگی اور روتی رہی اور یہ کہتی رہی اگر میرا بیٹا واپس آ گیا تو جس دین پر وہ ہوگا اسی دین کی میں بھی اتباع کروں گی۔

چنانچہ کئی سال کے بعد حضرت معروف کرخی واپس آئے تو والدہ نے پوچھا بیٹا تم کس دین پر ہو؟

انہوں نے جواب دیا دین اسلام پر چنانچہ اس کے بعد ماں نے کلمہ پڑھ لیا پھر ہم سب کو کلمہ پڑھایا اس طرح ہم سب مسلمان ہو گئے۔

حضرت معروف کرخی کا معمول یہ تھا کہ اذان دیتے اقامت کہتے لیکن امامت کے لئے دوسرے کو آگے بڑھا دیتے خود امامت نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ محمد بن ابی ثوبہ کے ساتھ ایسا ہی ہوا تو آپ نے اصرار کیا کہ ایک نماز تو آپ پڑھا دیں اس کے بعد آئندہ دوسری نمازوں کے لئے آپ کو زحمت نہیں

دی جائے گی۔

حضرت معروف کرخی نے فرمایا کہ تمہیں یقین ہے کہ دوسری نماز تک زندہ رہو گے۔

فرمایا جس کی آرزو اور امید لمبی ہوتی ہے اس سے نیک اور اچھے عمل میں تاخیر ہوتی ہے۔

سوچتا ہے اس کو پھر کرلیں گے حالانکہ اس کو پتہ نہیں کہ کہیں پھر سے پہلے پھُر نہ ہوجائے۔

گویا کہ حضرت معروف کرخی ہر نماز کو زندگی کی آخری نماز تصور کر کے پورے استغفراق کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور ہونا بھی یہی چاہیئے، ''صلوا صلوۃ مؤدع''۔

حضرت معروف کرخی فرمایا کرتے تھے جس دل میں دنیا کی محبت ہو اس کا سجدہ صحیح نہیں ہے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا موت کو کثرت سے یاد کیا کرو تمہارا ہمنشیں موت کے علاوہ کوئی نہ ہو۔

تہجد کے وقت کثرت سے گریہ زاری کے ساتھ دعا میں مصروف رہتے اور یہ فرماتے اے اللہ میرا کوئی عیب اور کوئی گناہ آپ سے چھپا نہیں ہے اگر آپ مجھ پر رحم کرتے ہوئے میرے گناہوں کو معاف کردیں تو آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن میرا بیڑا پار ہوجائے گا۔

آپ کوطی البحر سے حظ وافر ملا ہوا تھا، ایک صاحب نے ایک مرتبہ پوچھا سنا ہے آپ پانی پر چلتے ہیں، آپ نے فرمایا میں پانی پرنہیں چلتا بلکہ جب دریا عبور کرنا چاہتا ہوں دونوں کونے آپس میں مل جاتے ہیں میں دریا پار کر جاتا ہوں۔

محمد بن منصور فرماتے ہیں ایک دن میں حضرت معروف کرخی کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا آپ کے چہرہ میں زخم ہے جو ایک دن پہلے نہیں تھا مجھے سوال کرنے کی جرأت نہیں ہوئی لیکن ایک بے باک شخص نے سوال کر ہی لیا کہ حضرت کل چہرہ پر یہ زخم نہیں تھا؟

فرمایا رات بیت اللہ گیا نماز پڑھی پھر زمزم پہنچ کر زمزم پیا زمزم کے کنویں کے پاس میرا پاؤں پھسل گیا میرا چہرہ دروازہ سے ٹکرا گیا یہ اس کا اثر ہے۔

یعنی طی البحر کے ساتھ اللہ نے آپ کو طی الارض پر بھی قدرت دی تھی جو ایک کرامت تھی۔

اللہ پاک اپنے بعض بندوں کو اس دولت سے سرفراز فرما دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت معروف کرخی کا گذر ایسے شخص کے پاس سے ہوا جو پانی پلا رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا اللہ اس پر رحم فرمائے جو یہ پانی پی لے حضرت معروف کرخی روزہ تھے اس کے باوجود آپ نے پانی پی لیا اور فرمایا شاید اللہ اس کی دعا قبول فرمائے اور مجھ پر رحم کر دیا جائے تو میں اس سے محروم کیوں رہوں۔ حضرت معروف کرخی کبھی جنت کے شوق اور جہنم کے خوف سے عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے اس کی عبادت کرتے تھے۔

آپ کا انتقال ۲۰۰ھ میں بغداد میں ہوا۔

آپ کی قبر تریاق مجرب کے نام سے مشہور ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ اگر کسی کو اللہ سے کوئی حاجت ہو وہ معروف کرخی کی قبر پر پہونچ کر اللہ سے مانگے تو اس کی دعاء ضرور قبول ہوتی ہے رد نہیں ہوتی۔

اللہ پاک اپنے بعض بندوں کو اس طرح کے کمالات سے نواز دیتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی ان کا فیض جاری رہتا ہے اور امت مستفید ہوتی رہتی ہے۔

(۵۹) تذکرہ بشر بن الحارث الحافی

حضرت بشر الحافی کا شمار اونچے اولیاء، صلحاء، اتقیاء میں ہوتا ہے، کبار مشائخ میں ان کا شمار ہے ان کی کنیت ابونصر ہے ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علم کے لئے مکہ، بصرہ، کوفہ کا سفر کیا۔

وکیع، عیسی بن یونس، شریک بن عبداللہ، ابومعاویہ ابوبکر بن عیاش، حفص بن غیاث، اسماعیل بن علیہ، حماد بن زید، مالک بن انس، ابویوسف القاضی، ابن المبارک وغیرہم آپ کے اساتذہ میں سے ہیں، جن سے آپ نے علمی استفادہ کیا۔

لیکن تحصیل علم کے بعد آپ نے تبلیغ علم کے بجائے زہد وعبادت کی راہ اختیار کی اور تعلق مع اللہ کے ساتھ اللہ کی رضاء اور عبادت وزہد کی راہ پر آپ چل پڑے اور پوری کامیابی کے ساتھ پوری زندگی آپ نے گزاردی۔

حضرت امام احمد بن حنبل بہت زیادہ عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل سے ایک بار کسی نے ورع کے بارے میں کوئی سوال کیا تو آپ نے فرمایا ورع کے بارے میں مجھے گفتگو کا کوئی حق نہیں ہے اس لئے کہ میں بغداد کا غلہ کھاتا ہوں، بشر حافی اس مسئلہ میں بات کر سکتے ہیں چونکہ وہ بغداد کا غلہ استعمال نہیں کرتے۔

بہت ہی ورع کے ساتھ زندگی گزارتے سوکھی روٹی عام طور پر آپ کی غذا تھی۔

آپ فرماتے تھے پچاس سال سے میں نے پیٹ بھر کر اور جی بھر کر کھانا نہیں کھایا ہے۔

فرماتے تھے چالیس سال سے بھُنی ہوئی چیز کھانے کا شوق ہے لیکن آج تک بھنی ہوئی چیز میسر نہیں ہوئی۔

ایک مرتبہ ایک سفر سے واپس آئے تو کپڑے کی جگہ چٹائی لنگی کی جگہ پلیٹ رکھا تھا گھر والے دیکھ کر حیران ہو گئے ایک مرتبہ فرمایا بھنی ہوئی چیز اور پتلی روٹی کی خواہش پچاس سال سے ہے، لیکن آج تک میسر نہیں ہوئی۔

ایک مرتبہ فرمایا تیس سال سے لوبیا کھانے کو جی چاہ رہا ہے لیکن آج تک میسر نہیں ہوا۔

یہ تھے ہمارے اسلاف آج ہم پر ہر طرح کی نعمتوں کی بارش ہے اس کے باوجود ہماری زبان پر شکر نہیں ہے۔

ا۔حضرت بشر الحافی فرمایا کرتے تھے یہ محبت کے خلاف ہے کہ تمہارے دوست کا جو دشمن ہو اس سے تمہاری دوستی ہو۔

۲۔فرمایا کرتے تھے کبھی مردوں کے تذکرہ سے قلوب میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور زندوں کے تذکرہ سے قلب پژمردہ ہو جاتا ہے۔

۳۔فرمایا کرتے تھے بعض لوگ زندگی میں تو ریاء کار ہوتے ہی ہیں مرنے کے بعد بھی ان کی ریا کاری نہیں جاتی ایک صاحب نے پوچھا وہ کیسے؟

آپ نے فرمایا اس کی خواہش ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد میرا جنازہ بڑا ہو یعنی بہت لوگ شریک ہوں۔

۴۔فرمایا کرتے تھے صدقہ، حج، عمرہ، جہاد سے افضل ہے۔

چونکہ صدقہ میں ریا نہیں ہوتا اور حج وعمرہ، جہاد میں ریا ہے چونکہ جب سفر پر آدمی جاتا ہے آتا ہے تو لوگ دیکھتے ہیں اور سری صدقہ کو صرف اللہ دیکھتا ہے۔

۵۔فرمایا کرتے تھے کہ اس سے برا عالم کوئی نہیں جب اس سے ملاقات کے لئے جائے تو معلوم ہو کہ وہ اغنیاء، امراء وسلاطین کا ہم نشیں بنا ہوا ہے۔

پچہتر سال کی عمر میں ۲۲۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

انتقال کے بعد حسن بن مروان کی ملاقات خواب میں ہوئی آپ نے حال پوچھا تو فرمایا مغفرت ہوگئی اور ان سب کی بھی اللہ نے مغفرت کردی جو میرے جنازہ میں شریک ہوئے۔

(٦٠) تذکرہ مسرور بن ابی عوانہ

بغداد کے رہنے والے تھے بڑے عابد وزاہد اللہ کا قرب رکھنے والوں میں سے تھے۔

دن رات عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے، اسماعیل بن زیاد کہتے ہیں مسرور سے زیادہ رات ودن عبادت میں منہمک رہنے والا اور راتوں کو جگنے والا میں نے کسی کونہیں دیکھا۔

پوری زندگی عبادت میں گزار کر ایک دن وہ آیا کہ خوشی خوشی اللہ سے جا ملے اور ہمیشہ کے لئے دنیا کوالوداع کہہ گئے۔

(٦١) تذکرہ عبدالوہاب بن حکم الوراق

حضرت عبدالوہاب وراق عابد وزاہد صلحاء میں سے تھے۔ان کےلڑکے ابوبکر کہتے ہیں میں نے اپنے والد کو ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی سے ہنسی مذاق کرتے دیکھا، ایک مرتبہ مجھ کوامی کے ساتھ کسی بات پر ہنستے ہوئے دیکھا تو فوراً نکیر فرمائی اور فرمایا صاحب قرآن ہوکر ہنستے ہو صاحب قرآن کوسنجیدہ ہونا چاہئے، ہنسی مذاق جاہلوں کا کام ہے۔

ابوبکر مروزی کہا کرتے تھے عبدالوہاب صالح آدمی تھے اور صائب الرائے

کے ساتھ حق پر جمنے والے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل کے خواص میں سے تھے، حضرت امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے میں خصوصیت کے ساتھ عبدالوہاب کے لئے دعاء گو رہتا ہوں۔

حضرت امام احمد سے انتقال کے وقت لوگوں نے پوچھا آپ کے بعد اگر کوئی بات معلوم کرنی ہو تو ہم کس سے معلوم کریں، آپ نے فرمایا عبدالوہاب سے۔

۲۵۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

عاصم حربی کہتے ہیں میں نے بشر الحافی کو خواب میں دیکھا تو میں نے پوچھا ابونصر کہاں ہیں؟ تو فرمایا علیین میں ہیں۔

پھر حضرت امام احمد بن حنبل کے بارے میں پوچھا تو فرمایا وہ اور عبدالوہاب الوراق اللہ کے حضور میں کھا پی رہے ہیں اور نعمتوں میں ہیں۔

(۶۲) تذکرہ حضرت سری سقطی

حضرت سری سقطی اونچے اولیاء کبار ومشائخ میں سے ہیں ان کا تذکرہ اکثر تصوف وصوفیاء کی کتابوں میں ملتا ہے، اولیاء کاملین میں ان کا شمار ہے ابوالحسن آپ کی کنیت ہے۔

حضرت معروف کرخی کی دعاء کی بدولت اللہ نے آپ کے قلب کو دنیا ومافیہا سے بے نیاز کر دیا اور زہد وتقوی اور تعلق مع اللہ سے آپ کا قلب لبریز ہو گیا۔

حضرت جنید بغدادی جو کبار اولیاء میں سے ہیں آپ ان کے ماموں اور استاذ ہوتے تھے آپ ہی کی بدولت روحانی دولت سے حضرت جنید سرفراز ہوئے، آپ کی تربیت کا اثر تھا کہ آپ ولایت کے اونچے مقام پر پہنچے۔

ترحم علی الخلق کا یہ حال تھا کہ حضرت سری سقطی کے پاس سے ایک بچی گذری جس کے ہاتھ میں ایک برتن تھا اور اس برتن میں کوئی سامان تھا کسی طرح بچی کے ہاتھ سے برتن گر کر ٹوٹ گیا، حضرت سری سقطی دوکان میں گئے دوسرا برتن خریدا اور بچی کو دے کر روانہ کر دیا۔

حضرت معروف کرخی کی نظر اس واقعہ پر پڑی تو آپ کو بہت تعجب ہوا اور دل سے حضرت سری سقطی کو انہوں نے دعا دی اللہ دنیا کی محبت تمہارے دل سے نکال دے۔

چنانچہ دنیا کی محبت دل سے ایسی نکلی کہ کبھی محبت بھری نگاہ سے دنیا کو نہیں دیکھا اور نہ ہی دنیا کی رغبت کبھی پیدا ہوئی۔

حضرت سری فرمایا کرتے تھے ایک بار غزوہ کے لئے رومیوں کی زمین پر جانا ہوا، ایک باغیچہ کے پاس سے گذر ہوا جس میں ککڑیاں تھیں اور ایک جگہ بارش کا صاف ستھرا پانی جمع تھا، میں سواری سے اترا اور جی بھر کر ککڑی کھائی اور پانی پیا۔

فرمایا کرتے تھے تیس سال ہو گئے گوشت کھانے کو جی چاہ رہا ہے لیکن نصیب نہیں ہوا۔

لوگوں کی آمدورفت کو پسند نہیں فرماتے تھے خلوت نشینی زیادہ پسند تھی۔

علی بن عبدالحمید فرماتے ہیں ایک مرتبہ آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، دروازہ پر دستک دی تو آپ بادل ناخواستہ یہ کہتے ہوئے دروازہ پر آئے کہ اے اللہ جو مجھ کو آپ سے مشغول کردے اس کو آپ مشغول کردیں تاکہ میرا وقت وہ ضائع نہ کرے۔

اسی کے ساتھ آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔

ابن المقری کہا کرتے تھے حضرت سری سقطی کی دعاء کی برکت ہے میں نے حلب سے چالیس حج پیدل کیا ہے۔

فرمایا کرتے تھے اللہ پاک اپنے اولیاء، اصفیاء کے لئے دنیا کو پسند نہیں فرماتے اس لئے دنیا کی محبت ان کے قلوب سے سلب کر لیتے ہیں، فرمایا کرتے تھے اگر جمعہ وجماعت کی حاضری ضروری نہ ہوتی تو میں کبھی بھی باہر نہ نکلتا اپنے اوپر دروازہ بند کر لیتا۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے تھے ۷۸ اٹھتر سال میں بستر پر آرام سے لیٹے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

فرماتے تھے جو شخص یہ چاہے کہ اس کا دین محفوظ رہے دل کو سکون رہے اور غم کم رہے اس کو لوگوں سے الگ تھلگ رہنا چاہئے اس لئے کہ یہ زمانہ لوگوں سے بہت زیادہ میل جول کا نہیں ہے۔

فرماتے تھے دنیا کی ساری چیزیں فضول ہیں سوائے پانچ چیزوں کے اتنی روٹی جس سے پیٹ بھر جائے، اتنا پانی جس سے سیرابی حاصل ہوجائے، اتنا کپڑا جو جسم کو چھپالے، ایسا آشیانہ جو گرمی سردی سے بچائے، اتنا علم جو اس کی ضرورت پوری کردے۔

یہ بھی فرماتے تھے جس کو نعمتوں سے سرفراز کیا گیا اور اس کی اس نے قدر نہ

کی تو اس طرح اس سے واپس لے لی جاتی ہے کہ اس کا پتہ بھی نہیں لگتا۔

۲۵۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

انتقال کے بعد ایک صاحب نے خواب میں دیکھا پوچھا کیا حال ہے؟ فرمایا اللہ نے مغفرت کردی اور ان کی بھی مغفرت فرمادی جو میرے جنازہ میں شریک ہوئے اور جس نے میری نماز جنازہ پڑھائی۔

(۶۳) تذکرہ علی بن الموفق

حضرت علی بن الموفق کا شمار بھی اولیاء اور صلحاء میں ہوتا ہے، آپ کا معمول تھا کہ ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کیا کرتے تھے، حتی کہ جنت وجہنم کے شوق اور خوف سے بھی کوئی عمل نہیں کرتے تھے۔

محمد بن احمد راوی ہیں کہ میں نے بارہا علی بن الموفق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے اللہ اگر آپ کی عبادت آپ کی جہنم کے خوف سے میں کروں تو مجھ کو جہنم میں ڈال دے اور اگر آپ کی عبادت آپ کی جنت اور محبت کے شوق میں کروں تو مجھ کو جنت سے محروم کردے۔

اے اللہ آپ کے علم میں ہے کہ میری بندگی صرف آپ کی محبت اور شوق میں ہے اور صرف اور صرف آپ کی رضا کے لئے ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ایک دن اذان دینے کے لئے گھر سے نکلا راستہ میں

ایک کاغذ پڑا ہوا مجھ کو ملا میں نے اس کو اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے جب اس کو پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا۔

"بسم الله الرحمن الرحيم، يا علی بن الموفق تخاف الفقر وأنا ربک"۔

اے علی بن موفق فقر سے ڈرتے ہو حالانکہ تمہارا رب میں ہوں۔

شوق عبادت کا یہ حال تھا کہ سخت سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کی وجہ سے آپ کے ہاتھ پاؤں پھٹ گئے تھے اس کی وجہ سے آپ پر گریہ طاری ہو گیا تو گھر میں غیب سے آواز آئی کہ میری محبت پر قربان جاؤ کہ شب بیداری کے لئے رات میں ہم تم کو بیدار کرواتے ہیں حالانکہ اسی گھر میں دوسرے لوگ سو رہے ہوتے ہیں پھر بھی تم رو رہے ہو۔

نماز، تلاوت، تہجد اور دیگر عبادتوں کے ساتھ حج کا بھی بہت اہتمام کرتے تھے۔

چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں ساٹھ حج کئے جب ساٹھویں حج سے فارغ ہو گئے تو میزاب رحمت کے بالمقابل بیٹھ کر یہ سوچنے لگے کہ پتہ نہیں میرا حج قبول ہوا یا نہیں، اتنے میں آنکھ لگ گئی خواب میں دیکھا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے اے علی! اپنے گھر تم اسی کو بلاتے ہو جس سے تم کو پیار ہوتا ہے اپنے دشمن کو کبھی دعوت دے کر نہیں بلاتے، یعنی میں اپنے گھر (بیت اللہ) کی زیارت کی توفیق اسی کو دیتا ہوں جس سے پیار ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ جب میری آنکھ کھلی تو مجھ کو بہت خوشی ہوئی اور میری فکر

زائل ہوگئی۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ میرا استاونواں یا اٹھاونواں حج تھا میں نے دیکھا کہ عرفات میں چیخ چیخ کر رو رہے ہیں اور اللہ سے اپنے حج کی قبولیت کی دعاء مانگ رہے ہیں، میں نے اللہ سے کہا کے اے اللہ! اگر ان میں سے کسی کا حج قابل قبول نہ ہو تو میں اپنا حج اس کو ہبہ کرتا ہوں اس کے بعد عرفات سے مزدلفہ پہنچا رات میں تھوڑی دیر کے لئے نیند آ گئی تو میں نے خواب میں اللہ کو دیکھا۔

اللہ نے مجھ سے کہا کہ اے علی بن موفق! میں نے میدان عرفات کے سارے حاجیوں کی مغفرت کردی اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی اولاد خاندان گھر والوں کے لئے جتنی دعائیں مانگیں سب میں نے قبول کرلیا۔

اور اللہ نے فرمایا: ''أنا أهل التقوى وأهل المغفرة'' میں مغفرت والا ہوں۔

۲۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

احمد بن عبداللہ الحفار فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن خواب میں امام احمد بن حنبل کو دیکھا ان سے ان کی خیریت پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے معاف کر دیا اور اپنی نعمتوں اور قرب سے مجھ کو نوازا پھر میں نے ان سے شیخ علی بن موفق کے بارے میں پوچھا کہ ان کا کیا حال ہے؟ تو حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا ان کو عرش کے سایہ کے نیچے میں چھوڑ کر آیا ہوں۔

(۶۴) تذکرہ ابوعبداللہ بن ابی جعفر البرائی

حضرت ابوعبداللہ البرائی کا شمار بھی عباد وزہاد اور اللہ کے خوف سے کثرت سے رونے والوں میں سے ہے حضرت ابومریم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ البرائی سے کہا کہ آپ اتنا زیادہ کیوں روتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں انہوں نے اپنا ہاتھ میری طرف نکالا، ہاتھ کی ایک انگلی پر ایک باریک بال لپٹا ہوا تھا اس کو آپ نے کھول دیا اور فرمایا کہ جب اس پر سے گذرنا ہے تو کس کا پاؤں اس پر جم پائے گا یہ کہہ کر پھر رونے لگے۔

یعنی ان کا اشارہ پل صراط کی طرف تھا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔ اور ہر ایک کو اس پر سے گزرنا لازمی ہے، اسی کے تصور اور خوف کا غلبہ تھا کہ آپ ہر وقت روتے رہتے تھے۔

حضرت ابوعبداللہ البرائی فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن سب سے اونچے درجہ پر فائز وہ لوگ ہوں گے جو ہر حال میں اللہ سے راضی رہنے والے ہیں اور جس کو رضاء کی دولت مل گئی، وہ سب سے اونچے درجہ پر پہونچ گیا۔

حضرت ابوعبداللہ البرائی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا کرم ہے اور اس کا انعام ہے وہ بندے کو نافرمانی کے باوجود روزی دیتا رہتا ہے اور معاف کرتا رہتا ہے ورنہ بندوں کے گناہوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ زمین پھٹے اور اس میں دھنسا دیا جائے۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جن کو اللہ کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے، اللہ کی عبادت ان کے لئے آسان ہوجاتی ہےاور جن کو رضاء کی دولت مل جاتی ہے وہ اپنے لئے اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی اور خوش رہتے ہیں۔

(٦٥) تذکرہ ابوجعفر المحولی

حضرت ابوجعفر بغداد کے رہنے والے تھے، عالم کے ساتھ بڑے عابد تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جس دل میں دنیا کی محبت ہواس دل میں ورع اور تقوی کی کوئی جگہ نہیں ہوتی اور جس میں حب جاہ کا مرض ہو وہ آخرت کی حلاوت سے محروم رہتا ہےاور متقیوں کے لئے ایسے عالم کواپنا امام بنانا حرام ہے، جو اپنے علم پر عمل نہ کرے۔

حضرت ابوجعفر کے نزدیک ایک دن کسی نے فالودہ کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہی دل فالودہ بنانے اور کھانے کے چکر میں پڑتا ہے جو اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہےاور جس دل میں اللہ کی یاد بسی ہواس کو ان چیزوں کی کہاں فرصت اور یہ کہہ کر رونے لگے۔

حضرت ابوجعفر فرمایا کرتے تھے کہ جب بندہ بھوکا رہتا ہےاوراس کو پیٹ بھر کھانا نصیب نہیں ہوتا تو اس کا بدن ٹھیک ٹھاک رہتا ہے کسل اور کاہلی سے اس کا بدن دور رہتا ہے اور اس کا دل نرم پڑ جاتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں

اوراطاعت میں جلدی کرتا ہے اور طاعت میں اس کے اعضاء وجوارح میں پھرتی ہوتی ہے اور بےفکر ہوکر وہ دنیا کی زندگی گزارتا ہے۔

(٦٦) تذکرہ ابوبکر محمد بن مسلم القنطر ی

حضرت ابوبکر محمد بن مسلم القنطر ی کا شمار بھی عباد وزہاد میں ہوتا ہے دنیا اور دنیا داروں سے بہت دور رہتے تھے اور بہت معمولی روزی پر گذر بسر کرنے کے عادی تھے، جامع سفیان ثوری لکھ کر لوگوں کو دیتے تھے وہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔

صاحب ورع صاحب زہد صاحب تقوی اور مستجاب الدعوات حضرات میں سے تھے ایک مرتبہ کسی صاحب نے آکر بتایا کہ ان کا بھانجا پرندوں کے ساتھ لہوولعب میں مصروف ہے۔

آپ نے بھی دیکھا تو اسی حال میں پایا اس پر اس قدر منفعل ہوئے کہ اس کے مرنے کی دعا کردی آپ کی دعاء کا اثر یہ ہوا کہ اسی دن شام تک اس کی موت واقع ہوگئی۔

فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی زندگی کیوں مانگی جائے۔

اگر دنیا کی زندگی اس لئے چاہئے تاکہ دنیا کی ضرورت سے وہ شادکام ہو سکے تو اللہ کرے ایسے لوگوں کو دنیا کی زندگی اور اس کی لذتیں حاصل نہ ہوں ہاں اگر دنیا کی زندگی اس لئے مانگی جائے تاکہ دنیا میں رہ کر اللہ کی فرمانبرداری کر کے اس کی

رضاءاورقرب حاصل کیا جائے تو یہ ٹھیک ہے۔

۲۶۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۶۷) تذکرہ ایوب الحمال

حضرت ایوب الحمال کا شمار بھی عباد وزہاد میں ہوتا ہے اس کے ساتھ آپ صاحب کشف وکرامت بھی تھے آپ حضرت بشر الحافی اور حضرت سری السقطی کے معاصرین میں سے ہیں اور حضرت سہل بن عبداللہ التستر ی کے صحبت یافتہ ہیں۔

آپ نے پوری زندگی ذکر وشغل میں گزاری، غفلت اور اسباب غفلت سے ہمیشہ اپنے کو دور رکھا، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ میں کبھی بھی غافل ہوکرنہیں چلوں گا بلکہ جب بھی چلوں گا ذکر کی حالت میں رہوں گا، لیکن ایک مرتبہ میرے پاؤں میں کجی پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے چلنا مشکل ہوگیا میں بہت پریشان ہوا اور بہت رویا اور اللہ کی طرف متوجہ ہوکر توبہ واستغفار کیا اس کے بعد الحمدللہ میرے پاؤں کی کجی دور ہوگئی لیکن مجھے سمجھ میں آیا کہ یہ کیفیت میری غفلت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، چنانچہ اس جگہ لوٹ کر گیا اور وہاں سے ذکر کی حالت میں بغیر کسی کجی کے صحیح سلامت چل کر منزل پر آیا۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب ایک مرتبہ حج کے لئے جارہے تھے دوران سفر چڑیوں نے آکر آپ کے سر پر چکر لگانا شروع کردیا، حضرت ایوب

نے سر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا کہ یہاں بھی تم لوگ آ گئے اس کے بعد روٹی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس کو چور کر اپنی ہتھیلی میں رکھا چڑیوں نے اس کو کھانا شروع کیا اس کے بعد پانی دیا پانی پیا اس کے بعد فرمایا، اب جاؤ، چنانچہ اس کے بعد سارے پرندے اڑ گئے، کل ہو کر پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا، حضرت ایوب نے پھر وہی کیا جو پہلے دن کیا تھا جب تک مکہ مکرمہ نہیں پہنچ گئے روزانہ چڑیوں کی آمد ورفت اسی طرح رہی اور حضرت ایوب کا برتاؤ ان چڑیوں کے ساتھ ایسا ہی رہا۔

(٦٨) تذکرہ محمد بن محمد بن عیسی

حضرت محمد بن محمد کی کنیت ابوالحسن ہے آپ کا بھی شمار عباد وزہاد میں ہوتا ہے جب تک آپ دنیا میں رہے ورع وتقوی کے ساتھ رہے اور دنیا اور دنیا داروں سے دور رہے۔

حضرت بشر الحافی سے سند حاصل کی۔

اور حضرت سری سقطی کے صحبت یافتہ تھے، آپ فرمایا کرتے تھے لوگوں کی تباہی اور بربادی کے لئے کافی ہے کہ وہ نوافل میں مشغول ہو اور فرائض کو ضائع کر دے، ظاہری اعضاء وجوارح کو عبادت میں مشغول رکھے اور دل غافل ہو۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بغیر اصول کی پابندی کئے وصول ممکن نہیں ہے۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی نعمتیں بندوں تک جن بندوں کے واسطے پہنچتی

ہیں جب تک ان بندوں کا بندہ شکر گزار نہ ہو اللہ کا شکر گزار نہیں بن سکتا۔

ایک صاحب نے پوچھا کہ "**أفمن زين له سوء عمله فرآه حسناً**" کا مطلب کیا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ بدعملی کرے اور آدمی یہ سمجھے کہ میں اچھا عمل کر رہا ہوں۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ فقر کی حالت میں ملامت کو ترک کر دے اور جو لوگ دنیا طلبی میں پڑے ہوئے ہیں ان سے عبرت حاصل کرے اور دنیا طلبی کے چکر میں جو اپنے کو برباد کر رہے ہیں ان کے لئے دعاء کرتا رہے۔

رجب کے مہینہ میں ۲۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۶۹) تذکرہ احمد بن محمد

حضرت احمد بن محمد کی کنیت بھی ابوالحسن ہے۔

اور یہ محمد بن محمد کے بھائی ہیں، اللہ کے ولیوں میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے، حضرت بشر الحافی اور حضرت حارث المحاسبی اور حضرت سری سقطی کے صحبت یافتہ ہیں، اپنے بھائی محمد بن محمد سے پہلے ان کا انتقال ہوا۔

حضرت احمد بن محمد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے ولیوں کے اندر یہ خصوصیات ہوتی ہیں کہ جیسے جیسے ان کا مقام ومرتبہ بڑھتا جاتا ہے ان میں تواضع بھی بڑھتا جاتا ہے اور جب ان کے مال میں اضافہ ہوتا ہے تو ان کی سخاوت میں بھی اضافہ ہو جاتا

ہے، اور جب ان کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے تو اللہ کا قرب اور اس کی رضاء کے حصول میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔

(۷۰) تذکرہ حسن الفلاس

حضرت حسن الفلاس حضرت بشر الحافی کے تربیت یافتہ تھے اور حضرت سری سقطی کے معاصر تھے حضرت سری سقطی ان کو بہت عزت دیتے تھے آپ کا شمار بھی عباد وزہاد میں ہوتا ہے، آپ کی غذا کوڑے کباڑ میں پھینکی ہوئی گری پڑی ہوئی چیزیں ہوا کرتی تھیں دنیاوی لذتوں سے کوسوں دور رہا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت حسن الفلاس حضرت بشر الحافی کے پاس آئے ایک مسئلہ میں گفتگو کرنے کے لئے تا کہ ان کی بات ان کے اور اللہ کے درمیان حجت بن سکے، لیکن حضرت بشر نے کوئی جواب نہیں دیا، اور اٹھ کر کھڑے ہوگئے تین مرتبہ ایسا ہی ہوا اس کے بعد پھر جب حضرت حسن آئے تو حضرت بشر قبرستان نکل گئے، حضرت حسن ان کے پیچھے پیچھے قبرستان بھی پہنچ گئے بالآخر مجبور ہو کر حضرت بشر نے فرمایا کہ اے حسن کیا یہ چاہتے ہو کہ یہ قبر والے اپنی قبروں سے نکل کر آئیں گے اور قوم میں جو بگاڑ ہے اس کو ٹھیک کریں گے۔

حسن! سنو جس کا دل دنیا کی کوئی لذت پا کر خوش ہو اس کا دل حکمت سے محروم رہتا ہے اور جو آدمی دنیا کی لذتوں کو اپنے زیر نگیں سمجھتا ہے شیطان ایسوں کے سایہ سے

بھی بھاگتا ہے اور جو خواہشات کو مغلوب کر لیتا ہے ایسا شخص کامیاب ہوتا ہے۔

اے حسن! سنو ساری مصیبت خواہشات کی تکمیل میں ہے اور پوری عافیت خواہشات سے دوری میں ہے۔

اے حسن! جب اللہ سے ملنا کہہ دینا کہ بشر الحافی نے مجھ سے یہ کہا تھا۔

چنانچہ اس کے بعد حسن الفلاس نے اللہ سے یہ ایگریمنٹ کر لیا کہ مارکیٹ کی کوئی بھی چیز وہ کبھی نہیں کھائے گا اور نہ مارکیٹ کی کوئی چیز وہ پہنے گا اور نہ اپنے ہاتھ میں سونا اور چاندی کبھی لے گا اور نہ کبھی پہنے گا، چنانچہ انہوں نے اس کے بعد آبادی کو بھی ترک کر دیا جنگل بیابان میں رہنے لگے، مارکیٹ کا کھانا پینا اور کپڑا التا پہننا بھی ترک کر دیا اور جس حال میں وہ رہے اس پر راضی اور خوش رہے اور ایک دن وہ آیا کہ اسی حال میں دنیا کو الوداع کہہ گئے۔

(۷۱) تذکرہ حضرت محمد بن منصور الطّوسی

حضرت محمد بن منصور الطّوسی کی کنیت ابوجعفر ہے، طوس کے رہنے والے تھے، لیکن بغداد ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی، اور وہیں انتقال ہوا، حضرت امام احمد بن حنبل انکے بہت مداح تھے، حضرت محمد بن منصور صاحب کشف وکرامت اولیاء میں سے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے لوگوں کو یہ شک تھا کہ آج عرفہ کا دن ہے یا نہیں، حضرت محمد بن منصور سے لوگوں نے پوچھا کہ آج کونسا

دن ہے؟

آپ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر ٹھہرو گھر کے اندر آئے اور تھوڑی دیر بعد جا کر بتلایا کہ آج عرفہ کا دن ہے، لوگ حیرت زدہ رہے کہ گھر سے نکلتے ہی انہوں نے پورے یقین کے ساتھ یہ بات کیسے بتلا دی کہ آج عرفہ کا دن ہے، لیکن وہاں موجود حضرات میں سے کسی کو یہ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی اس کے بعد لوگوں نے دنوں اور راتوں کو شمار کرنا شروع کیا گنتی کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ آج عرفہ ہی کا دن ہے اتنے میں ابن سلام آ گئے اور انہوں نے حضرت محمد بن منصور سے پوچھ لیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آج عرفہ کا دن ہے، تو حضرت محمد بن منصور نے فرمایا کہ میں نے گھر میں جا کر اپنے رب سے پوچھا میرے رب نے میرے اور میدان عرفہ کے درمیان کے سارے حجابات اٹھا دیئے میں نے اپنی آنکھوں سے میدان عرفہ میں لوگوں کو موجود دیکھا اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ آج عرفہ کا دن ہے اور اس کی وجہ سے پورے یقین کے ساتھ میں نے آ کر بتا دیا کہ آج عرفہ کا دن ہے

حضرت محمد بن منصور الطّوسی فرمایا کرتے تھے کہ چھ خصلتیں ایسی ہیں کہ ان کے ذریعہ اس کی پہچان ہو جاتی ہے کہ یہ آدمی دانا ہے یا نادان۔

(۱) بلا وجہ ناراضگی، (۲) بے نفع کی گفتگو (۳) بے جگہ وعظ و نصیحت (۴) ہر ایک سامنے راز کو بیان کرنا (۵) ہر ایک پر بھروسہ اور اعتماد کر لینا (۶) دوست اور دشمن میں فرق نہ کرنا۔

۲۵۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۷۲) تذکرہ حضرت زہیر بن محمد

حضرت زہیر بن محمد بھی عابد وزاہد صلحاء میں سے تھے، رہنے والے دوسری جگہ کے تھے لیکن بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

حضرت زہیر بن محمد کا قرآن سے تعلق بہت گہرا تھا، ان کے برخوردار محمد بن زہیر کہتے ہیں کہ میرے ابا رمضان کے مہینہ میں تین قرآن روزانہ ختم کرتے تھے اس طرح ایک مہینہ میں ۹۰ نوے قرآن ختم فرمایا کرتے تھے، اور جب آپ قرآن ختم کرتے تو ہم سب کو بلا کر جمع کرتے اور دعا فرماتے۔

آپ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو چالیس سال سے گوشت کھانے کی خواہش ہے لیکن آج تک گوشت کھانا میسر نہیں ہوا۔

اخیر عمر میں طرسوس منتقل ہوگئے تھے اور ۲۵۷ھ میں وہیں انتقال ہوا۔

(۷۳) تذکرہ حضرت ابراہیم بن ہانی

حضرت ابراہیم بن ہانی نے مختلف شہروں کا تحصیل علم کے لئے سفر کیا اور جب علوم وفنون سے فارغ ہوگئے تو بغداد میں سکونت اختیار کرلی اور زہد کے ساتھ عبادت میں مصروف ہوگئے۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ آپ بغداد کے ابدال میں سے

تھے نماز، روزہ، ذکر وتلاوت اور فکر آخرت میں ہمہ وقت اپنے کو لگائے رکھتے تھے حضرت ابوبکر نیساپوری کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن ہانی کے انتقال کے وقت میں وہیں موجود تھا آپ نے اپنے لڑکے اسحاق کو بلایا اور فرمایا کہ بہت تیز پیاس لگی ہے پانی لے کر آؤ، چنانچہ وہ پانی لے کر حاضر ہوئے آپ نے پوچھا کیا سورج ڈوب چکا ہے؟ اسحاق نے کہا نہیں، آپ نے پانی کو واپس کر دیا بچے نے کہا ابوافطاری کی آپ کو اجازت ہے چونکہ آپ کا روزہ فرض نہیں ہے بلکہ نفل ہے آپ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی: ''**لمثل هذا فليعمل العاملون**''۔

اس کے بعد آپ کی روح نکل گئی اور انتقال ہوگیا۔ ۲۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۷۴) تذکرہ حضرت فتح بن شحرف بن داؤد

حضرت فتح بن شحرف کا شمار بھی عباد وزہاد میں ہوتا ہے سات سال تک پہاڑ پر رہ کر آپ نے اللہ کی عبادت کی آپ کا شمار صلحاء واتقیاء میں ہوتا تھا آپ نے تیس سال تک روٹی نہیں کھائی لیکن اپنے دروازہ سے کسی فقیر ومحتاج کو بغیر کھانا کھلائے واپس نہیں ہونے دیا بلکہ جو لوگ آپ سے ملنے جلنے کے لئے آتے ان کی بھی آپ اچھی ضیافت کرتے تھے بہت اچھے اخلاق کے آپ حامل تھے عبادت بہت اچھی کرتے تھے حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ فتح بن شحرف جیسا خراسان میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔

حضرت فتح بن شحرف نے اپنے گھر کے دروازہ پر یہ لکھ کر ٹانگ دیا تھا کہ اللہ اس میت پر رحم فرمائے جو اس میت کے پاس آئے اس کے پاس آ کر مردوں کا تذکرہ صرف اس کی اچھائیوں کے ساتھ کیا جائے۔

حضرت فتح بن شحرف کا حال یہ تھا کہ تیس سال تک انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی، تیس سال کے بعد جب آسمان کی طرف نگاہ کیا اور آنکھ کھول کر کے آسمان کو دیکھا تو زبان پر یہ کلمات تھے کہ آپ کی ملاقات کے شوق کو ایک زمانہ گذر گیا اب جلدی بلا لیجئے۔

۲۷۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

ابو محمد الحریری کہتے ہیں کہ جب حضرت فتح بن شحرف کو انتقال کے بعد میں نے غسل دیا تو ان کی ران پر لا الہ الا اللہ لکھا ہوا دیکھا جب غور کیا تو کھال کے اندر رگ تھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا۔

حضرت اسحاق بن ابراہیم بن ہانی کہتے ہیں کہ جب حضرت فتح کا انتقال ہوا تو تینتیس (۳۳) مرتبہ بغداد میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور ہر مرتبہ پچیس (۲۵) ہزار سے تیس (۳۰) ہزار تک لوگوں نے شرکت کی۔

(۷۵) تذکرہ حضرت حسن بصری

حضرت حسن بصری کا نام مبارک حسن اور کنیت ابو سعید ہے، حضرت حسن

بصری حضرت علی سے چودہ سال کی عمر میں بیعت ہوئے اس کے بعد کوفہ اور بصرہ کی طرف چلے گئے، ورع و پرہیز گاری، زہد وتقوی میں بے مثال تھے، فرمایا کرتے تھے کہ تقوی اور پرہیز گاری دین کی بنیاد ہے۔ لالچ اور حرص اس بنیاد کو ختم کر دیتے ہیں۔

سنت نبوی کے ساتھ والہانہ تعلق تھا اسی لئے اتباع سنت کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے خود عمل کرنے کے ساتھ دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے خوف وخشیت بھی حد درجہ آپ میں موجود تھا، بسا اوقات فرمایا کرتے تھے۔

اس خوف سے روتا ہوں کہ کہیں ایسا قصور نہ مجھ سے ہو جائے جس کی وجہ سے اللہ تعالی یہ فرمادیں کہ اے حسن! اب تو ہماری درگاہ میں تمہارا کوئی مقام نہیں اور اب تمہاری کوئی عبادت قبول نہیں، آپ ہمیشہ باوضو رہا کرتے تھے ایک مرتبہ رات میں ستر (۷۰) سے زائد مرتبہ بیدار ہوئے اور ہر مرتبہ وضو کیا، اور دو رکعت نماز پڑھی۔

امام باقر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حسن بصری کا کلام انبیاء کے کلام کے مشابہ ہوتا ہے۔

حضرت اعمش فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حسن بصری نے ایک زمانہ تک حکمت کی باتوں کو جمع کیا اس کے بعد پھر لوگوں میں پھیلانا شروع کیا، حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ حسن بصری کو مضبوطی سے پکڑ لو وہ بڑے امام ہیں، حضرت حسن بصری ہمیشہ اپنے آپ کو ایک معمولی آدمی بلکہ اس سے بھی کمتر سمجھتے تھے۔

حضرت حسن بصری کو اللہ نے تقریر میں بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا ہفتہ میں ایک مرتبہ وعظ فرماتے جس میں بڑا مجمع ہوتا تھا، اس زمانہ کے صلحاء اور اتقیاء بھی شرکت کیا

کرتے تھے، حضرت حسن بصری اپنے قیمتی ملوظات سے بھی سامعین وحاضرین کو نوازتے رہتے تھے۔

ایک شخص نے اپنے دل کی سختی کی شکایت آپ سے کی تو آپ نے فرمایا کہ ذکر کی مجلس میں شریک ہوا کرو، فرمایا کرتے تھے کہ لالچ عالم کو عیب دار بنا دیتا ہے، اور جو آدمی دنیا اور دولت کو عزیز سمجھتا ہے اللہ اس کو ذلیل کر دیتا ہے، فرمایا کرتے تھے کہ تواضع کی شرط یہ ہے کہ جب آدمی گھر سے نکلے تو جس کو بھی دیکھے اپنے سے افضل سمجھے۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بصری نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کا تہجد اس وقت چھوٹتا ہے جب وہ کوئی گناہ کرتا ہے، لہذا رات کے شروع حصہ میں ہر شخص کو اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہئے اگر کوئی گناہ ہوگیا ہو تو صدق دل سے توبہ اور استغفار کرنا چاہئے تا کہ تہجد نصیب ہو جائے یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ تہجد کی نماز اس شخص پر گراں ہوتی ہے جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔

حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہاری کسی سے دشمنی ہو جائے اور وہ اللہ کے مطیع وفرمانبردار ہو تو اس سے دشمنی کرنے سے تم پرہیز کرنا چونکہ ایسے شخص کو اللہ تیرے حوالہ نہیں کرے گا آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کوئی شخص ان کی غیبت کرتا تو اس کے بدلہ میں آپ اس کو کچھ ہدیہ بھیجتے اور فرماتے کہ یہ کہہ دینا کہ میری غیبت کرکے جو تم نے مجھ کو دیا ہے میرا بھیجا ہوا ہدیہ اس سے بہت کم درجہ کا ہے۔

نواسی (۸۹) سال کی عمر میں بصرہ میں ۱۱۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

(۷۶) تذکرہ حضرت عبدالواحد بن زید

حضرت عبدالواحد بن زید جن کی کنیت ابوالفضل ہے آپ کا شمار صائم الدہر اور قائم اللیل اکابرین میں ہوتا ہے، تین روز کے بعد افطاری کرتے تھے، اور افطاری میں تین چار لقمہ سے زیادہ نہیں کھاتے تھے، زہد کا غلبہ اس قدر تھا کہ جو کچھ اپنے پاس ہوتا تھا سب اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیتے تھے درہم و دینار کسی کو دینے کے لئے اگر ہاتھ میں لیتے تو دینے کے بعد اپنا ہاتھ دھویا کرتے تھے، حضرت حسن بصری سے بیعت ہونے سے پہلے چالیس سال تک مجاہدات میں مشغول رہے، علوم ظاہرہ میں حضرت علی اور حضرت حسن سے بھی تلمذ حاصل ہے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔

آپ کا شمار صاحب کشف وکرامت اولیاء میں ہوتا ہے، ایک مرتبہ غلبہ نیند میں رات کا وظیفہ فوت ہو گیا تو آپ نے ایک حور کو خواب میں دیکھا جو یہ کہہ رہی تھی کہ ابوزید میرے ملنے کی تلاش میں رہو میں تم سے ملاقات کی جستجو میں ہوں اس کے بعد آپ نے رات میں نہ سونے کا عزم کرلیا اور چالیس سال تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی۔

ایک مرتبہ کسی دریا سے گزر رہوا اس دریا پر موجود ملاح بیٹھنے والوں کو پیسے لے کر کشتی پر بٹھاتا اور دریا عبور کرواتا یہ منظر دیکھ کر آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ

دریا سے کہہ دو کہ عبدالواحد کہہ رہا ہے کہ خشک ہو جائے آپ کے رفقاء نے جیسے ہی یہ پیغام دریا تک پہنچایا دریا کا پانی اتنا کم ہو گیا کہ سارے رفقاء بلا تکلف دریا عبور کر گئے، ملاح اور کشتی کی ضرورت نہیں پڑی۔

ایک مرتبہ فقراء کی جماعت آپ کے گرد و پیش بیٹھی ہوئی تھی کھانے کے لئے کسی کے پاس کچھ نہیں تھا جب سب پر بھوک کا غلبہ ہوا تو سب نے کھانے کی درخواست پیش کی، حضرت شیخ عبدالواحد بن زید نے دعاء کی اس دعا کی برکت سے دینار کی بارش ہوئی اس دینار سے حلوہ خریدا گیا اور سب فقراء نے جی بھر کر حلوہ کھایا لیکن شیخ عبدالواحد نے تناول نہیں فرمایا۔

۱۷۸ھ میں بصرہ میں آپ کا انتقال ہوا۔
اور وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

(۷۷) تذکرہ حضرت ابراہیم بن ادھم

حضرت ابراہیم بن ادھم کی پیدائش بلخ میں ہوئی آپ عابد وزاہد اور پایہ کے بزرگوں میں سے ہیں عبادت اور زہد کا یہ حال تھا کہ چار پانچ روز کا روزہ رکھتے تھے اور گھاس سے افطاری کرتے تھے رات میں بہت کم سوتے تھے زیادہ تر وقت عبادت میں گزارتے تھے، پیوند لگے ہوئے کپڑے اکثر پہنا کرتے تھے حالانکہ آپ وقت کے بادشاہ تھے جب آپ نے بلخ کی بادشاہت چھوڑ کر درویشی اختیار کی تو باوجود امراء اور

وزراء کے اصرار کے نہ آپ نے کبھی قبول کیا اور نہ اس کی طرف التفات فرمایا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ بستر شاہی پر آرام فرما رہے تھے محل کی چھت پر کسی کے چلنے کی آواز آئی، آپ نے پوچھا کون ہے؟ اس شخص نے جواب دیا میرا اونٹ گم ہو گیا ہے اس کو یہاں تلاش کر رہا ہوں، آپ نے فرمایا کہ بڑا بے وقوف معلوم ہوتا ہے اونٹ کا چھت پر کیا کام ہے وہ یہاں کیسے آ سکتا ہے، اس شخص نے جواب دیا کہ وہ شخص مجھ سے زیادہ بے وقوف ہے جو تخت شاہی پر لیٹ کر خدا کا طلب گار بنتا ہو یہ سننے کے بعد آپ نے دفعتاً تخت شاہی کو چھوڑ دیا اور ایک پہاڑ میں جا کر سکونت اختیار کر لی ہفتہ میں ایک دن جمعرات کو پہاڑ سے باہر نکلتے اور لکڑیاں چن کر فروخت کرتے لکڑی کے جتنے پیسے ملتے اس میں سے آدھا اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیتے اور آدھے سے آٹھ دن تک کا اپنے گذر بسر کا انتظام کرتے، ایک زمانہ تک مجاہدات میں مشغول رہے اس کے بعد مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور حضرت فضیل بن عیاض سے بیعت ہو کر کمالات و فیوض حاصل کئے۔

حضرت جنید بغدادی فرمایا کرتے تھے کہ جتنا علم اولیاء کو دیا جاتا ہے ان سب کی کنجی حضرت ابراہیم بن ادھم کے پاس ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ جبل ابی قبیس پر آپ تشریف فرما تھے آپ نے فرمایا کہ بعض اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ پہاڑ کو اگر کہیں کہ چل تو چلنے لگتا ہے، یہ فرماتے ہی جبل ابی قبیس میں جنبش ہونے لگی، آپ نے جبل ابی قبیس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ٹھہر جا میں تو قصہ بیان کر رہا تھا تب وہ پہاڑ ٹھہرا۔

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے آ کر عرض کیا کہ ایک شیر نے ہمارا راستہ روک لیا ہے یہ سن کر آپ شیر کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ابوالحارث اگر تجھ کو اللہ جل شانہ کی طرف سے کسی چیز کا حکم ہے تب تو اس کے موافق کام کر ورنہ راستہ چھوڑ کر چلا جا، حضرت ابراہیم بن ادھم کی یہ بات سنتے ہی فوراً شیر چیختا ہوا جنگل کی طرف چلا گیا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم فرمایا کرتے تھے کہ دنیا والوں نے دنیا میں اپنی راحت تلاش کی مگر ان کو راحت نہیں ملی اگر انہیں اس دولت کی خبر ہو جائے جو ہمارے پاس ہے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے وہ تلوار اٹھا لیں۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے آپ نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ تو یہ چاہتا ہے کہ میں یہ دراہم لے کر فقیروں کی فہرست سے اپنا نام کٹوا دوں ایسا نہیں ہوگا۔

فرمایا کرتے تھے ترازو میں سب سے زیادہ وزنی عمل قیامت کے دن وہ ہوگا جس کا کرنا دنیا میں سب سے زیادہ مشکل ہوگا۔

ایک عالم نے ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادھم سے نصیحت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ دم بن کر رہنا سر بن کر مت رہنا یعنی متبوع بننے کی کوشش نہ کرنا بلکہ کسی کے تابع بن کر رہنا اس لئے کہ سر کاٹ دیا جاتا ہے اور دم چھوڑ دی جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم سے ایک صاحب نے کہا کہ مجھ سے تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھا جاتا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا دن میں اللہ تعالی کی نافرمانی نہ کیا کرو اس لئے کہ رات کے وقت تہجد میں کھڑا ہونا بہت شرف کی بات ہے اور نافرمان

آدمی اس شرف کا اہل نہیں ہوتا۔

اسی لئے حضرات صوفیاءفرمایا کرتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے آدمی تہجد سے محروم ہوجاتا ہے۔۱۶۲ھ میں ایک سو دس برس (۱۱۰) برس کی عمر میں آپ کا ملک شام میں انتقال ہوا۔

(۷۸) تذکرہ حضرت حذیفہ المرعشی

حضرت حذیفہ المرعشی آپ بھی عابد وزاہد بڑے اولیاء میں سے ہیں، سات برس کی عمر میں آپ قرأت سبعہ کے حافظ ہو چکے تھے سولہ سال کی عمر میں آپ نے علوم ظاہرہ کی تکمیل فرمائی اس کے بعد حضرت خضر کی رہنمائی کے ذریعہ حضرت ابراہیم بن ادھم تک آپ کی رسائی ہوئی چھ ماہ میں علوم باطنہ کی تکمیل ہوگئی۔

آپ مسلسل روزہ رکھتے تھے چھ ۶ دن کے بعد افطاری کرنے کی نوبت آتی تھی، اور فرماتے کہ اہل دل کی غذا الا الہ الا اللہ ہے۔

گریہ وزاری کا آپ پر غلبہ تھا کثرت سے آپ روتے رہتے تھے کسی نے ایک دن آپ سے رونے کی وجہ پوچھی جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ''**فریق فی الجنة وفریق فی السعیر** '' رولاتا ہے یہ نہیں معلوم کہ میرا شمار کس فریق میں ہے، حالانکہ جنت کی بشارت آپ کو دنیا ہی میں مل چکی تھی اور روضہ اقدس سے حضور کی رفاقت کا مژدہ بھی آپ کو مل چکا تھا۔

حضرت حذیفہ المرعشی فرمایا کرتے تھے کہ تمام نیکیوں میں سب سے افضل میرے نزدیک یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر میں بیٹھا رہے اگر فرض نماز کے لئے بھی کوئی حیلہ ایسا ہوتا کہ مسجد کے لئے نہ نکلنا پڑتا تو میں ہمیشہ گھر ہی میں رہتا۔

۲۰۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۷۹) تذکرہ ابوہبیرہ بصری

حضرت ابوہبیرہ بصری بصرہ کے رہنے والے تھے، عابد وزاہد اور کبار اولیاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، سترہ (۱۷) سال کی عمر میں علوم ظاہرہ سے آپ نے فراغت حاصل کرلی، زہد ومجاہدہ کے شروع ہی سے عادی تھے روزانہ دو قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔

تیس سال تک مسلسل مجاہدہ کے بعد ناکامی پر بہت روئے تو غیب سے نداء آئی کہ درویشی سیکھنا ہو تو خواجہ مرعشی کے پاس جاؤ چنانچہ حسب حکم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ تیس سال تک مجاہدہ کرچکے تھے اس لئے ایک ہی ہفتہ میں درجہ کمال کو پہنچ گئے اور ایک سال میں اپنے شیخ کی اجازت وخلافت حاصل ہوگئی۔

خلوت نشینی کے آپ عادی تھے اس لئے آپ نے ایک حجرہ کے گوشہ میں پوری زندگی گذار دی دنیا اور اس کی لذتوں سے بہت دور رہتے تھے کثرت سے گریہ آپ پر طاری رہتا تھا آپ کو خصوصی کرامت یہ حاصل تھی کہ جو آپ کا منظور نظر ہوجاتا

ایک توجہ سے ان پر سارے علوم منکشف ہو جاتے تھے، ایک سوبیس (۱۲۰) سال کی عمر میں ۲۸۷ھ میں بصرہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۸۰) تذکرہ ممشاد دینوری

حضرت ممشاد دینوری کا شمار بھی کبار اولیاء میں ہوتا ہے آپ دینور کے رہنے والے تھے بعد میں ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے، آپ علوم ظاہر اور باطن میں امام تھے، ریاضت و مجاہدہ میں بچپن ہی سے اپنی مثال آپ تھے۔

بڑے ہو کر ہمیشہ روزہ رکھتے تھے لیکن بچپن میں بھی دن میں ماں کا دودھ نہیں پیتے تھے اسی وجہ سے آپ کو مادرزاد ولی بھی کہا جاتا ہے، ایک زمانہ تک حضرت خضر علیہ السلام کے فیض صحبت میں رہے اور پھر انہی کے اشارہ پر حضرت ابوہبیرہ بصری سے بیعت ہوئے اور بیعت کے بعد فوراً ہی اجازت حاصل ہوگئی وہ اس طرح کہ بیعت کے بعد ہی شیخ نے توجہ کی تو اس کے نتیجہ میں آپ بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش میں آئے تو پھر توجہ کی پھر بے ہوش ہو گئے اس طرح چالیس مرتبہ ہوا اس کے بعد حضرت ابوہبیرہ بصری نے پوچھا کہ کیا دیکھا؟ حضرت ممشاد دینوری نے فرمایا کہ تیس برس کے مجاہدہ میں وہ بات حاصل نہیں ہوئی تھی جو آپ کی توجہ سے حاصل ہوگئی۔

حضرت ممشاد دینوری فرمایا کرتے تھے کہ:

جو شخص کسی بزرگ کی خدمت میں جائے اور وہاں پہنچ کر بھی اپنے آپ کو بڑا

سمجھتا رہے تو ایسے شخص کو بزرگوں کی صحبت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بیکار چیزوں کے چھوڑ دینے کا نام تصوف ہے اور جس چیز کی طرف نفس متوجہ ہو اس کو چھوڑنے کا نام توکل ہے یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جس کا منتہاء مقصد اللہ کی ذات بن جائے اس کو حوادث نہیں گھیر سکتے۔

انتقال کے وقت ایک بزرگ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ آپ کے لئے جنت کے ملنے کی دعا کرنے لگے تو حضرت ممشاد دینوری نے ہنس کر فرمایا کہ تیس سال سے جنت اپنی ساری زینتوں کے ساتھ میرے سامنے آتی رہی مگر میں نے ایک مرتبہ بھی اس کو نگاہ بھر کے نہیں دیکھا میں تو جنت کے مالک کا مشتاق ہوں۔

۲۹۷ھ میں دینور میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۸۱) تذکرہ ابواسحاق ابراہیم الحربی

۱۹۸ھ میں آپ پیدا ہوئے مرو کے رہنے والے تھے سارے علوم میں آپ کی حیثیت امام کی تھی اور بہت سی عمدہ کتابوں کے آپ مصنف بھی تھے۔

لیکن ان سب کے ساتھ آپ بڑے عابد وزاہد تھے، پینتالیس سال تک آپ سر کے آدھے حصہ کے درد کے شکار رہے لیکن کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا حتی کہ گھر والوں کو بھی اس کی کبھی خبر نہیں ہونے دی۔

اسی طرح دس سال تک صرف ایک ہی آنکھ کی بینائی کام کرتی رہی لیکن اس

کی بھی خبر کسی کو نہیں ہونے دیا تیس سال تک صرف دو روٹی کھا کر گذارہ کرتے رہے وہ بھی اگر ماں نے یا بہن نے لا کر دیدیا ورنہ دو دن تک بھوکے پیاسے رہے کسی کو خبر نہیں ہونے دی۔

کبھی مرغن اور مختلف الوان کا کھانا نصیب نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود دنیا اور دنیاداروں، امراء واغنیاء سے بہت بے نیاز رہے بعض امراء نے دس ہزار دراہم کا ہدیہ پیش کیا لیکن آپ نے قبول نہیں کیا واپس کر دیا پوری زندگی علمی کاموں میں گذار دیا اور جو کچھ لکھا پڑھا اسی کو دولت وثروت سمجھتے رہے اور دنیاوی دولت سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔

ایک مرتبہ فاقہ کی نوبت آگئی بچے کھانے کو محتاج ہوگئے۔ بیوی نے آکر کہا ہم اور آپ تو صبر کرلیں گے لیکن بچوں کا کیا ہوگا؟

اتنے میں اللہ کی مدد آگئی کسی نے دروازہ پر دستک دی آپ نے پوچھا کون؟ جواب ملا آپ کا پڑوسی ہوں، آپ نے کہا آجاؤ اس نے کہا چراغ گل کردو آپ نے چراغ کو کسی چیز سے ڈھک دیا، اس کے بعد وہ اندر آیا اور ایک کونے میں کچھ رکھ کر چلا گیا۔

جب چراغ کے اوپر کا ڈھکن ہٹایا تو دیکھا کہ ایک قیمتی رومال میں مختلف انواع کے کھانے ہیں اور ایک لفافہ میں پانچسو دراہم ہیں، میں نے بیوی کو بلا کر کہا بچوں کو بیدار کردو اور ان کو کھانا کھلادو۔

اور کل ہو کر ان دراہم سے میں نے اپنا قرض ادا کردیا۔

دوسری مدد یہ آئی کہ کل ہوکر میں اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھ گیا چونکہ یہ وقت خراسان سے حجاج کرام کی واپسی کا تھا، اچانک میری نظر ایک شخص پر پڑی جو دو اونٹ کو ہنکائے لئے جا رہا تھا اس نے مجھ سے ابراہیم حربی کا مکان معلوم کیا میں نے کہا میں ہی ابراہیم حربی ہوں اس نے دو گٹھر دونوں اونٹ کے اوپر سے اتار کر میرے سپرد کیا اور کہا یہ خراسان کے ایک صاحب نے آپ کے لئے بھیجا ہے میں نے کہا وہ کون ہیں؟ اس نے کہا بھیجنے والے نے قسم دے کر کہا ہے کہ میرا نام نہ بتلانا محمد بن صالح الانماطی فرماتے ہیں بغداد میں آج تک ایسا آدمی پیدا نہیں ہوا جو ادب، حدیث، فقہ، زہد میں ابراہیم حربی جیسا ہو، بغداد میں ۲۸۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۸۲) تذکرہ حضرت یحیٰ الجلاء

حضرت یحیٰ الجلاء بھی عباد وزہاد میں سے تھے حضرت بشر الحافی کے صحبت یافتہ تھے۔

آپ کی گفتگو سامعین کے قلوب میں جلاء پیدا کرتی تھی اس لئے آپ کو جلا کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

جب آپ کا انتقال ہوا اور غسل کے لئے تخت پر لٹایا گیا تو آپ ہنسنے لگے لوگوں کو حیرت ہوئی، اور یہ خیال ہوا کہ شاید آپ ابھی زندہ ہیں چنانچہ طبیب کو بلایا گیا طبیب نے آکر چہرہ ڈھک دیا اور جسم کو چیک کر کے بتلایا انتقال ہو چکا ہے، چنانچہ

چہرہ کھول دیا گیا اور غسل کی تیاری شروع کی پھر آپ ہنسنے لگے یہ ماجرا دیکھ کر طبیب بھی کنفیوزن کا شکار ہو گیا اور کہنے لگا پتہ نہیں آپ زندہ ہیں یا انتقال کر چکے ہیں دیر تک یہی ہوتا رہا جب کوئی غسل دینے آتا آپ ہنسنے لگتے وہ گھبرا کر چلا جاتا تا آنکہ ان کے قبیلہ کا ایک باہمت شخص آیا اس نے غسل دے کر کفن پہنایا اور نماز پڑھ کر آپ کو دفن کر دیا، اس طرح کے خوارق اللہ والوں سے مرنے کے بعد بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں جس سے لوگ حیران و پریشان ہو جاتے ہیں۔

(۸۳) تذکرہ حضرت ابوابراہیم السائح

حضرت ابوابراہیم السائح بھی صاحب کشف و کرامت اولیاء میں سے تھے۔

ایک مرتبہ انہوں نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں ایک جگہ گیا وہاں پہنچ کر میں بیمار ہو گیا ایسی بیماری کا شکار ہوا کہ میرے لئے نقل وحرکت دشوار ہو گیا میں نے دل میں سوچا کہ اگر کہیں شہر میں ہوتا تو کسی اللہ والے یا طبیب سے رجوع کرتا، اب یہاں کیا کروں، یہ سوچتا تھا کہ اچانک ایک درندہ میرے پاس آیا اور اس نے بہت آہستہ سے مجھے اٹھایا اور اپنی کمر پر سوار کر کے چل پڑا تا آنکہ ایک راہب کے پاس پہنچا اور وہاں وہ رک گیا، راہب یہ منظر دیکھ کر حیران ہو گیا اور جتنے راہب وہاں موجود تھے سب نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی تعداد ۴۰۰ تھی۔

سچ ہے ''من كان لله كان الله له ''۔

جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے اور جس کا اللہ ہو جاتا ہے اس کی خدمت کے لئے اللہ کی ہر مخلوق تیار رہتی ہے اللہ اپنے خاص بندوں کو ایسی دولت سے نوازتے ہیں۔

(۸۴) تذکرہ حضرت اسماعیل بن یوسف الدیلمی

حضرت اسماعیل بن یوسف الدیلمی اونچے طبقہ کے محدثین میں شمار ہوتے ہیں، حفاظ حدیث میں آپ کا شمار ہوتا تھا، ۷۰ھ ہزار حدیثیں آپ کو یاد تھیں اور بعض کہتے ہیں چالیس ہزار احادیث یاد تھیں، علم اور عبادت کے جامع تھے، حضرت امام احمد بن حنبل کی مجالست آپ کو حاصل تھی، اچھے لوگوں میں آپ کا شمار تھا، زہد اور ورع کے ساتھ لوگوں میں مشہور تھے، تین درہم کی ماہانہ مزدوری پر گذر بسر کا دارومدار تھا۔ معروف کرخی کے مزار کے پاس آپ کا مزار ہے۔ لوگ کثر سے ان کے مزار پر پہنچتے ہیں۔

(۸۵) تذکرہ حضرت زکریا بن یحییٰ

حضرت زکریا بن یحییٰ کا شمار کبار اخیار میں ہوتا تھا حضرت امام احمد بن حنبل آپ کے بارے میں فرماتے ہیں صالح آدمی تھے۔
ہر وقت موت کے لئے تیار رہتے تھے، مرنے سے ڈرتے نہیں تھے اگر کوئی

ان سے کہہ دے کہ کل آپ کا انتقال ہوجائے گا تو اس سے آپ پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔

حضرت زکریا فرمایا کرتے تھے میں نے چار ہزار قرآن پاک ختم کیا ہے اور اس کے بدلہ میں نے اللہ سے حور خریدا ہے جب میں نے آخری ختم کیا تو حوروں نے مجھ سے کہا تم نے اپنا وعدہ اللہ سے پورا کردیا اب آجاؤ ہم ملاقات کے منتظر ہیں، چنانچہ اس کے چند دنوں کے بعد ۲۸۵ھ شب جمعہ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

(۸۶) تذکرہ جنید بن محمد البغدادی

حضرت جنید بغدادی کا بڑے اکابر اولیاء میں شمار ہوتا ہے، آپ بغداد کے رہنے والے تھے، بڑے عابد وزاہد اور صاحب کشف وکرامت اولیاء میں سے تھے، علم ظاہر کے ساتھ علم باطن سے حظ وافر آپ کو حاصل تھا۔

حضرت جنید بغدادی کی مارکیٹ میں ایک دوکان تھی، آپ روزانہ اپنی دوکان پر تشریف لے جاتے اور دوکان کھول کر پردہ گرا کر نوافل میں مشغول ہوجاتے اور جب چار سو رکعت نوافل آپ ادا فرمالیتے تو دوکان بند کرکے گھر واپس ہوجاتے، اس کے علاوہ روزانہ تیس ہزار تسبیح پڑھنے کا بھی آپ کا معمول تھا۔

کھانے کا حال یہ تھا کہ بیس سال تک صرف ہفتہ میں ایک بار صرف کھانا کھاتے تھے اس کے باوجود عبادت کا حال یہ تھا کہ روزانہ چار سو رکعت نوافل ادا

فرماتے تھے اللہ نے علم کے ساتھ حال سے بھی سرفراز فرمایا تھا، آپ صاحب علم ہونے کے ساتھ صاحب حال بھی تھے ورنہ عموماً ہوتا یہ ہے کہ جو حضرات صاحب حال ہوتے ہیں ان کے پاس علم تھوڑا ہوتا ہے، لیکن بہت علم کے ساتھ صاحب حال ہونے کا شرف کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

حضرت جنید فرمایا کرتے تھے حضرت سری سقطی کے سامنے میں بچہ تھا میری عمر سات سال کی تھی اسی کم عمری کا واقعہ ہے بڑے حضرات شکر کے بارے میں گفتگو فرمارہے تھے، حضرت سری سقطی نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا بیٹا بتلاؤ شکر کس کو کہتے ہیں میں نے جواب میں کہا کہ شکر یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو استعمال کر کے اس کی نافرمانی نہ کی جائے، اس کے جواب میں حضرت سری سقطی نے ایک ایسا جملہ فرمایا کہ وہ جملہ جب یاد آتا ہے تو مجھ کو رونا آتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے یہ علم کس سے حاصل کیا؟ آپ نے فرمایا تیس سال تک اللہ کے حضور میں بیٹھا ہوں اس سیڑھی کے نیچے آپ کے گھر میں ایک سیڑھی تھی اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی نے فقراء کو مخاطب کر کے فرمایا اے فقراء کی جماعت تمہارا تعارف اللہ کی نسبت پر ہوتا ہے اور اسی نسبت پر تمہارا اکرام بھی ہوتا ہے، لہٰذا اپنی خلوت پر نظر رکھنا کہ تمہارا معاملہ اللہ کے ساتھ کیسا ہے؟ حضرت جنید بغدادی فرمایا کرتے تھے جب اللہ پاک اپنے کسی بندے کو اپنے سے دور کر دیتا ہے تو اس کو لایعنی کاموں میں لگا دیتا ہے۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے اللہ تک پہنچنے کا راستہ انہیں لوگوں کے لئے کھلا رہتا ہے جو آقا علیہ السلام ﷺ کی سنتوں کی پیروی کرتے ہیں۔

فرماتے تھے علم بغیر مجاہدہ و جفاکشی کے حاصل نہیں ہوتا۔

فرماتے تھے ایسا نہ بنو کہ تمہاری خوبیوں کا تذکرہ ہر طرف ہو اور تم برائی میں لگے ہوئے ہو۔

فرماتے تھے دوسروں کی لغزشوں کو برداشت کرنے کا نام مروۃ ہے۔

آپ کا انتقال ۲۹۸ھ میں روتے ہوئے سجدہ کی حالت میں ہوا۔ ابو محمد الحریری نے آپ کو غسل دیا، اور آپ کے لڑکے نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ساٹھ ہزار لوگ آپ کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔

خواب میں ایک صاحب نے دیکھا تو حال پوچھا آپ نے فرمایا، کچھ بھی کام نہیں آیا سوائے ان چند رکعتوں کے جو تہجد کے وقت پڑھا کرتا تھا۔

اسی لئے صلحاء کے نزدیک تہجد کی نماز کا بہت اہتمام ہے اللہ پاک ہر ایک کو توفیق عطا فرمائے۔

(۸۷) تذکرہ ابو اسحاق چشتی

حضرت ابو اسحاق چشتی چشت کے رہنے والے تھے بڑے عابد زاہد اولیاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے علوم ظاہرہ و باطنہ کے ماہر و جامع تھے۔

سات روز میں افطار کرتے تھے صاحب کشف و کرامت اولیاء میں سے تھے

طئی الارض بھی آپ کو حاصل تھا جب سفر کا ارادہ فرماتے سینکڑوں افراد کے ساتھ آنکھ بند کرتے اور منزل پر پہنچ جاتے۔

جو شخص ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں پہنچ جاتا وہ کبھی کوئی گناہ نہیں کرتا تھا گویا کہ گناہ کرنے کی قوت سلب ہو جاتی تھی۔

اور اگر کوئی بیمار آپ کی مجلس میں پہنچ جاتا تو وہ صحت یاب ہو کر واپس آتا۔

ایک مرتبہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے خلق خدا پریشان ہوگئی بادشاہ دعا کے لئے حاضر ہوا آپ نے دعا فرمائی اور فوراً بارش ہوگئی۔

جب آپ نے بیعت کا ارادہ فرمایا تو چالیس دن تک استخارہ فرمایا اس کے بعد غیب سے آواز آئی۔ ممشاد دینوری کے پاس جاؤ چنانچہ وہاں پہنچ کر سات سال شیخ کی خدمت میں رہے اس کے بعد آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔

چشتیہ کی ابتدائی شہرت آپ ہی سے ہوئی آپ کے بعد چار مشائخ اور بھی ہوئے جو چشت ہی کے رہنے والے تھے۔

شیخ ممشاد دینوری نے ایک مرتبہ پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ فرمایا ابواسحاق شامی، اس کے جواب میں شیخ نے فرمایا آج سے تم کو ابواسحاق چشتی کہیں گے۔

اس لئے کہ اہل چشت کو تم سے ہدایت ملے گی اور تمہارا سلسلہ قیامت تک چشتیہ کہلائے گا۔

اسی دن سے آپ ابواسحاق چشتی کہلانے لگے۔

آپ کی وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی اور عکہ نامی جگہ میں آپ مدفون ہوئے جو

شام کے گردوپیش ایک جگہ کا نام ہے۔

(۸۸) تذکرہ حضرت سمنون بن حمزہ

حضرت سمنون بن حمزہ کا شمار بھی کبار اولیاء میں ہوتا ہے بصرہ کے رہنے والے تھے لیکن بغداد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

روزانہ پانچ سو رکعت نفل آپ پڑھا کرتے تھے۔

ابواحمد القلانسی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے بغداد میں فقراء میں چالیس ہزار دراہم خرچ کئے حضرت سمنون نے مجھ سے کہا ابواحمد اس نے فقراء پر کتنا خرچ کیا ہم تو اتنا نہیں کر سکتے البتہ اس کے بدلہ کچھ اور تو کر سکتے ہیں ہمارے ساتھ چلو ہم ایسی جگہ چلتے ہیں جہاں ایک درہم کے بدلہ ایک رکعت نماز پڑھتے ہیں۔

چنانچہ ہم شہر مدائن پہنچے اور وہاں پہنچ کر ہم نے چالیس ہزار رکعت نوافل پڑھے اور حضرت سلیمان کے قبر کی زیارت کی اور واپس آ گئے۔

ابوالطیب مکی کہتے ہیں ایک مرتبہ سمنون دجلہ کے کنارہ بیٹھے ہوئے تھے آپ کے ہاتھ میں ایک چاقو تھا وہ چاقو اپنی ران پر مارتے آپ کی ران کا گوشت کٹ جاتا اور چند اشعار پڑھتے تھے۔

اکثر یہ فرماتے تھے اے رب میں آپ کے فیصلہ پر راضی ہوں۔

اونی جبہ آپ کا لباس تھا دنیاوی تعیّشات سے کوسوں دور تھے زہد کے ساتھ

عبادت میں پوری زندگی گذاردی۔

حضرت جنید بغدادی کے بعد آپ کا انتقال ہوا۔

(۸۹) تذکرہ ابراہیم بن سعد العلوی

حضرت ابراہیم بن سعد العلوی کبار مشائخ میں سے ہیں، عابد وزاہد بزرگوں میں آپ کا شمار ہے بغداد کے رہنے والے تھے لیکن بعد میں شام سکونت اختیار کرلیا تھا۔

متعدد حضرات سے مروی ہے کہ آپ سمندر میں اپنی چادر بچھا دیتے اوراس پر نماز ادا فرماتے تھے۔

مچھلیاں آپ کے سامنے خدمت گزاری کے لئے حاضر رہتی تھیں لیکن کبھی آپ نے ایک بھی مچھلی نہیں پکڑی سر نکالے منھ کھولے آپ کے اردگرد چکر لگاتیں، ایک مرتبہ ایک صاحب آپ کے ساتھ سمندر میں تھے مچھلیوں کو دیکھ کر شکار کا خیال پیدا ہوا کہ کاش فلاں شکاری ہوتے اتنا سوچنا تھا کہ ساری مچھلیاں بھاگ گئیں۔

حضرت ابراہیم بن سعد العلوی تین دن بعد کچھ مختصر سی چیز تناول فرماتے تھے اکثر روزہ کی حالت میں رہتے تھے۔

آپ مستجاب الدعوات بھی تھے اس لئے لوگ خوف کھاتے تھے کہ کہیں بدعاء نہ کردیں۔

رضاء بالقضاء کی تلقین فرماتے اور کہتے اگر تم اللہ کے فیصلہ پر راضی رہو گے تو بہت ثواب ملے گا، ورنہ صبر کرو اس لئے کہ صبر ایمان کی جڑ ہے۔

(۹۰) تذکرہ ابوالحسین النووی

حضرت ابوالحسین النووی کا نام احمد بن محمد ہے۔ ابن البغوی سے مشہور ہیں بغداد کی پیدائش ہے، آپ کا شمار بھی عابد زاہد بزرگوں میں ہوتا ہے۔

ابواحمد المغازی فرماتے ہیں میں نے احمد بن محمد سے زیادہ عبادت گزار نہیں دیکھا کہنے والے نے کہا کہ حضرت جنید بغدادی سے بھی زیادہ عبادت گزار تھے ابواحمد نے کہا ہاں ان سے بھی زیادہ عبادت گزار تھے۔

افطار کے وقت احمد بن محمد صرف پانی پیتے اور پانی ہی سے افطار کرتے ایک چھوٹا سا برتن تھا جس میں پانچ رطل پانی تھا اسی کو پانچ دن تک پیتے تھے، بیس سال تک یہ حال تھا کہ گھر سے دو روٹی لے کر نکلتے اور وہ دونوں روٹی صدقہ کر دیتے اور مسجد میں جا کر نوافل میں مشغول ہو جاتے اس طرح بیس سال تک روزہ رکھا اور کسی کو اس کی خبر نہیں ہوئی۔

ایک مرتبہ غسل کے ارادہ سے کپڑے اتار کر آپ پانی میں داخل ہو گئے چور آیا آپ کا کپڑا لے کر چلا گیا آپ جب پانی سے نکلے تو کپڑا نہ پا کر پریشان ہوئے مجبوراً دوبارہ پانی میں داخل ہو گئے۔

تھوڑی دیر میں چور کپڑا لے کر واپس آیا اور جہاں سے لے گیا تھا اسی جگہ رکھ دیا اس کے بعد حضرت ابوالحسین پانی سے نکلے کپڑا پہنا۔

اس کے بعد چور نے کہا حضور میں نے آپ کا کپڑا واپس کر دیا، لہٰذا اب دعاء کر دیں کہ میرا ہاتھ واپس آجائے کپڑا چرانے کی وجہ سے اس کا ہاتھ سوکھ گیا اور کام کرنا بند کر دیا تھا، یہ حضرت کی کرامت تھی کہ چور کا ہاتھ سوکھ گیا اور اس کی وجہ سے مجبوراً اس نے کپڑا واپس کیا۔

چنانچہ حضرت ابوالحسین نے دعاء کی اور اس کی برکت سے اس کا ہاتھ واپس آ گیا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوالحسین سخت فاقہ میں مبتلا ہو گئے اس کی خبر کسی طرح حضرت جنید بغدادی کو ہو گئی انہوں نے ایک تھیلی بھیجی جس میں بہت سارے دراہم تھے حضرت ابوالحسین نے قبول نہیں کیا واپس کر دیا۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت جنید سخت بیمار ہوئے، حضرت ابوالحسین عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اپنا ہاتھ حضرت جنید کی پیشانی پر رکھا فوراً بیماری جاتی رہی اور ٹھیک ہو گئے۔

ابوالحسین کی سند سے ایک روایت بھی مروی ہے جس کی سند میں حضرت سری سقطی بھی ہیں "**عن انس عن رسول الله ﷺ من قضى لأخيه المسلم حاجة كان له من الأجر كمن خدم الله عمره**"۔

حضرت جنید بغدادی سے پہلے ۲۹۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۹۱) تذکرہ عمرو بن عثمان المکی

حضرت عمرو بن عثمان المکی آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے آپ بغداد کے رہنے والے تھے، عباد وزہاد میں آپ کا شمار ہے، چشم پوشی اور مروۃ کے حامل تھے لوگوں کی لغزشوں کو نظر انداز کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے علم کی حیثیت قائد کی ہے اور خوف کی حیثیت سائق کی ہے اور نفس ان دونوں کے درمیان آزادی کے ساتھ چکر لگاتا رہتا ہے، لہٰذا نفس کی مکاری سے ہوشیار رہو۔

فرماتے تھے رنج وغم ہے اس عہد پر جس کو پورا نہیں کیا اور اس خلوت پر جس میں حیاء کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہو، اور ان ایام پر جو گذر گئے اور ان میں کوئی عمل خیر نہیں ہوا۔

بغداد میں ۲۹۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۹۲) تذکرہ رویم بن احمد

حضرت رویم بن احمد آپ کا شمار صوفیاء میں ہوتا تھا عابد وزاہد بزرگوں میں سے تھے۔

فرمایا کرتے تھے فقر بھی ایک قابل احترام چیز ہے اور اس کا احترام اس کا

اخفاء ہے، جوشخص فقر کو ظاہر کردے وہ فقر کا اہل نہیں ہے۔

فرمایا کرتے تھے بیس سال ہوگئے دن میں کھانے کا خیال تک نہیں آیا۔

فرمایا کرتے تھے اخلاص یہ ہے کہ اپنے عمل پر نگاہ نہ ہو۔

اور جواں مروی یہ ہے کہ دوسروں کی لغزشوں کو درگذر کردو، اور کوئی کام ایسا نہ کرو کہ تم کو لوگوں سے معذرت کرنی پڑے۔

فرمایا کرتے تھے صبر یہ ہے کہ شکوہ نہ کرے اور رضاء یہ ہے کہ جو آزمائش آئے اس میں اس کو مزہ آئے اور توکل یہ ہے کہ ذرائع سے بھی نگاہ ہٹ جائے۔

بغداد میں ۳۰۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۹۳) تذکرہ حضرت ابوالعباس بن عطاء

حضرت ابوالعباس بن عطاء کا نام احمد بن محمد بن سہل بن عطاء ہے۔

آپ بھی عباد وزہاد میں سے تھے۔

چوبیس گھنٹہ میں صرف دو گھنٹہ سوتے تھے باقی پورا وقت عبادت میں لگاتے تھے۔

قرآن پاک سے بے حد تعلق تھا روزانہ ایک ختم قرآن پاک کیا کرتے تھے اور رمضان کے مہینہ میں رات دن میں تین ختم کیا کرتے تھے۔

لیکن قرآن پاک کو سمجھنا شروع کیا تو چودہ سال میں نصف قرآن تک نہیں

پہنچ پائے۔

فرمایا کرتے تھے جو اپنے کو سنت کا پابند بنا لیتا ہے اللہ پاک اس کی برکت سے اس کے دل کو نور معرفت سے آباد فرما دیتے ہیں۔

اور اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی سے بڑھ کر کسی کی پیروی نہیں ہو سکتی۔

فرمایا کرتے تھے ولی کی چار علامتیں ہیں:

۱۔ اس کے اور اللہ کے درمیان جو راز ہائے سر بستہ ہیں اس کو کسی پر ظاہر نہ کرے۔

۲۔ اپنے اعضاء و جوارح کی پوری حفاظت کرے کوئی معصیت نہ ہونے پائے۔

۳۔ اپنے اعضاء و جوارح سے کسی بندے کو اذیت و تکلیف نہ پہنچے اس پر پوری نظر رکھے۔

۴۔ اور لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق مدارات کرے سختی سے پیش نہ آئے۔

۳۰۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۹۴) تذکرہ ابوالحسن علی بن محمد

حضرت ابوالحسن علی صاحب کرامت اولیاء میں سے تھے عباد و زہاد میں آپ کا شمار ہوتا ہے تیس سال تک آپ کو مرغوب و پسندیدہ غذا میسر نہیں ہوئی۔

ایک مرتبہ آپ کے پاس معروف کرخی کے بھائی کے لڑکے ابومحمد آئے آپ ادنی جبہ پہنے ہوئے تھے۔

حضرت ابوالحسن نے ان سے فرمایا اے ابومحمد اپنے دل کو ادنی بنادیا ہے یا اپنے جسم کو اس کے بعد فرمایا سفید کپڑا پہنا کرو، اور اپنے دل کو صوفی بناؤ جسم کو نہیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے آپ سے سوال کیا اللہ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا جس طرح تم اللہ کی نافرمانی چپکے سے کرتے ہو اسی طرح اس کی اطاعت بھی چپکے سے کرو۔

ایک مرتبہ فرمایا تیس سال سے کوئی ایسا کلمہ زبان سے نہیں نکالا جس کی معذرت مجھے کرنی پڑے۔

جب مجلس وعظ کا آغاز فرماتے تو مجلس کا افتتاح اس جملہ سے فرماتے "**وإنک لتعلم ما نرید**"۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے آپ سے سوال کرلیا آپ کیا چاہتے ہیں؟

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا وہ جانتا ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں، جو میں چاہتا ہوں وہ دنیا وآخرت کے سواء ہے۔

۳۱۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۹۵) تذکرہ حضرت ابومحمد الحریری

حضرت ابومحمد الحریری آپ کا نام احمد بن محمد بن الحسین ہے بڑے اونچے

بزرگوں میں آپ کا شمار ہے۔

حضرت جنید بغدادی کے کبار تلامذہ میں سے ہیں اور طریقت کی لائن سے حضرت سہل بن عبداللہ تستری کے صحبت یافتہ ہیں۔

بے پناہ تواضع اور ادب وتأدب کے حامل تھے، بیس سال تک تخلیہ میں بھی آپ نے پاؤں دراز نہیں فرمایا، فرماتے تھے اللہ کے ساتھ حسن ادب کا تقاضا ہے کہ پاؤں دراز نہ کیا جائے۔

۲۹۲ھ میں آپ نے حرم مکی میں اعتکاف فرمایا پورے ایام اعتکاف میں نہ آپ نے کچھ کھایا نہ سوئے نہ پاؤں دراز کیا۔

حضرت ابوبکر الکنانی نے کہا اے ابومحمد اس طرح اعتکاف پر کس طرح آپ کو قدرت حاصل ہوگئی؟

آپ نے جواب دیا اللہ میرے باطن کے صدق سے واقف تھا اس نے ظاہر پر میری مدد کی۔

فرمایا کرتے تھے جو یہ خیال کرتا ہو کہ اس کے اعمال کے ذریعہ اس کی آرزو پوری ہوجائے گی وہ راستہ سے بھٹک گیا ہے، اس لئے کہ آقا ﷺ کا ارشاد ہے: "**لن ينجى أحدكم عمله**" کسی کا عمل کسی کو نجات نہیں دے گا، جب جہنم سے اعمال نجات نہیں دلا سکتے ہیں تو آرزو اور تمناؤں کے حصول میں اعمال کہاں کام آئیں گے، وہاں تو سب کچھ اس کے فضل پر موقوف ہے لہذا ہر ایک کو اپنے عمل کے بجائے اللہ کے فضل پر نظر رکھنی چاہئے۔

فرمایا کرتے تھے ہمیں تو ایک ہی کام کا حکم دیا گیا ہے ہم قلب کی نگرانی رکھیں اگر قلب ٹھیک رہا تو ظاہر میں بھی علم کے آثار نظر آئیں گے اور اگر قلب بگڑ گیا تو ستیاناس ہو جائے گا۔

فرمایا کرتے تھے جس پر اس کا نفس غالب ہو گیا اور شہوتوں میں پڑ گیا ایسا شخص خواہشات کی جیل میں قید ہو کر رہ جاتا ہے۔

پھر چاہے زبان سے اللہ کا نام کتنا ہی وہ کیوں نہ لیتا ہو اس کی حلاوت سے وہ محروم رہتا ہے۔

۳۱۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۹۶) تذکرہ بنان بن محمد الحمال

حضرت بنان بن محمد الحمال کا شمار بھی بڑے بزرگوں میں ہوتا ہے اصلاً آپ واسط کے ہیں لیکن نشو ونما آپ کی بغداد میں ہوئی اور وہیں قیام پذیر رہے لیکن بعد میں آپ مصر منتقل ہو گئے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

فرمایا کرتے تھے جو بری ہوتا ہے وہ جری ہوتا ہے بے خوف ہوتا ہے، اور جو خائن ہوتا ہے وہ خائف ہوتا ہے اور جو برائی کرتا ہے اس پر وحشت طاری ہو جاتی ہے۔

فرمایا ایک مرتبہ تبوک کے راستہ جنگل بیابان کا سفر کر رہا تھا تنہائی کی وجہ سے وحشت ہونے لگی اتنے میں غیب سے آواز آئی اے بنان عہد توڑ دیا اب وحشت کیوں

ہورہی ہے؟

کیا تمہارا حبیب تمہارے ساتھ نہیں ہے؟

آپ صاحب کشف وکرامت بھی تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا میرا ایک شخص کے ذمہ سو دینار تھا اور اس کے لئے ایک دستاویز دونوں نے مل کر لکھ کر رکھا تھا اب وقت پورا ہو گیا ہے لیکن دستاویز نہیں مل رہا ہے میں بہت پریشان ہوں، آپ دعا فرمادیں تا کہ وہ دستاویز مل جائے۔

آپ نے فرمایا میں بوڑھا آدمی ہوں حلوہ کھانے کو جی چاہ رہا ہے جاؤ حلوہ لے کر آؤ تب دعا کروں گا۔

چنانچہ وہ گیا اور حلوہ خرید کر واپس آیا آپ نے فرمایا یہ کاغذ کھولو اس نے جو کاغذ کھولا تو وہ اسی کا دستاویز تھا جس کی تلاش میں پریشان تھا۔

آپ نے فرمایا اپنا دستاویز لو اور یہ مٹھائی بھی لے جاؤ اپنے بچوں کو کھلا دینا چنانچہ وہ چلا گیا۔

فرمایا کرتے تھے جو شخص نقصان دہ چیز پا کر خوش ہوتا ہو وہ کب کامیاب ہوسکتا ہے؟

۳۱۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۹۷) تذکرہ ابوبکر محمد بن علی الکنانی

حضرت ابوبکر الکنانی بغداد کے رہنے والے تھے لیکن مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے اور

وہیں انتقال ہوا۔

عباد زہاد میں آپ کا بھی شمار ہے۔

صرف طواف کی حالت میں آپ نے بارہ ہزار قرآن پاک ختم کیا۔

ابوجعفر اصفہانی کہتے ہیں میں ابوبکر الکنانی کے ساتھ کئی سال رہا لیکن ہر دن ان کی عزت ورفعت میں اضافہ ہوتا رہا۔

فرمایا کرتے تھے اللہ تعالی نے اپنے بندوں میں سے بہت سارے بندوں پر نظر ڈالی لیکن اللہ کی مغفرت کے لائق کوئی نہیں تھا لہذا سب کو اپنی خدمت میں لگا دیا

ابوبکر الکنانی حضرت جنید بغدادی، حضرت خراز، حضرت نوری کے صحبت یافتہ تھے۔

مکہ مکرمہ میں ۳۲۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۹۸) تذکرہ حضرت ابوبکر الشبلی

حضرت ابوبکر الشبلی کے نام کے بارے میں شدید اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ آپ کا نام جعفر بن یونس ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کا نام دلف بن جعفر ہے۔ ۲۴۷ھ میں مقام سامراء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد دار الخلافہ کے عمال میں سے تھے۔ شبلیہ ایک گاؤں کا نام ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو شبلی کہا جاتا ہے۔

لیکن بغداد میں قیام پذیر ہو گئے تھے مسلک کے اعتبار سے آپ مالکی تھے،

آپ کے والد کا نام جعفر بن یونس الشبلی ہے، آپ کی نشو ونما امراء ووزراء کی اولادوں کے ساتھ ہوئی چونکہ آپ کے والد دولت عثمانیہ میں دارالخلافہ کے کارندوں میں سے تھے۔ آپ بڑے عالم، شاعر، صوفی منش لوگوں میں تھے آپ کو بڑے ہونے کے بعد دوماند کا امیر بنادیا گیا جو طبرستان کے توابع میں سے تھا۔

لیکن آپ کے دور امارت میں حکام جس انداز سے لوگوں پر ظلم کررہے تھے اور ناحق ٹیکس کی وصولی کرتے تھے وہ آپ سے برداشت نہیں ہوا۔

اور یہ طے کرلیا کہ مجھ کو ایسی تکلیف دہ صورت حال سے باہر نکل جانا ہے، چنانچہ آپ کی ملاقات ایک صالح آدمی (خیر النساج) سے ہوگئی جو آپ کے زمانہ کے مشہور واعظ تھے انہوں نے آپ کو جنید بغدادی کی طرف متوجہ کردیا۔

چنانچہ ابوبکر الشبلی کی ملاقات جنید بغدادی سے ہوگئی۔ جب ملاقات ہوئی تو حضرت جنید بغدادی نے خوش آمدید کہا اور مبارکباد پیش کیا اور بہت اکرام کیا اور دنیا سے توجہ ہٹا کر عبادات وتصوف میں آپ کو لگادیا کچھ دنوں کے بعد آپ پر جذب، شطح، غیبوبت جیسے حالات طاری ہونے لگے۔

ساٹھ ہزار دینار جو آپ کو والد کے ترکہ سے ملا تھا سب کو آپ نے تقسیم کردیا اور فقراء کی جماعت میں شامل ہوگئے۔

اور آپ پر وہ کیفیات طاری ہونے لگیں جو حلاج پر طاری ہوئی تھیں آپ فرماتے تھے لیکن میرے جنون نے مجھ کو بچالیا اور حلاج کو ان کی دانائی نے ہلاک کردیا۔

ایسی شطحیات کا ظہور ہونے لگا جس سے دوسرے لوگ آپ کو مجنون ودیوانہ سمجھ کر نظر انداز کرنے لگے۔ آپ بغداد کی گلیوں میں کھانے کی چیزیں جلانے لگے، پہننے والے کپڑے پھاڑنے لگے لوگ اس پر جب عتاب کرتے تو آپ فرماتے یہ کھانے اور کپڑے اور ملبوسات لوگوں کے معبود بنے ہوئے ہیں ان کو جلا کر اپنی براءت کا ان سے اظہار کرتا ہوں۔

حضرت جنید بغدادی کے اصرار پر ایک سال کے لئے آپ اپنے پرانے کام پر لوٹ گئے لیکن پھر دوبارہ بغداد آکر عبادت وزہد میں لگ گئے، اور دنیا ومافیہا سے بے نیاز ہوکر تعلق مع اللہ کی استوارگی میں لگ گئے، آپ کے خصوصی تلامذہ میں حسین بن محمد بن الازدی، ابوالحسین الحصری، محمد بن احمد بن حمدون الضراء، محمد بن سلیمان الصعلوکی الحنفی کا شمار ہے۔

ارشادات:

فرمایا کرتے تھے تصوف یہ ہے کہ آدمی اپنے حواس کو ضبط کرلے اور اپنی ہر سانس پر نگاہ رکھے۔

فرمایا کرتے تھے تعجب وحیرت ہے اس دل پر جس نے رب کو پہچان لیا ہو پھر بھی اس کی وہ نافرمانی کرے۔

فرمایا کرتے تھے جو مذکور سے انس پیدا کرلے وہ اس جیسا نہیں ہے جس کو صرف ذکر سے انس ہو۔

فرمایا کرتے تھے کہ زہد یہ ہے کہ زہد کو بھی بھول جائے۔

فرماتے تھے عارف ہمیشہ اللہ کی طرف چلتا رہتا ہے وہ رکتا نہیں ہے۔

رات کی تاریکی میں تہجد کے وقت فرماتے تھے کہ اے اللہ تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور میرے دل کا سرور ہے کس چیز نے مجھ کو آپ کی نگاہ رحمت سے گرادیا ہے اس کے بعد ایک چیخ مارتے اور رونا شروع کر دیتے۔

فرماتے تھے کہ اپنے نفس سے مطمئن نہ رہو اگر چہ تم پانی پر چل رہے ہو جب تک تم دھوکے کے گھر سے نکل کر آرزوؤں کی تکمیل کے گھر میں داخل نہ ہو جاؤ۔

فرماتے تھے کہ جب اپنے دل کو اللہ سے جڑا ہوا پاؤ تو اپنے نفس سے بچ کے رہو اور جب تمہارا دل نفس سے جڑ جائے تو اللہ سے ڈرتے رہو۔

فرماتے تھے کہ جس طرح نابینا شخص ہیرے وموتی کو دیکھ نہیں سکتا سوائے چھونے کے اسی طرح جاہل شخص اللہ کی حقیقت تک پہنچ نہیں سکتا سوائے زبان سے ذکر کے۔

فرماتے تھے کہ اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کر کے خوش رہنا بہتر ہے اس سے کہ اللہ کے سامنے محزون پڑا رہے۔

فرماتے تھے کہ جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوگئی اس کی ہر چیز اللہ کے سامنے جھک جاتی ہے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے اس حدیث کا مطلب آپ سے پوچھا کہ ”خیر کسب المرء عمل یمینه“ تو آپ نے فرمایا کہ جب رات کا وقت آئے

تو پانی لے کر وضو کرو نماز کی تیاری کرو جتنی اللہ توفیق دے نوافل پڑھو اور اپنے ہاتھوں کو دراز کر کے اللہ سے سوال کرو، یہی تمہارا کسب یمین ہے۔

ایک صاحب نے قرآن کریم کی یہ آیت "**قل للمومنين يغضوا من أبصارهم**" (سورہ نور: ۳۰) کا مطلب پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ سر کی آنکھوں کا غض محارم سے ہے اور دلوں کی آنکھوں کا غض ماسوا اللہ سے ہے۔

جعفر بن نصیر کہتے ہیں جو حضرت شبلی کے خادم تھے کہ وفات کے وقت آپ نے فرمایا کہ نماز کے لئے مجھ کو وضو کراؤ خادم نے وضو کرایا لیکن آپ کی داڑھی میں خلال بھول گیا آپ نے خادم کا ہاتھ پکڑ کر اپنی داڑھی میں داخل کر کے خلال کروایا اس کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔

یہ کہہ کر جعفر بن نصیر رونے لگے اور فرمایا اس آدمی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جس سے اخیر عمر میں بھی شریعت کے آداب میں سے کوئی ادب نہیں چھوٹا، ایک حدیث جس کے راوی حضرت ابوسعید خدری ہیں آپ کی سند سے مروی ہے۔

"**عن أبى سعيد الخدريؓ قال قال رسول اللهﷺ لبلالؓ ألق الله فقيراً و لا تلقه غنياً**" کہ اللہ سے فقیر بن کر ملنا غنی بن کر نہیں۔

حضرت شبلی کا انتقال ۸۷ سال کی عمر میں ۲۷ر ذی الحجہ ۳۳۴ھ میں ہوا، خیزران کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، آج اس پر ایک قبہ بنا ہوا ہے لوگ زیارت کے لئے آتے جاتے رہتے ہیں۔

(۹۹) تذکرہ حضرت ابومحمد عبداللہ النیساپوری

حضرت ابومحمد نیساپوری کو مرتعش کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے، حضرت جنید بغدادی کے صحبت یافتہ تھے، بغداد میں مسجد شونیزی میں مقیم تھے، بغداد کے عجائبات میں آپ کا شمار ہوتا تھا لوگ کہا کرتے تھے بغداد میں تین عجائبات ہیں (۱) حضرت ابوبکر الشبلی کے اشارات (۲) حضرت مرتعش کے نکات (۳) حضرت جعفر خواص کی حکایات۔

عباد و زہاد میں آپ کا بھی شمار تھا ''مرضی مولی از ہمہ اولی'' کی بنیاد پر زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جس کا خیال یہ ہو کہ اس کے افعال اس کو جہنم کی آگ سے نجات دلائیں گے یا اللہ کی خوشنودی کے درجہ تک پہنچا دیں گے وہ خطرہ میں ہیں اور جس کا اعتماد اللہ کے فضل پر ہو اللہ اس کو ضرور اپنے وصول سے نواز دیتے ہیں۔

فرماتے تھے کہ جس کو اللہ نے خواہشات نفس کے خلاف چلنے کی قدرت دے دی ہو وہ اس شخص سے بالا و برتر ہے جو فضاؤں میں اڑتا ہو اور پانی پر چلتا ہو۔

بغداد ہی میں ۳۲۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۱۰۰) تذکرہ حضرت ابوجعفر المجذوم

حضرت ابوجعفر المجذوم اتقیاء، ابریاء، ضعفاء، اقویاء، اصفیاء، اولیاء میں سے

تھے، مسکین طبیعت کے حامل تھے، بغداد کے رہنے والے تھے، حضرت ابوالعباس بن عطاء کے معاصرین میں سے تھے۔

آپ کے بارے میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے جس سے آپ کی ولایت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوالحسن الدراج کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حج کے ارادہ سے نکلا میرے ساتھ ایک جماعت چل پڑی جس کی وجہ سے مجھ کو بہت تشویش ہوئی اور تنہائی میں جو خودمختاری ہوتی ہے وہ ختم ہوگئی قافلہ کی رفاقت کی وجہ سے جہاں وہ ٹھہرتے مجھے بھی ٹھہرنا پڑتا اور جب وہ رخت سفر باندھتے تب مجھ کو بھی چلنا پڑتا۔

تنہائی کی تلاش میں، میں قادسیہ کی طرف نکل پڑا ایک مسجد میں داخل ہوا تو ایک مجذوم آدمی پر نظر پڑی جو جذام کے شدید بیماری میں مبتلا تھا اس نے مجھ کو دیکھ کر سلام کیا اور کہا کہ

اے ابوالحسن! کیا حج کا ارادہ ہے، میں نے اس کی بیماری کو دیکھتے ہوئے سوچا کہ انکار کردوں لیکن انکار سے پہلے اس نے اپنے ساتھ لے چلنے کی بات مجھ سے کہہ دی میں نے دل میں سوچا کہ میں صحیح اور تندرست لوگوں سے بھاگا تو مجذوم کے ہتھے چڑھ گیا میں نے ساتھ لے جانے سے انکار کیا میں انکار کرتا رہا وہ اصرار کرتے رہے۔

اخیر میں اس نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا کہ

اے ابو الحسن! کبھی اللہ ضعیفوں کے ساتھ ایسا کردکھاتا ہے کہ توانا اور تندرست لوگ بھی حیران ہوجاتے ہیں، یہ کہنے کے باوجود میں نے ساتھ لینے سے

انکار کر دیا، اور ان کو چھوڑ کر میں نے تنہا سفر شروع کر دیا کل ہو کر چاشت کے وقت ایک مسجد میں داخل ہوا تو وہاں وہ مجذوم پھر نکل آئے میں دیکھ کر حیران ہو گیا اس نے مجھ کو دیکھ کے سلام کیا اور وہی کل والی بات دہرائی کہ اللہ تعالیٰ کبھی کمزوروں کے ساتھ وہ کر دکھاتا ہے کہ توانا اور تندرست لوگ حیران رہ جاتے ہیں، لیکن مجھ کو شبہ ہوا کہ وہی ہیں یا کوئی اور یہاں تک کہ قرعہ نامی جگہ پر کل ہو کر پہنچا اور کل ہو کر ایک مسجد میں گیا تو وہاں بھی اس مسجد میں وہ مجذوم بیٹھے ہوئے ملے اور پھر وہی جملہ کہا، اللہ تعالیٰ کبھی کمزوروں کے ساتھ وہ کر دکھاتا ہے کہ توانا اور تندرست لوگ بھی دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔

حضرت ابوالحسن کہتے ہیں کہ میں نے ان کے سامنے پہنچ کر سر جھکا کر معذرت کی اور کہا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی انہوں نے کہا کونسی غلطی؟ کہا آپ کو ساتھ نہ لینے کی انہوں نے کہا کہ تم نے تو قسم کھالیا تھا لیکن اب تو تم نے اللہ کی قدرت دیکھ لی کہ اللہ نے مجھ جیسے ناتواں اور کمزور کو ہر منزل پر تمہارے جیسے توانا و تندرست سے پہلے کیسے پہنچا دیا۔

ابوالحسن کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری بھوک پیاس اور سفر کا تکان سب ختم ہو گئی یہاں تک کہ میں مدینہ طیبہ پہنچ گیا اس کے بعد وہ مجھ سے غائب ہو گئے پھر کہیں نظر نہیں آئے۔

جب میں مکہ پہنچا اور حضرت ابوبکر الکنانی اور ابوالحسین المزین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا تذکرہ ان سے کیا تو انہوں نے کہا کہ اے بے وقوف! وہ تو

ابوجعفر المجذ وم تھے اور ہم ایک زمانہ سے ان کی ملاقات وزیارت کو ترس رہے ہیں، اللہ سے دعائیں کررہے ہیں اب جب مل جائیں تو کسی بہانے ان کو اپنے ساتھ کرلینا تاکہ ہماری دیرینہ خواہش کی تکمیل ہوسکے، میں نے ان حضرات سے وعدہ کرلیا اس کے بعد ہم منیٰ، اور عرفہ کے لئے روانہ ہوگئے، لیکن ان سے کہیں ملاقات نہیں ہوئی جب جمرات کا دن آیا اور میں نے جمرہ عقبہ کی رمی کی تو اس کے بعد ایک صاحب نے میرا نام لے کر مجھ کو سلام کیا جب میں نے ان کو دیکھا تو دیکھنے کے بعد مجھ پر ایسا رعب طاری ہوا کہ مجھ پر غشی طاری ہوگئی اور وہ صاحب غائب ہوگئے، اس کے بعد میں مسجد خیف میں پہنچا تو میں نے ان بزرگوں کو اس کی اطلاع دی۔

رخصتی کے دن میں مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز سے فارغ ہوکر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ایک آدمی نے مجھ کو پیچھے سے کھینچا اور میرا نام لے کر قسم دے کر یہ کہا کہ صبح میرے ساتھ چلنا میں نے ان سے اپنے لئے دعا کی درخواست کی انہوں نے کہا کہ کونسی دعاء چاہتے ہو میں نے کہا میں نے اللہ سے تین دعائیں کی ہیں میری دعاء پر آپ آمین کہہ دیجئے اس کے بعد وہ مجھ سے غائب ہوگئے، پھر میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا، جن تین دعاؤں پر میں نے آمین کہنے کی درخواست کی تھی وہ یہ ہیں:

(۱) اے اللہ فقر کو میرے نزدیک اتنا پسندیدہ بنادے کہ اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہ ہو۔

(۲) اے اللہ میں کوئی رات ایسی نہ گزاروں کہ کل کے لئے میرے پاس کوئی توشہ ہو۔

(۳) اے اللہ جب آپ اپنے دوستوں کو اپنا دیدار فرمائیں گے ان میں مجھ کو بھی شامل فرما۔

(۱۰۱) تذکرہ حضرت ابواحمد ابدال چشتی

حضرت ابواحمد ابدال چشتی ۲۶۰ھ قصبہ چشت میں پیدا ہوئے، ۷ سال کی عمر سے آپ نے شیخ ابواسحاق چشتی کی خدمت میں حاضری شروع کردی تھی، ۱۶ سال کی عمر میں علوم ظاہرہ سے فارغ ہوکر شیخ ابواسحاق چشتی کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے تھے، ۸ سال کے سخت مجاہدہ کے بعد اپنے شیخ سے آپ نے اجازت وخلافت حاصل کی، ۳۰/ برس تک آپ بستر پر نہیں سوئے۔

اونچے عباد وزہاد میں آپ کا شمار ہوتا تھا، آپ کسی کا نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے، اچھے لباس اور اچھے کھانے سے بھی پرہیز کرتے تھے۔

دن میں روزانہ ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے اور رات میں دو قرآن پاک ختم کرنے کا معمول تھا، آپ خود بھی صاحب کرامت تھے اور آپ جس شخص پر نظر ڈالتے تھے وہ صاحب کرامت ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ سفر میں جا رہے تھے آپ کا گذر ایسی جگہ سے ہوا جہاں صرف کافروں کی آبادی تھی اور اس کے گرد و پیش میں کوئی مسلمان نہیں تھا، اور کفار اتنے بدمعاش تھے کہ جب کبھی کوئی مسلمان اس علاقہ سے گذرتا تو اس کی پٹائی کر کے آگ

میں جلا دیا کرتے تھے۔

جب شیخ ابواحمد ابدال چشتی کا گذر اس علاقہ سے ہوا تو ان خبیثوں نے آپ کے ساتھ بھی یہی حرکت کی لیکن آپ کے رعب کی وجہ سے آگ میں ڈالنے کی ہمت نہیں ہوئی شیخ نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں لیکن ان کی ہمت نہیں ہورہی ہے، تو آپ نے اپنا مصلی نکالا اور آگ پر بچھا کر خود مصلی پر جا کر بیٹھ گئے، حضرت کے مصلی پر پہنچتے ہی فوراً آگ اسی طرح ٹھنڈی ہوگئی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کیلئے ٹھنڈی ہوئی تھی، یہ ماجرا دیکھ کر وہاں موجود سارے کفار ومشرکین حیران وپریشان ہوگئے اور اس کرامت کی ایسی ہیبت اور عظمت ان کے دل ودماغ پر بیٹھی کہ سیکڑوں نے اسی وقت اسلام قبول کرلیا۔

۳۵۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا، اور قصبہ چشت میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

(۱۰۲) تذکرہ حضرت ابومحمد بن ابی احمد

حضرت ابومحمد بن ابی احمد کی پیدائش ۳۳۱ھ میں ہوئی، آپ کے والد ابواحمد ابدال چشتی ہیں، آپ کا شمار بھی بڑے اولیاء میں ہوتا ہے، بڑے عابد وزاہد تھے، آپ کو مادر زاد ولی کہا جاتا ہے، چونکہ جس وقت آپ اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے اس وقت بھی والدہ کے پیٹ سے ذکر اللہ کی آواز آتی تھی جس کو سننے والے سنتے تھے۔

پیدا ہونے کے بعد فوراً سات مرتبہ آپ نے کلمہ پڑھا، اور دودھ پینے کے

زمانہ میں بھی آپ ذکر میں مشغول رہتے تھے۔

اور پانچوں نمازوں کے وقت نگاہ آسمان کی طرف اٹھا کر کلمہ پڑھتے تھے جس کا تذکرہ دور دراز تک ہو گیا تھا بہت سے لوگ آپ کو دیکھنے کے لئے آتے تھے اور جو بھی آپ کو دیکھنے آتا اگر وہ کافر ہوتا تو آپ کی یہ عجیب وغریب حالت دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہو جاتا سات سال کی عمر میں اپنے والد شیخ ابو احمد ابدال چشتی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور بارہ سال کی عمر تک ایک حجرہ میں تنہا رہ کر مجاہدہ کرتے رہے۔

آپ کا معمول تھا کہ روزانہ روزہ رکھتے تھے اور کسی معمولی سی چیز پر افطار کرتے تھے۔

ان مجاہدات سے گذر کر اپنے والد محترم شیخ ابو احمد ابدال چشتی کے سچے جانشیں بن گئے، اور ایک دن وہ آیا کہ والد محترم نے آپ کی صلاحیتوں کو قبول کرتے ہوئے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، پھر آپ نے اپنے والد کی جانشینی کا حق ادا کیا۔

آپ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے اپنی گدڑی میں پیوند لگا رہے تھے اتنے میں بادشاہ وقت کا گذر وہاں سے ہوا بادشاہ نے آپ کو دیکھ کر دینار کی ایک تھیلی ہدیہ میں پیش کی لیکن شیخ ابو محمد نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہمارے بڑوں کا یہ طریقہ نہیں ہے وہ بادشاہ وامراء کے ہدایا وتحائف قبول نہیں کرتے۔

جب بادشاہ نے بہت اصرار کیا تو شیخ ابو محمد نے اپنا رخ دریا کی طرف کر لیا دریا کی طرف رخ کرتے ہی فوراً سینکڑوں مچھلیاں منہ میں دینار لئے ہوئے کنارے

پر آ گئیں جس کو بادشاہ نے بھی دیکھا۔

شیخ ابومحمد نے فرمایا کہ جس کے پاس اتنا خزانہ ہو وہ تمہاری تھیلی لے کر کیا کرے گا۔

اسی (۸۰) سال کی عمر میں ۴۱۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا، اور قصبہ چشت میں ہی آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

(۱۰۳) تذکرہ ابو یوسف بن سمعان چشتی

حضرت ابو یوسف بن سمعان چشتی کا شمار بھی بڑے اولیاء میں ہوتا ہے آپ اپنے ماموں شیخ ابومحمد بن ابی احمد سے بیعت ہوئے اور انہی سے اجازت وخلافت بھی پائی آپ بھی بہت بڑے عابد وزاہد تھے مجاہدات میں آپ اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

مکان میں ایک چلہ خانہ بنا رکھا تھا اس میں بارہ (۱۲) سال تک آپ نے چلہ کشی کی۔

آپ حافظ قرآن نہیں تھے جس کی وجہ سے آپ کو قلق اور رنج بہت رہتا تھا، ایک مرتبہ اپنے شیخ کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ سو مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ لو اس قلق اور رنج سے خلاصی مل جائے گی۔

چنانچہ آپ نے حسب حکم سو (۱۰۰) مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھا تو اس کی برکت

سے کرامتی طور پر آپ حافظ قرآن ہو گئے اس کے بعد آپ کا معمول یہ بن گیا کہ روزانہ پانچ قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ عبادت میں کچھ سستی ہونے لگی تو اس کی سزا آپ نے اپنے آپ کو یہ دیا کہ بیس برس تک آپ نے پانی نہیں پیا۔

آپ صاحب کشف و کرامت بھی تھے جو شخص تین دن آپ کی خدمت میں رہ جاتا وہ صاحب کرامت ہو جاتا تھا۔

یوں تو آپ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں یہاں صرف دو کرامتوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

(۱) شیخ ابو یوسف بن سمعان گرمی کے موسم میں اپنے رفقاء کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے گرمی کی شدت کی وجہ سے ساتھیوں کو پیاس لگی لیکن پانی کسی کے پاس نہیں تھا شیخ ابو یوسف کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اپنے عصا کو ایک پتھر پر مارا جس سے فوراً چشمہ ابلنے لگا جس سے شیخ ابو یوسف نے نوش فرمایا اس کے بعد تمام ساتھیوں نے سیراب ہو کر پانی پیا۔

(۲) اسی طرح ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک زیر تعمیر مسجد کے پاس سے گذر ہوا آپ نے دیکھا کہ وہاں موجود لوگ پریشان ہیں اس لئے کہ مسجد کی چھت کے لئے جو لکڑی لی گئی تھی وہ چھوٹی پڑ گئی اس کو بڑی کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی شیخ ابو یوسف نے جب یہ ماجرا دیکھا تو آپ ٹھہر گئے اور سواری سے اتر کر مسجد کی چھت پر تشریف لے گئے اور اس لکڑی کو ایک کونے سے آپ نے خود اٹھایا اس کی

برکت سے وہ لکڑی ایک گز بڑھ گئی اور چھت پر رکھنے کے لائق ہوگئی آپ کی اس کرامت کو لوگ دیکھ کر حیران ہوگئے اس کے بعد آپ سواری پر بیٹھ کر سفر کے لئے روانہ ہوگئے۔

چوراسی (۸۴) سال کی عمر میں ۴۵۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا، اور قصبہ چشت میں آپ کی تدفین ہوئی۔

(۱۰۴) تذکرہ حضرت شیخ مودود چشتی

حضرت خواجہ مودود چشتی قصبہ چشت کے رہنے والے تھے قطب الاقطاب آپ کا لقب تھا شمع صوفیاں کے خطاب سے آپ نوازے گئے تھے آپ کے والد کا نام شیخ ابو یوسف بن سمعان تھا۔

سات سال کی عمر میں آپ حافظ قرآن ہو چکے تھے اور سولہ سال کی عمر میں علوم ظاہرہ کی تحصیل سے آپ فارغ ہو چکے تھے آپ اپنے والد محترم شیخ ابو یوسف بن سمعان کے سچے جانشیں تھے آپ نے والد کی نیابت کا پورا پورا حق ادا کیا۔

آپ کا شمار بھی صاحب کشف وکرامت بڑے اولیاء میں ہوتا ہے لیکن کمال تواضع ومسکنت کی وجہ سے ہر شخص کو خود سلام کرتے تھے اور ہر شخص کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوجایا کرتے تھے لباس میں بہت سادگی تھی فقراء سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے۔

آپ کو کشف قلوب اور کشف قبور کی بھی دولت حاصل تھی اسی کے ساتھ آپ

کوطی الارض بھی حاصل تھا۔

چنانچہ جب آپ کو طواف کا دل چاہتا تو ہوا کے ذریعہ چند منٹ میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتے تھے۔

آپ کے خلفاء کی تعداد دس ہزار تھی اور مریدین کی تو کوئی انتہا ہی نہیں تھی۔

ستانوے (۹۷) سال کی عمر میں ۵۲۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ کی تدفین قصبہ چشت میں ہوئی، آپ کی نماز جنازہ سب سے پہلے رجال غیب نے پڑھی، اس کے بعد حاضرین نے نماز جنازہ ادا کی۔

نماز جنازہ کے بعد جنازہ خود بخود اڑنے لگا جس کو دیکھ کر لوگ حیران ہو گئے اور بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

(۱۰۵) تذکرہ شیخ شریف زندنی

حضرت شیخ شریف زندنی کا شمار بھی اولیاء کاملین میں ہوتا ہے جنہوں نے پوری زندگی زہد کے ساتھ عبادت میں گزار دی، چالیس سال تک آپ نے جنگل میں قیام فرمایا اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہے درخت کے پتوں پر گذر بسر فرماتے رہے فقر وفاقہ آپ کو زیادہ پسند تھا تین دن میں افطاری کرتے تھے اس میں بھی بے نمک کی سبزی پر قناعت فرماتے تھے اکثر پرانا کپڑا پہنتے تھے ہر طرح کی زیب وزینت

سے بہت دور رہتے تھے۔

ہدایا اور تحائف سے بھی اپنے کو بہت دور رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب کچھ نذرانہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے قبول کرنے سے معذرت کرلی اور یہ فرمایا کہ یہ پورا جنگل اس سے بھرا پڑا ہے میں اسے لے کر کیا کروں گا اس شخص نے حضرت کے اشارہ کی طرف دیکھا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سونے کی نہر بہہ رہی تھی۔

حضرت شیخ شریف زندنی کی ایک کرامت یہ بھی تھی کہ آپ کا جوٹھا جو کھالیتا تھا وہ مجذوب ہوجاتا تھا آپ پر اکثر گریہ کا غلبہ رہا کرتا تھا نعرہ مار کر روتے اور بے ہوش ہوجایا کرتے تھے ایک مرتبہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ آپ اتنا کیوں روتے ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ جب اللہ کے اس ارشاد کا خیال آتا ہے: "**وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون**" تو میں اپنے اوپر قابو نہیں رکھ پاتا اور گریہ طاری ہوجاتا ہے کہ اللہ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا اور میں زید، عمر، بکر میں مشغول رہتا ہوں۔

ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر میں ۵۸۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ کو اجازت وخلافت شیخ مودود چشتی سے حاصل تھی جس سے اللہ کی ایک بڑی مخلوق فیضیاب ہوئی۔

(۱۰۶) تذکرہ شیخ عثمان ہارونی

حضرت شیخ عثمان ہارونی مقام ہارون میں پیدا ہوئے جو نیساپور کے نواح میں واقع ہے، آپ کو شریعت اور طریقت دونوں میں کمال حاصل تھا کبار اولیاء وصلحاء واتقیاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، زہد وعبادت، ریاضت ومجاہدہ میں آپ بے نظیر و بے مثال تھے، ستر (۷۰) سال تک آپ نے مجاہدہ فرمایا اس دوران کبھی پیٹ بھر کر آپ نے کھانا نوش نہیں فرمایا سات دن کے بعد منھ بھر کے پانی پیتے تھے۔

قرآن پاک کے آپ حافظ بھی تھے روزانہ ایک قرآن پاک ختم فرمایا کرتے تھے۔

اس طویل مجاہدہ کے بعد اللہ نے کشف وکرامت کی دولت سے آپ کو مالامال فرمادیا تھا۔

ایک مرتبہ ایک کمسن بچہ کو گود میں لے کر آگ میں داخل ہوگئے اور دو گھنٹہ جلی ہوئی آگ میں ٹھہرے رہے لیکن اس آگ کا کوئی اثر نہ آپ پر ہوا نہ بچے پر۔

ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے کہ بیچ میں دریا پڑا جہاں کوئی کشتی نہیں تھی آپ نے خادم سے فرمایا کہ آنکھیں بند کرلو تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا کھول دو جب خادم نے آنکھیں کھولیں تو دریا کے پار کھڑے تھے۔

ایک مرتبہ ایک پیر بھائی کی تدفین میں شریک ہوئے دفن کے بعد سب لوگ روانہ ہوگئے آپ کچھ دیر وہاں ٹھہرے رہے تھوڑی دیر میں آپ پر منکشف ہوا کہ

صاحب قبر کے پاس عذاب کے فرشتے آ گئے ہیں، شیخ نے فرشتوں کو مخاطب کر کے کہا یہ مجھ سے تعلق رکھنے والوں میں سے ہیں اس کے بعد وہ فرشتے واپس ہو گئے اور عذاب رفع ہو گیا۔

آپ کو وہ کمال حاصل تھا کہ اپنی توجہ سے چوبیس گھنٹہ میں واصل الی اللہ کر دیا کرتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے جس میں تین خصلتیں ہوں وہی اپنے آپ کو اللہ کا دوست سمجھے۔

(۱) سخاوت دریا جیسی۔

(۲) شفقت آفتاب جیسی۔

(۳) انکساری زمین جیسی۔

آپ کو اجازت وخلافت شیخ شریف زندنی سے حاصل تھی۔

آپ کا انتقال ۶۱۷ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا اور وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

(۱۰۷) تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے والد کا نام غیاث الدین تھا، آپ کی پیدائش قصبہ سنجر میں ہوئی آپ کی عمر ابھی پندرہ سال کی تھی کہ والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا والد صاحب کی جدائی کا آپ کو بہت صدمہ ہوا اس وقت آپ کی والدہ بی بی نور

نے آپ کو حوصلہ دیا اور سمجھایا کہ بیٹا! زندگی کے سفر میں ہر مسافر کو تنہا ہی یہ سفر طے کرنا ہوتا ہے، ابھی سے اگر تم ماتم کناں ہو کر بیٹھ گئے تو زندگی کے دشوار گذار راستے کیسے طے کرو گے، تمہارے والد محترم کا تمہارے بارے میں ایک ہی خواب تھا کہ تم علم وفضل میں کمال حاصل کرو لہٰذا تمہیں والد صاحب کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دینا چاہئے۔

والدہ کی تسلی بھرے ان کلمات سے خواجہ معین الدین چشتی کی طبیعت قدرے سنبھلی اور تحصیل علم میں آپ لگ گئے لیکن ایک سال کا عرصہ نہیں گذرا کہ والدہ نے بھی داغ مفارقت دے دیا۔

والد محترم کے انتقال پر ترکہ میں ایک باغ اور ایک آٹا پیسنے والی چکی آپ کو ملی تھی، والدہ کے انتقال سے آپ اتنا ٹوٹے کہ آپ کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا اگرچہ اس کا آپ کو بہت افسوس رہا لیکن آپ کو تسلی دے کر کوئی کھڑا کرنے والا نہیں تھا اس کے بعد آپنے باغبانی کا پیشہ اختیار کر لیا۔

ایک دن آپ اپنے موروثی باغ میں درختوں کو پانی دے رہے تھے کہ ادھر سے ایک مشہور بزرگ ابراہیم کا گزر ہوا آپ نے جب ان کو دیکھا تو بہت عقیدت سے ملاقات کی اور ہاتھوں کو بوسہ دیا وہ اللہ کے ولی نوجوان کی اس خوش عقیدت سے بہت متاثر ہوئے اور شفقت ومحبت سے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور چند دعائیہ کلمات کہہ کر آگے جانے لگے۔

آپ نے حضرت ابراہیم کو روکا اور کچھ دیر قیام کی درخواست کی آپ کی

درخواست پر حضرت ابراہیم باغ میں بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد دو طباق انگوروں سے بھرے ہوئے حضرت ابراہیم کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت ابراہیم نے اپنی جیب سے روٹی کا ایک خشک ٹکڑا نکالا اور خواجہ معین الدین چشتی کی طرف بڑھاتے ہوئے یہ فرمایا، وہ تیری مہمان نوازی تھی یہ حقیر کی دعوت ہے، اس ٹکڑے کا حلق سے نیچے اترنا تھا کہ خواجہ معین الدین چشتی کی دنیا بدل گئی اور آپ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے کائنات کی ہر چیز بے معنی ہے، اس کے بعد مرشد کامل کی جستجو میں آپ لگ گئے، چنانچہ آپ نے موروثی باغ کو فروخت کر کے فقراء میں تقسیم کر دیا اور سمرقند پہنچ گئے، وہاں پہنچ کر آپ نے حفظ قرآن مکمل کیا، اور علم ظاہر سے فراغت حاصل کی اس کے بعد آپ عراق تشریف لے گئے اور قصبہ ہارون پہنچ کر خواجہ عثمان ہارونی سے بیعت ہوئے اور ایک ہی دن میں آپ کی تکمیل ہوگئی اور خواجہ عثمان ہارونی کی توجہ سے آپ کو باطنی سارے علوم حاصل ہوگئے، لیکن امتثال امر میں آپ اپنے شیخ کی خدمت میں بیس سال رہے، آپ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں پوری رات جاگ کر گزارتے کہ کہیں حضرت کو کوئی ضرورت نہ پڑ جائے۔

چنانچہ خواجہ معین الدین چشتی فرمایا کرتے تھے بیس سال تک میں نے اپنے شیخ کی خدمت اس انداز سے کی کہ نفس کو مہلت نہیں لینے دی نہ رات کی خبر ہوتی تھی نہ دن کی میرے شیخ نے جب میری خدمت کی طرف توجہ فرمائی تو مجھ کو بے انتہا نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور یہ فرمایا کہ جو کچھ ملتا ہے خدمت سے ملتا ہے۔

خواجہ عثمان ہارونی نے ہندوستان کی ولایت پر مامور فرمایا اور اس کے بعد خود

سفر حج کے لئے روانہ ہو گئے اور ہندوستان کی ولایت کا امر آپ نے حضور پاک ﷺ کی ایماء پر فرمایا۔

چنانچہ آپ نے حکم کے مطابق ہندوستان کا سفر شروع کیا اور دوران سفر بہت سے اولیاء ومشائخ سے فیضیاب ہوتے ہوئے ہندوستان کے مقام اجمیر پہنچے۔

دوران سفر آپ کی ملاقات شیخ نجم الدین کبری سے ہوئی جہاں آپ نے ڈھائی ماہ قیام فرمایا اس کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں حاضر ہوئے کچھ عرصہ یہاں بھی قیام فرمایا۔

پھر آپ بغداد سے تبریز تشریف لے گئے خواجہ ابوسعید تبریزی کے یہاں آپ نے چند دن قیام فرمایا، اس کے بعد آپ اصفہان تشریف لے گئے، وہاں شیخ محمود اصفہانی سے فیض یاب ہوئے اس کے بعد آپ خرقان تشریف لائے وہاں آپ نے دو سال قیام فرمایا، پھر ایران کے شہر استر آباد تشریف لائے اور شیخ ناصر الدین سے فیض حاصل کیا پھر ہرات تشریف لائے خواجہ عبداللہ انصاری کے مزار پر آپ کا قیام رہا اس کے بعد آپ سبزوار تشریف لے گئے بالآخر آپ کے سفر کی انتہا اجمیر پر ہوئی۔

آپ ہندوستان کے امام طریقت کہلاتے ہیں آپ ہی سے ہندوستان میں علم طریقت کا آغاز ہوا، اور سلسلہ چشتیہ ہندوستان میں آپ ہی کے ذریعہ پھیلا اور ہندوستان کے نوے لاکھ آدمی آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔

آپ کے باطنی کمال کا یہ عالم تھا کہ آپ جس پر نظر ڈال دیتے تھے وہ صاحب معرفت ہو جاتا تھا۔

یہ دولت حاصل کرنے کے لئے آپ کو بہت زیادہ مجاہدات سے گذرنا پڑا۔
آپ ستر سال تک رات کو نہیں سوئے۔
آپ فرمایا کرتے تھے کہ اہل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے اور شقاوت کی علامت یہ ہے کہ آدمی مبتلا معصیت ہو پھر بھی اپنے آپ کو مقبول سمجھے اور معرفت حق کی علامت یہ ہے کہ خلق سے دوری اختیار کرے۔
۹۶ چھیانوے سال کی عمر میں ۶۳۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا آپ کا مزار اجمیر شریف میں ہے۔

(۱۰۸) تذکرہ شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ

حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی کا اکابر اولیاء اور مستجاب الدعوات بزرگوں میں شمار ہوتا ہے، آپ قصبہ اوش جو ماوراء النہر کا ایک قصبہ ہے ۵۸۲ھ میں پیدا ہوئے، علوم ظاہرہ کی ابتداء خواجہ ابوحفص اوشی سے کی، کچھ دنوں کے بعد آپ قاضی حمیدالدین ناگوری کے پاس پہونچے اور آپ نے قرآن مجید مکمل کیا، بلوغ کے قریب علم باطن کی تحصیل کا شوق ہوا، اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے آپ بیعت ہوئے اور سترہ سال کی عمر میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، آپ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے سب سے پہلے خلیفہ ہیں، اپنے شیخ کے حکم پر دہلی میں قیام فرمایا۔ ایک سو رکعت نوافل پڑھنے کا روزانہ کا آپ کا معمول تھا، اس کے علاوہ ہر شب میں تین

ہزار مرتبہ درود پاک بھی پڑھا کرتے تھے۔ اخیر عمر میں آپ پر استغراق کا غلبہ رہنے لگا تھا جس کی وجہ سے خدمت میں آنے جانے والوں کا علم بھی بہت دیر میں آپ کو ہوتا تھا، آپ کا انتقال ۷۴ سال کی عمر میں ۶۳۴ ھ میں ہوا اور مہرولی جو دہلی کے نواح میں آج داخل ہے وہاں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

آپ کے انتقال کے بعد سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو غسل دیا جو اس وقت دہلی کے سلطان تھے اس کے بعد خواجہ ابوسعید تبریزی جو حضرت کے خلیفہ تھے انھوں نے حضرت کی یہ وصیت سنائی کہ میری نماز جنازہ وہ پڑھائے (۱) جس نے کبھی حرام کام کے لئے کمر بند نہ کھولا ہو۔

(۲) عصر سے پہلے کی سنت کبھی فوت نہ ہوئی ہو۔

(۳) تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہ ہوئی ہو۔

یہ اعلان سن کر پورے مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا، اور کسی کی ہمت آگے بڑھ کر نماز جنازہ پڑھانے کی نہیں ہوئی بالآخر بہت دیر کے بعد سلطان شمس الدین التمش یہ فرماتے ہوئے آگے بڑھے کہ میرا دل چاہتا تھا کہ میرے حال کا علم کسی کو نہ ہو لیکن جب میرے شیخ نے ہی راز فاش کر دیا تو مجبوراً مجھے یہ کہنا پڑا کہ اللہ نے مجھ کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا ہے، اس کے بعد آگے بڑھے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی نماز جنازہ سلطان شمس الدین التمش نے پڑھائی، اپنے وقت کا ایک بادشاہ کبھی کسی زمانہ میں ان صفات کا حامل ہوا کرتا تھا کہ آج کے علماء اور بعض مشائخ بھی اس مقام تک پہونچنے کے لئے ترستے ہیں اور جن کی زندگیاں ان صفات و کمالات سے خالی ہیں، فالی اللہ المشتکی۔

(۱۰۹) تذکرہ شیخ فرید الدین شکر گنج

حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج کا شمار بھی اکابر اولیاء میں ہوتا ہے۔ آپ سلسلۂ چشتیہ میں ۲۲ نمبر پر آتے ہیں۔ ۵۸۵ھ میں ملتان کے مضافات میں آپ پیدا ہوئے، ملتان اور کابل میں آپ نے علوم ظاہرہ کی تکمیل کی، چھ سال کی عمر سے آپ مستجاب الدعوات تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی والدہ نماز میں مصروف تھیں، موقعہ غنیمت جان کر ایک چور گھر میں گھس گیا جیسے ہی اس کی نگاہ آپ کی والدہ پہ پڑی وہ اندھا ہوگیا، اس کے بعد چیخنے چلانے لگا اور زور زور سے کہنے لگا کہ میں چوری کی نیت سے آیا تھا لیکن توبہ کرتا ہوں آئندہ چوری نہیں کروں گا۔

اس کے بعد شیخ فرید الدین شکر گنج نے اس کے لئے دعاء کی جس کی برکت سے اس کی بینائی واپس آ گئی، جبکہ اس وقت آپ کی عمر ۶ سال کی تھی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ ایک شمع ہے جو درویشوں کے گھر کو منور کرے گا۔ اور اپنے وقت کا غوث وقطب بنے گا۔

ایک مرتبہ آپ کے پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو مخاطب کر کے خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا: قطب الدین بڑے شہباز کو تم نے قید کرلیا ہے اس کی حفاظت کرنا۔

ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے یہاں ان کے پیر ومرشد حضرت

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری تشریف لائے۔ دونوں حضرات کی چارپائی ایک ہی حجرہ میں تھی۔ خواجہ فریدالدین رات میں حسب معمول اپنے شیخ خواجہ قطب الدین کا پاؤں دبانے لگے، خواجہ قطب الدین نے اپنے شیخ خواجہ معین الدین کی طرف اشارہ کیا کہ حضرت کے پاؤں دبادو۔ اپنے پیرومرشد کے حکم پر چند منٹ خواجہ معین الدین چشتی کا پاؤں دبا کر اپنے پیر خواجہ قطب الدین کے پاس واپس آ گئے اور فرمانے لگے دل تو یہاں دے دیا ہے اب کہاں جاؤں۔

اس پر خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا میاں قطب الدین اس کو تو کچھ دے ہی دو۔ چنانچہ خواجہ قطب الدین بختیار کا کی کے جب وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے بابا فریدالدین کو بلا کر خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنی نیابت کی وصیت فرمائی۔

حضرت خواجہ فریدالدین فرمایا کرتے تھے جب آدمی گدڑی پہن لے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس نے کفن پہن لیا ہے۔ یعنی اب دنیا و مافیہا سے بالکل بے تعلق ہوجانا چاہئے۔

٦٦۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد ستر ہزار ہے۔ ماشاء اللہ، اللہ نے آپ سے طریقت کا خوب کام لیا۔

(۱۱۰) تذکرہ خواجہ علاء الدین صابر کلیری

حضرت خواجہ علاء الدین صابر کلیری کی پیدائش ملتان کے کوتوال میں ہوئی۔

آپ کا شمار بھی اکابر اولیاء میں ہوتا ہے، آپ سلسلۂ چشتیہ کے اہم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔آپنے ایک زمانہ تک روزہ رکھا اور مختلف قسم کے مجاہدات سے گزر کر مقام رفیع تک پہونچے۔

اپنے شیخ باب فریدالدین شکر گنج کے لنگر خانہ کے بارہ سال تک آپ ناظم رہے لیکن کبھی آپ نے ایک دانہ بھی نوش نہیں فرمایا۔ ہمیشہ روزہ رکھتے رہے۔ جب شیخ کو اس کی اطلاع ہوئی، آپ نے دریافت کیا کہ ایسا کیوں کیا؟ خواجہ علاء الدین نے فرمایا کہ حضرت کی صراحتاً اجازت کے بغیر میں اس سے کیسے استعمال کرتا۔ یہ جواب سن کر آپ کے شیخ نے آپ کو صابر کے لقب سے ملقب فرمایا۔

ایک مرتبہ شیخ فریدالدین شکر گنج کے ایک خادم نے آپ کے خلفاء سے ملاقات وزیارت کی اجازت مانگی، آپنے اجازت مرحمت فرمادیا۔سب سے پہلے وہ خادم خواجہ علاء الدین کے پاس آیا، آپ کے خادم شیخ شمس الدین ترک نے خادم کی آمد کی اطلاع حضرت کو دینی چاہی، لیکن غلبۂ استغراق کی وجہ سے بہت مشکل سے اطلاع دے سکے اور بتلایا کہ حضرت پیرومرشد کا خادم آیا ہے اور حضرت کا سلام لایا ہے۔

آپ نے سلام کا جواب دیا اور خادم سے فرمایا کہ ان کی عزت کرنا اور آج گولر میں نمک ڈال دینا۔اس کے بعد حضرت پر پھر استغراق طاری ہوگیا۔ وہاں سے فارغ ہوکر خادم حضرت کے دوسرے خلیفہ کے پاس گیا۔ وہاں خادم کی بہت عزت وخاطر ہوئی اور رنگ برنگ کے کھانے پیش کئے گئے اور واپسی پر ہدیہ وتحائف سے نوازے گئے۔

خادم جب واپس آیا تو شیخ فرید الدین نے اپنے دونوں خلفاء کا حال دریافت فرمایا۔ خادم نے دوسرے خلیفہ کی بہت تعریف کی اور خواجہ علاء الدین کے بارے میں کہا وہ تو کسی سے بات بھی نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے یہاں کھانے پینے کا کوئی نظم ہے۔

آپ نے فرمایا کچھ تو کہا ہوگا؟ خادم نے کہا صرف یہ پوچھا کہ میرے شیخ کیسے ہیں؟

آپنے آبدیدہ ہوکر فرمایا آج وہ اس مقام پر ہے کہ وہاں کسی کا گزر نہیں۔ یہ بھی ان کی محبت ہے کہ اس حال میں بھی مجھ کو یاد کیا۔

۶۹۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ کلیر شریف میں آپ کا مزار ہے۔

(۱۱۱) تذکرہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی

حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی ترکستان کے رہنے والے ہیں، علوم ظاہرہ کی تکمیل کے بعد باطنی علوم کی تحصیل کی طلب میں ہندوستان تشریف لائے اور حضرت خواجہ علاء الدین صابر کلیری سے بیعت ہوئے اور ایک عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہے۔

آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپنے ایک مرتبہ ایک سلطان کے لشکر میں ملازمت کی، لیکن وہاں بھی اپنے معمولات اور نماز و وظائف کے پابند رہے، سخت

سردی کے موسم میں وضوء کے لئے گرم پانی کا کوئی نظم نہیں تھا، ٹھنڈے پانی سے ایک تالاب میں آپ وضوء کیا کرتے تھے، لیکن بطور کرامت کے اللہ نے آپ کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا کہ جس جگہ آپ بیٹھ کر تالاب کے پانی سے وضوء کیا کرتے تھے اس جگہ تالاب کا پانی گرم ہوجایا کرتا تھا، اس کی خبر کسی طرح بادشاہ کے اس خادم کو ہوگئی جس کے ذمہ بادشاہ کے لئے پانی کا نظم وانتظام تھا اور کسی طرح یہ خبر بادشاہ تک پہونچ گئی جس کی وجہ سے بادشاہ آپ کا عقیدت مند ہوگیا۔

ادھر بادشاہ ایک قلعہ پر حملہ آور تھا لیکن اس کی فتحیابی میں ایک عرصہ گزر گیا، بادشاہ نے موقع غنیمت سمجھ کر شیخ شمس الدین ترک سے دعاء کی درخواست کی، آپ نے بادشاہ کے اصرار کے بعد دعاء کا وعدہ فرمالیا اور فرمایا کہ اب کی مرتبہ تم حملہ کرو قلعہ کا دروازہ کھل جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کی دعاء کی برکت سے قلعہ فتح ہوگیا، اس کے بعد بادشاہ آپ کا بہت زیادہ عقیدت مند ہوگیا، لیکن حضرت شیخ شمس الدین ترک کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ میرا راز بادشاہ پر کھل گیا اور اس کی عقیدت میں اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ آپ نے ملازمت ترک کردی اور اخفاء حال کے ارادہ سے آپ وہاں سے ہجرت کرگئے، یہ تھے ہمارے اکابرین جو سلاطین امراء اور دنیاداروں کی عقیدتمندی سے گریز کیا کرتے تھے اور اپنے کو ان سے دور رکھا کرتے تھے، لیکن افسوس آج کے نام نہاد اللہ والے ہر وقت اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کس طرح امراء و دنیادار ہمارے قریب ہوجائیں، عقیدت مند ہوجائیں تاکہ ہمیں ان کی دنیا سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجا تا بکجا

حضرت خواجہ علاء الدین صابر کلیری کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو آپ نے شیخ شمس الدین ترک کو اجازت وخلافت اور خرقہ سے سرفراز فرمایا اور اسم اعظم عطا فرمایا اور یہ فرمایا کہ تمہارے لئے پانی پت کی ولایت مقرر ہے، اس لئے میرے انتقال کے بعد پانی پت چلے جانا اور وہیں قیام کرنا، میرے انتقال کے بعد یہاں تین دن سے زائد مت ٹھہرنا۔ چنانچہ شیخؒ کی ہدایت کے بموجب آپ کے انتقال کے بعد پانی پت چلے گئے اور وہاں قیام پذیر ہوگئے اس لئے آپ کے نام کے ساتھ پانی پتی لگنے لگا ورنہ تو آپ رہنے والے ترکستان کے تھے ۷۱۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۱۱۲) تذکرہ شیخ جلال الدین محمد پانی پتی

حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء کے لقب سے مشہور ہیں آپ کا شمار بھی اکابر اولیاء میں ہوتا ہے، آپ کا نام محمد یا محمود ہے، لیکن جلال الدین کبیر الاولیاء سے مشہور ہیں، آپ سلسلہ چشتیہ کے اونچے بزرگوں میں سے ہیں، سلسلہ میں پچیسویں نمبر پر آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ بھی صاحب کشف وکرامت بزرگوں میں سے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ کا گزر ایک دریا کے کنارے سے ہوا، اتفاق سے اس دریا کے کنارے ایک مرتاض جوگی بیٹھا ہوا تھا جو آنکھ بند کئے اپنی ریاضت میں مصروف تھا، اس نے جب آنکھ کھولی تو آپ کو اپنے سامنے موجود پایا، آپ کو دیکھ کر اس نے مبارکباد دی اور اس نے کہا کہ میرے پاس ایک پارس کا پتھر ہے، میں نے یہ طئے کر

رکھا تھا کہ آنکھ کھولنے کے بعد جو شخص مجھ کو پہلے ملے گا اس کو یہ پتھر دے دوں گا، لہٰذا یہ پتھر تم کو دیتا ہوں۔ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء نے اس پتھر کو لینے کے بعد دریا میں ڈال دیا شیخ کا یہ حال دیکھ کر جوگی کو بہت قلق ہوا کہ اتنی نایاب چیز کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا اور غصہ میں اس نے واپسی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء نے فرمایا کہ جب تم نے مجھ کو ہدیہ کر دیا تو میں اس کا مالک بن گیا، اب مجھے اختیار ہے کہ میں جو چاہوں کروں، لیکن وہ واپسی کا اصرار کرتا رہا، اس کی بے چینی و بے تابی دیکھ کر شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء نے اس سے فرمایا کہ جا دریا میں گھس جا اور اپنا پتھر اٹھا لے۔ چنانچہ وہ جب دریا میں گھسا تو اس سے قیمتی پتھر اس کو وہاں نظر آئے، اس نے اپنے پتھر کے ساتھ ایک دوسرا پتھر بھی اٹھالیا۔ اس پر شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء نے آواز دے کر فرمایا کہ یہ بدعہدی ہے اور غلط ہے، لیکن وہ مانا نہیں دونوں پتھر اٹھا کر لے آیا، لیکن آنے کے بعد شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور مسلمان ہو گیا۔

اس طرح کے ایک دو جوگی نہیں ہزاروں جوگی اور لاکھوں ہندو ہمارے بزرگوں کی اس انداز کی کرامتوں کو دیکھ کر اپنے اپنے زمانہ میں اسلام قبول کرتے رہے جس کی غلط تعبیر و تشریح اس زمانہ کے ہندو متعصب کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت وہ ہے جو آپ نے ابھی پڑھا۔

حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پر مجاہدات کا بے حد غلبہ تھا، اخیر عمر میں آپ پر استغراق کا غلبہ ہو گیا تھا، نماز کے وقت بمشکل تمام استغراق کی کیفیت ختم ہوتی اور نماز کے بعد پھر یہی کیفیت غالب ہو جاتی تھی، آپ کے چالیس خلفاء تھے ہر ایک

سے مستقل سلسلہ جاری ہوا۔

ایک سوستر(۱۷۰) سال کی عمر میں ۷۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۱۱۳) تذکرہ شیخ احمد عبدالحق رودولوی

حضرت شیخ احمد عبدالحق رودولوی بھی اکابر اولیاء میں سے ہیں، آپ کا اسم گرامی احمد ہے لیکن عبدالحق کے ساتھ آپ نے شہرت پائی جس کی وجہ آئندہ سطور میں آپ پڑھیں گے۔

آپ بلخ کے رہنے والے تھے، علاء الدین خلجی کے زمانہ میں آپ ہندوستان آئے، آپ بچپن ہی سے عبادت وریاضت ومجاہدہ کے شوقین وعادی تھے، سات سال کی عمر سے آپ نے تہجد کی نماز شروع کردی تھی، علوم ظاہرہ کی تحصیل کے لئے آپ دہلی تشریف لے گئے، وہاں آپ کے بڑے بھائی ایک مقبول مدرس کے نام سے جانے جاتے تھے، وہاں پہونچ کر آپ نے نحو وصرف کی کتابیں شروع کیں، جب ضرب زید عمرا پر پہونچے تو آپ نے اپنے بھائی استاذ محترم سے پوچھا کہ زید نے عمر کو کیوں مارا؟ اس نے کیا غلطی کی تھی، انہوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ کسی نے کسی کو نہیں مارا اوارا یہ صرف سمجھانے کے لئے فرضی مثال ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر بغیر غلطی کے مارا تو یہ ظلم ہے اور اگر نہیں مارا ویسے ہی لکھ دیا تو یہ جھوٹ ہے، میں ایسی کتاب نہیں پڑھتا جس میں شروع ہی سے ظلم اور جھوٹ کی تعلیم دی جاتی ہو اس کے بعد آپ نے

تعلیم ترک کردی۔

لیکن علوم باطنہ کی طرف آپ کی کشش بڑھتی گئی اور آپ نے صحرا نوردی شروع کردیا اور کچھ دنوں کے بعد بالہام غیبی پانی پت حاضر ہوئے اور شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء سے بیعت ہوگئے اور تھوڑے ہی دنوں کی ریاضت و مجاہدہ کے بعد اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوگئے۔

آپ کی طبیعت میں سادگی اور بھولا پن بہت تھا، اس لئے پچاس سال تک آپ نے جامع مسجد میں جھاڑو لگایا، اذان کے بعد اول وقت میں آپ مسجد پہونچ جاتے اور اللہ کے گھر کی خدمت میں لگ جاتے۔

یہ ہمارے بزرگوں کا اللہ سے حد درجہ تعلق تھا اور ان کی یہ سادگی تھی کہ اتنے اونچے مقام پر ہوتے ہوئے بھی اللہ کے گھر میں جھاڑو لگانے میں ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی، آج کے نوجوان علماء وفضلاء ان چیزوں کو اپنے لئے عیب سمجھتے ہیں۔

ایک مرتبہ شیخ احمد عبدالحق رودولوی نے کھانے کی ایک دیگ تیار کروائی اور وہ دیگ راستے میں رکھوادی اور فرمایا کہ آنے جانے والے لوگ اس سے کھانا کھاتے رہیں گے اور انشاء اللہ یہ کھانا کم نہیں ہوگا۔ چنانچہ تین روز تک لوگ اس سے کھانا کھاتے رہے اور کھانے میں کوئی کمی نہیں آئی، لیکن ایک دن حضرت شیخ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سے میری شہرت ہوگی اور لوگوں کی عقیدت میں اضافہ ہوگا، یہ اچھی بات نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے بعد دیگ کو توڑوادیا۔

حضرت شیخ پر اکثر استغراق کا غلبہ رہتا تھا، راستہ چلتے ہوئے اکثر حق حق کی

صدا لگا کر خدام کو متوجہ کرنا پڑتا تھا، اسی وجہ سے آپ کا لقب عبدالحق پڑ گیا تھا اور اسی وجہ سے خدام میں بھی لفظ حق، حق کا تکرار شروع ہوگیا تھا، شادی کے بعد جو بچہ آپ کا پیدا ہوتا وہ تین مرتبہ حق، حق، حق کہہ کر انتقال کر جاتا۔ بالآخر اہلیہ نے اس کی شکایت آپ سے کی، آپ نے فرمایا کہ اب جو بچہ پیدا ہوگا وہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ اس کے بعد جو بچہ پیدا ہوا اس نے حق حق نہیں کہا اور وہ زندہ رہا ۸۳۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا رودولی میں آپ کا مزار ہے۔

(۱۱۴) تذکرہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا نام اسماعیل ہے اور عبدالقدوس آپ کا لقب ہے، لیکن آپ لقب ہی سے مشہور ہوئے، آپ کا شمار بھی اکابر اولیاء میں ہوتا ہے، سلسلہ چشتیہ کے اہم بزرگوں میں سے آپ ہیں سلسلہ میں انتیسویں نمبر پر آپ کا شمار ہوتا ہے آپ مادرزاد ولی تھے، بچپن ہی میں آپ صاحب کرامت ہوگئے تھے، علوم ظاہرہ کے ساتھ علوم باطنہ میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا، آپ کی باطنی تکمیل بلا واسطہ بفیض روحانی حضرت شیخ احمد عبدالحق رودولوی سے ہوئی، اگرچہ آپ نے بیعت شیخ احمد عبدالحق رودولوی کے پوتے محمد بن شیخ عارف سے کی، آپ کامل درجہ متبع سنت تھے اور صاحب کشف وکرامت ولی تھے۔

ایک مرتبہ محمد غوث گوالیاری نے جو اپنے زمانے کے بڑے عامل تھے،

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کولانے کے لئے آپ کے پاس جنوں کو بھیجا جس وقت جن وہاں پہونچے آپ عبادت وریاضت میں مصروف تھے، آپ نے سر اٹھا کر دیکھا اور پوچھا کہ کون؟ جنوں نے جواب دیا کہ ہم محمد غوث گوالیاری کے فرستادہ ہیں، وہ آپ کی زیارت کا مشتاق ہے، اگر اجازت ہوتو ہم آپ کو لے چلیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میرا حکم ہے کہ تم اس کو لے کر میرے پاس آؤ۔ چنانچہ جنات گئے اور اس کو لے کر آ گئے، محمد غوث نے جناتوں سے کہا کہ میں نے کہا تو تم شیخ کو نہیں لائے اور ان کے کہنے پر مجھ کو لے کر جارہے ہو؟

جناتوں نے کہا کہ تمہارے مقابلہ میں شیخ کی اطاعت ضروری ہے، جب محمد غوث گوالیاری حضرت شیخ کی خدمت میں پہونچے تو آپ نے اس کو بہت ڈانٹا، اس کے بعد وہ نادم ہوکر حضرت شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور صاحب نسبت ہوکر وہاں سے گوالیار واپس ہوئے۔ مرض الوفات میں باوجودیکہ آپ پر استغراق کا غلبہ تھا، پھر بھی عبادت میں کوئی کمی نہیں آئی۔

ایک مرتبہ ایک رات میں ستر بار تازہ وضوء کر کے تحیۃ الوضوء کی نماز ادا کی۔ بالآخر نماز کی حالت ہی میں ۹۴۵ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا، آپ کی عمر چوراسی سال کی تھی، گنگوہ میں آپ کا مزار ہے، جہاں سال میں ایک مرتبہ بہت بڑا عرس بھی لگتا ہے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے ہندو مسلم بڑی عقیدت کے ساتھ عرس میں شرکت کرتے ہیں۔

(۱۱۵) تذکرہ شیخ جلال الدین تھانیسری

حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری بھی اکابر اولیاء میں سے ہیں، سلسلہ چشتیہ میں تیسویں نمبر پر آپ کا نام آتا ہے، آپ اونچے بزرگوں میں سے ہیں، آپ بلخ کے رہنے والے تھے، لیکن ارشاد و بیعت کا تعلق آپ کا حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے ہے اور ان کے اکابر خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن پاک حفظ کرلیا تھا، اور سترہ سال کی عمر میں آپ علوم ظاہرہ سے فارغ ہو گئے تھے، اس کے بعد اپنے کو افتاء اور تدریس میں مشغول کرلیا تھا، اپنے زمانہ کے مشہور علماء وفقہاء اور مقبول مدرسین میں آپ کا شمار ہوتا تھا، تصنیف و تالیف کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے اس کے ساتھ طاعت و عبادت اور اتباع سنت کے بھی پابند تھے۔

ایک مرتبہ آپ بیمار ہوئے اور صاحب فراش ہو گئے، آپ کے لئے اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا، اسی حال میں آپ کو دواء پیش کی گئی، آپ چارپائی سے بمشکل تمام خدام کے سہارے اتر کر زمین پر بیٹھے اس کے بعد دوا نوش فرمائی اور فرمایا کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے چارپائی یا تخت پر بیٹھ کر کسی چیز کا کھانا ثابت نہیں۔

چونکہ آپ بڑے عالم و فاضل بھی تھے، اس لئے ایک بڑے ادارے میں درس و تدریس میں مشغول تھے، اور طلباء کا ایک ہجوم آپ کے گرد و پیش رہا کرتا تھا جن میں سے بعض طلباء حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے بیعت بھی تھے۔ ایک مرتبہ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اس مقام پر تشریف لے گئے جہاں شیخ جلال الدین تھانیسری رہا کرتے تھے، آپ کی آمد پر وہ طلباء آپ کی ملاقات کے لئے آئے جو آپ سے بیعت تھے استاذ محترم کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے طلباء سے کہا کہ تمہارے پیر آئے ہوئے ہیں۔ سنا ہے وہ ناچتے بھی ہیں، ان سے ہمارا سلام کہہ دینا۔ اگر موقع ملا تو میں بھی ملاقات کے لئے کسی دن آؤں گا۔ ملاقات کے بعد طلباء نے پیر و مرشد سے استاذ محترم کا سلام و پیام نقل کر دیا، آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ واپسی پر ان سے کہہ دینا کہ وہ ایسے پیر ہیں جو ناچنے کے ساتھ دوسروں کو نچاتے بھی ہیں، طلبا نے یہ پیغام واپسی پر پہونچا دیا۔

ادھر ایک روز حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو غیب سے آواز آئی کہ مولانا جلال الدین کو میں نے تمہیں بخش دیا ان کو اپنے حلقہ میں لے آؤ۔

چنانچہ اس کے بعد حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی شیخ جلال الدین تھانیسری کے مدرسہ پہونچے جب آپ تشریف لے گئے تو آپ درس میں مصروف تھے، آپ درسگاہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے، جب درس سے فارغ ہوئے تو آپ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ کون صاحب ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں وہی ناچنے والا پیر ہوں، اس کے بعد آپنے ایک توجہ ڈالی جس کی وجہ سے شیخ جلال الدین کے سارے علوم ظاہرہ زائل ہو گئے، اس کے بعد شیخ جلال الدین تھانیسری کو بہت ندامت ہوئی، معذرت کے ساتھ معافی مانگی، اس کے بعد حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے جو توجہ فرمائی تو علم باطن کی تشنگی محسوس ہونے لگی۔ اس کے بعد آپ نے ان کو اوراد و اشغال

کی تلقین فرمائی اور خلوت ومجاہدہ کا حکم فرمایا۔ پھر ایک دن وہ آیا کہ وہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ہی ہو کر رہ گئے اور آپ پر بھی استغراق کا غلبہ رہنے لگا، پھر جس طرح آپ کو علوم ظاہرہ میں کمال حاصل تھا، علوم باطنہ میں بھی کمال حاصل ہو گیا۔ کشف وکرامت کی دولت سے بھی مالا مال ہو گئے۔

چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک مرید کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کسی زمانہ میں ایسے اللہ والے ہوتے تھے کہ جس پر وہ نظر ڈال دیتے تھے وہ صاحب کمال ہو جاتا۔ اس مرید کا یہ خیال حضرت پر منکشف ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ اب بھی ایسے حضرات موجود ہیں اور اس کے بعد آپ نے اس پر ایک توجہ ڈالی جس کی وجہ سے وہ تین دن تک بے ہوش رہا، اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ جب حضرت شیخ جلال الدین کو اس کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ہر شخص میں توجہ کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ عاشق لوگ کشف وکرامت کے پیچھے نہیں پڑتے بلکہ ان کی نگاہ عبادت وزہد اور تقوی پر ہوتی ہے اور اپنے نفس کو مارنے پر ہوتی ہے انکا عمل موتوا قبل أن تموتوا پر ہوتا ہے۔

پنچانوے سال کی عمر میں ۹۸۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۱۱۶) تذکرہ شیخ نظام الدین تھانیسری

حضرت شیخ خواجہ نظام الدین تھانیسری بلخ کے رہنے والے تھے، شیخ جلال

الدین تھانیسری کے بھتیجے اور داماد، خلیفہ اور جانشین بھی تھے، آپ ہندوستان کے کبار اولیاء میں سے تھے، سلسلہ چشتیہ میں آپ کا شمار اونچے بزرگوں میں ہوتا ہے۔ اکتیسویں نمبر پر آپ کا نام آتا ہے۔ ظاہری و باطنی تصرف کے آپ مالک تھے، مذہباً آپ حنفی اور مشرباً چشتی تھے۔

آپ نے ظاہری علوم میں استاذ سے ایک سبق بھی نہیں پڑھا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے علم لدنی سے نوازا تھا، اور آپ پر ظاہری و باطنی علوم کے کمالات منکشف ہو گئے تھے، امی ہونے کے باوجود بڑے بڑے علمی حقائق و نکتے بیان کیا کرتے تھے، آپ نے علمی میدان میں بہت سی کتابیں بھی لکھیں ساری کتابیں مکاشفات پر مبنی ہیں، آپ کا شمار صاحب کشف و کرامت بزرگوں میں ہوتا ہے۔ شہزادہ سلیم آپ کا بڑا معتقد تھا۔ آپ کچھ حالات سے دل برداشتہ ہو کر ہندوستان سے حجاز مقدس کے لئے روانہ ہوئے اور حج سے فارغ ہو کر کئی سال وہیں مقیم رہے اس کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی اشارہ پر بلخ چلے گئے اور وہاں سات سو لوگوں کو آپ نے کمال تک پہونچایا، بلخ کا بادشاہ بھی آپ کا مرید ہو گیا۔

ایک مرتبہ آپ بلخ کے پہاڑ کے دامن میں گئے، ظہر کی نماز کا وقت آ گیا، لیکن کہیں پانی موجود نہیں تھا، آپ نے اپنے عصاء کو ایک پتھر پر مارا اس کی برکت سے پانی کا چشمہ پتھر سے نکل پڑا، شیخ نے وضوء کیا نماز ادا کی۔ نماز کے وقت ملائکہ انسانی شکل میں حاضر ہوتے تھے اور آپ کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتے تھے، جس شخص پر آپ نظر فرماتے ایک ہی نظر میں وہ صاحب شہود ہو جاتا تھا، اسی وجہ سے بعض لوگوں نے آپ کو

ولی تراش کہنا شروع کر دیا تھا۔ آپ کا انتقال ۱۰۳۵ھ میں ہوا، آپ کا مزار بلخ میں ہے۔

(۱۱۷) تذکرہ شیخ محبّ اللہ الہ آبادی

حضرت شیخ خواجہ محبّ اللہ الہ آبادی بھی سلسلہ چشتیہ کے نامور مشائخ میں سے ہیں، سلسلہ چشتیہ میں تینتیسویں نمبر پر آپ کا نام آتا ہے، آپ شیخ ابوسعید گنگوہی کے ممتاز خلفاء میں شمار ہوتے ہیں، آپ کا سلسلہ نسب حضرت بابا فرید الدین شکر گنج سے ملتا ہے، بائیسویں نمبر پر حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج آتے ہیں، آپ کا وطن اصلی صدر پور تھا جو خیرآباد اودھ کے نواح میں ہے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد شیخ مبارز سے حاصل کیں اور دیگر کتابیں دوسرے علماء سے پڑھیں، مزید تکمیلات کے لئے اپنے دو ماموں زاد بھائیوں کے ساتھ لاہور تشریف لے گئے، چونکہ لاہور اس زمانہ میں ایک بڑے دار العلوم کے ذریعہ جانا جاتا تھا، حدیث، تفسیر، فقہ کے بڑے علماء وہاں موجود تھے، ملا عبدالسلام لاہوری جو اس وقت کے بڑے عالم وفقیہ تھے، ان کی شاگردی آپ نے اختیار کی، طالب علمی کے زمانہ میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت بھی ہوتی تھی، تکمیل علوم کے بعد آپ اپنے وطن صدر پور واپس آ گئے اور طلباء کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو گئے، لیکن اس زمانہ میں بھی پاس انفاس کا شغل جاری رکھا، دھیرے دھیرے شیخ طریقت کی جستجو شروع ہو گئی اور بزرگوں کے مزارات کی حاضری یکے بعد دیگرے شروع کر دی، اسی دوران آپ

حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر حاضر ہوئے، وہاں پہونچ کر آپ کو ایک غیبی آواز سنائی دی کہ اے محبّ اللہ! اللہ نے تم کو امور ظاہری کے لئے نہیں پیدا کیا ہے، چونکہ شاہ جہاں نے آپ کو وزارت اور جاگیر سے نوازا تھا اور وہ اس وقت خدمت شاہی پر مامور تھے، اس لئے یہ کہا گیا کہ تم کو باطنی امور کی وابستگی کے لئے پیدا کیا ہے آج کل سلسلہ صابریہ کی گرم بازاری ہے، لہٰذا گنگوہ جاؤ اور ابوسعید گنگوہی سے مرید ہو جاؤ۔

ادھر حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی کو بذریعہ واردات قلبی منکشف ہو گیا کہ محبّ اللہ کو تمہارے سپرد کیا، لہٰذا تم ان کو اللہ تک پہونچاؤ۔

یہ اشارہ پاتے ہی آپ مسند وزارت کو چھوڑ کر گنگوہ روانہ ہو گئے، جب آپ گنگوہ پہونچے تو شیخ ابوسعید گنگوہی کو بذریعہ کشف آپ کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی، اس لئے خادم خاص کو آپ نے حکم دے رکھا تھا کہ پانی کے دو لوٹے گرم کر کے تیار رکھنا اور جو حلوہ درویشوں کے لئے بنتا ہے وہ بڑھا کر بنانا، تھوڑی دیر کے بعد دروازہ پر دستک کی آواز آئی۔ شیخ ابوسعید گنگوہی باہر تشریف لائے، ملاقات کی، وضوء سے فارغ ہوئے اور فجر کی سنت و فرض کے درمیان آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا اور اس کے بعد حاضرین میں حلوہ تقسیم کروایا۔

حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی نے اپنے خادم خاص سے فرمایا کہ دیکھو محبّ اللہ کی استعداد کس نبی کی ولایت سے مناسبت رکھتی ہے تا کہ اس کے مطابق تعلیم و تلقین کی جائے، خادم محرم اسرار نے جب ان کی طرف توجہ کی تو معلوم ہوا کہ استعداد

ولایت موسوی سے مناسبت رکھتی ہے۔حضرت ابوسعید گنگوہی نے شیخ محبّ اللہ کو شغل نفی واثبات واسم ذات تصور شیخ کے ساتھ ہدایت کر کے چلہ میں بیٹھا دیا، شاہ محبّ اللہ کو چلہ میں اسقدر فائدہ ہوا کہ تجلیات ملکوتیہ وجبروتیہ ظاہر ہوگئے۔

ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ شاہ ابوسعید گنگوہی نے حجرہ کے دروازے سے آواز دی کہ محبّ اللہ! باہر آؤ تم کو ہم نے اللہ تک پہونچا دیا اور پورب کی ولایت تمہارے سپرد کر دی، جب شاہ محبّ اللہ حجرہ سے باہر آئے تو شیخ ابوسعید گنگوہی نے گلے سے لگایا اور بہت خوش ہوئے پھر آپ کو خرقہ پہنایا، عمامہ سر پر باندھا اور عربی زبان میں سند خلافت تحریر کر کے عطا فرمایا، اس کے بعد حضرت شیخ محبّ اللہ گنگوہ سے اپنے وطن صدر پور واپس آ گئے، مگر وہاں کا قیام آپ کو پسند نہیں آیا اور عازم الہٰ آباد ہوگئے۔ الہٰ آباد تشریف لانے کے بعد آپ نے دریائے جمنا کے کنارے قیام فرمایا، ابتدائی دنوں میں فقر و فاقہ رہا، لیکن اس کو آپنے صبر وشکر سے برداشت کیا، کچھ دنوں کے بعد جب قاضی صدر الدین جو الہٰ آباد کے قاضی تھے ان کو آپ کی شہرت کی خبر ہوئی اور آپ کے عقیدت مند وہ ہوگئے تو انہوں نے اپنا خالی مکان شیخ محبّ اللہ کی نذر کر دیا لیکن اس مکان پر جناتوں کا قبضہ تھا۔ آپ نے ایک طالب علم کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ اس مکان کے صدر دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ کہہ دو کہ جب یہ مکان امیر کا تھا تو تم قابض تھے اب یہ مکان فقیر کا ہو گیا ہے، لہٰذا تم اسے چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ۔

چنانچہ جناتوں نے فوراً مکان خالی کر دیا اس کے بعد اس میں مسافر اور طلباء رہنے لگے، اس طرح آپ الہٰ آباد میں ستائیس برس تین مہینہ پندرہ دن خلق خدا کی

ہدایت میں مصروف رہے اور باسٹھ برس پانچ مہینہ سات دن کی عمر میں ۸؍رجب بروز پنج شنبہ ۱۰۵۸ھ میں شاہ جہاں کے زمانہ میں اس دار فانی کو الوداع کہہ کر دار باقی کی طرف رخصت ہو گئے۔

(۱۱۸) تذکرہ حضرت میاں جی نور محمد صاحب

حضرت میاں جی نور محمد صاحب کا شمار بھی اونچے بزرگوں میں ہے اور سلسلہ چشتیہ میں چالیسویں نمبر پر آپ کا نام آتا ہے، آپ قصبہ جھنجھانہ کے رہنے والے تھے جو ضلع شاملی کا ایک قصبہ ہے۔ آپ اگرچہ فارغ التحصیل عالم نہیں تھے تاہم دینی معلومات اور فارسی زبان پر آپ کو کافی عبور تھا، آپ نے قرآن مجید حفظ کیا، اس کے بعد عربی و فارسی کی تعلیم دہلی کے مشہور مدرسہ رحیمیہ میں حاصل کی، ضلع مظفر نگر کے گاؤں حسن پور لوہاری میں مولانا صادق صاحب کا مدرسہ تھا، اس میں آپ تعلیمی خدمت انجام دیتے رہے، قرآن شریف اور فارسی کی تعلیم آپ کے ذمہ تھی، پہلے آپ شاہ احسان علی صاحب پٹنی سے بیعت ہوئے جو شیخ فریدالدین شکر گنج کی اولاد میں سے تھے، اس کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی سے بیعت ہوئے۔ آپ نے اپنی خلافت واجازت سے بھی سرفراز فرمایا اور اپنی خصوصی نگرانی میں سید احمد شہید بریلوی سے بیعت جہاد بھی کروائی۔

یاد الٰہی میں مشغول رہنے کو ترجیح دیتے تھے اور اپنے کو مخفی رکھنا پسند کرتے

تھے، سنت کے بہت زیادہ پابند تھے، تیس سال تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی، صاحب کشف وکرامت بھی آپ تھے جس کے بہت سارے واقعات ملتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب کے کھیت میں آگ لگ گئی، کھیت کا مالک دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ کی اطلاع دی، آپ نے اپنی ٹوپی اتار کر اس کو دے دی اور فرمایا کہ اس کو لیجا کر آگ میں ڈال دو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اس کے بعد آگ فوراً بجھ گئی۔

اسی طرح ایک مرتبہ بارش کی سخت ضرورت تھی، چند حضرات نے آکر دعاء کی درخواست کی اس وقت حضرت گنا چوس رہتے تھے، آپ نے دعاء کی درخواست کرنے والے شخص سے فرمایا کہ اگر میرا چوسا ہوا گنا تم چوس لو تو فوراً بارش ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور فوراً بارش شروع ہوگئی۔

شرعی اداب کا بھی بہت لحاظ وخیال رکھتے تھے اور ورع وتقوی والی زندگی کو ترجیح دیتے تھے، اسی لئے خلاف احتیاط چیزوں سے بھی آپ پرہیز کیا کرتے تھے۔

چنانچہ کچھ لوگوں نے حضرت سے یہ درخواست کی کہ حضرت فلاں شخص بہت خوش گلو ہے نعت اچھی پڑھتا ہے آپ بھی سن لیں، آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بھی بنا دیتے ہیں اور غنا بلا مزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے، اس لئے اس کا سننا خلاف احتیاط ہے یہ کہہ کر سننے سے معذرت کر دی۔

۹ر جمادی الثانیہ ۱۲۲۳ھ اٹھہتر سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۱۱۹) تذکرہ حاجی امداداللہ صاحب

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اکابر اولیاء میں سے ہیں سلسلہ چشتیہ میں اکتالیسویں نمبر پر آپ کا نام ہے، آپ کا شمار صاحب کشف وکرامت بزرگوں میں ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے اکثر اکابرین کے آپ پیر ومرشد ہیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی جیسے اکابرین اوراساطین امت نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

آپ کی پیدائش قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی، آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم بن ادہم سے ملتا ہے، آپ مشرباً حنفی تھے۔سولہ سال کی عمر میں حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے ساتھ دہلی گئے اور وہاں کے مشائخ وقت سے علوم ظاہرہ کی تحصیل شروع فرمائی، کچھ ابتدائی کتابیں آپ نے پڑھیں، اس کے بعد علوم باطنہ کی طرف آپ کی کشش ہوگئی، اٹھارہ سال کی عمر میں مولانا نصیر الدین صاحب نقشبندی کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور نقشبندیہ سلسلہ کے اذکار آپ نے شروع فرمادیئے۔

اس کے بعد ایک خواب کی بنیاد پر حضرت میاں جی نور محمد صاحب سے آپ بیعت ہوئے اور کچھ ہی دنوں کے بعد آپ خرقہ خلافت سے سرفراز ہوگئے، کچھ دنوں

کے بعد آپ کی طبیعت پر خلوت نشینی کا غلبہ ہوا، مخلوق سے نفرت ہونے لگی جس کی وجہ سے پنجاب کے صحرا کو مسکن بنالیا۔

اس زمانہ میں کثرت سے آپ پر فاقہ آیا ایک ایک ہفتہ آپ پر ایسا گزرا کہ کوئی دانہ آپ کو میسر نہیں آیا، چھ ماہ تک صحرا نوردی آپ کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کو یہ بشارت حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی کہ تم ہمارے پاس آجاؤ۔ چنانچہ آپ حج کے ارادے سے حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوگئے اور روضہ اقدس پر حاضری کے دوران آپ کو بہت سے روحانی برکات سے سرفراز کیا گیا، کچھ عرصہ قیام کے بعد ہندوستان واپس تشریف لے آئے اور آنے کے بعد بیعت وارادت کا عمل شروع فرمایا اور ایک عرصہ تک روحانی فیض کو عام وتام کرتے رہے بالآخر ایک دن وہ آیا کہ آپ کو مکہ مکرمہ ہجرت کرنا پڑا اور آپ وہیں جا کر مقیم ہوگئے، ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں ایک زمانہ تک آپ کا یہ معمول رہا کہ عشاء کے بعد جلدی چارپائی پر لیٹ جاتے، لوگ یہ سمجھتے کہ آپ آرام کررہے ہیں، جب سب نمازی مسجد سے چلے جاتے تو مؤذن سے مسجد کا دروازہ بند کروادیتے اور اس کے بعد پوری رات ذکر وعبادت میں مصروف رہتے اور روتے اور دعائیں کرتے۔

حاجی عبدالرحیم صاحب جو حضرت کے خادم خاص تھے وہ کہا کرتے تھے کہ کبھی حضرت پاؤں پھیلا کر نہیں سوتے تھے بلکہ سمٹ کر آرام کرتے تھے، ایک مرتبہ جب حاجی عبدالرحیم صاحب نے اس کی وجہ پوچھی اور کہا کہ حضرت اس طرح سونے سے نہ نیند آتی ہوگی نہ آرام ملتا ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ جا باؤلے تو آرام لئے پھرتا

ہے، تجھے نہیں معلوم کہ اپنے محبوب کے سامنے پاؤں پھیلانا بے ادبی ہے۔

حاجی عبدالرحیم ہی فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے کالا جوتا آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے کسی کو ہدیہ کردیا خود نہیں پہنا، دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ جب سے میں نے خانہ کعبہ کا غلاف سیاہ دیکھا ہے کالے رنگ کا جوتا پہننے کی ہمت نہیں ہوتی۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کا جعلی دستخط کر کے کسی رئیس سے کچھ رقم وصول کرلی، اس کی اطلاع حضرت کو دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ بھائی مجھ سے دین کا نفع تو کسی کا ہوا نہیں اگر میرے ذریعہ یہ مردار دنیا کسی کو حاصل ہو جائے تو مجھ کو اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں اس میں بھی بخل کروں۔

ایک مرتبہ حضرت نے ایک مریدن کو تبرکاً کوئی کپڑا دیا ایک صاحبہ نے عرض کیا کہ حضرت فلاں عورت بھی آپ کے خاندان کی ہے، کوئی تبرک اس کے پاس بھی بھجوادیں، آخر وہ بھی تو آپ کی اولاد ہے، اس کے جواب میں حضرت نے ایک ایسا تاریخ ساز جملہ فرمایا جو ہر ایک کے لئے اپنے دل ودماغ پر نقش کرنے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا اولاد اولاد لئے پھرتی ہو، میری کوئی اولاد نہیں، میری اولاد تو صرف وہی ہے جو اللہ کی طالب ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "كل مؤمن تقي نقي فهو آلي"۔

آل نبی کی تفصیل کرتے ہوئے جہاں بعض حضرات اس میں صرف اہل بیت کو داخل کرتے ہیں وہیں کچھ حضرات اس کے اطلاق میں عموم کے بھی قائل ہیں،

اوران کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابھی اوپر گزری، آپ فرمایا کرتے تھے کہ "**الغیبة اشد من الزنا**" ۔اس لئے کہا گیا ہے کہ زنا گناہ باہی ہے اورغیبت گناہ جاہی ہے اور کبرشہوت سے اشد ہے،اس لئے کہا گیا ہے "**الغیبة اشد من الزنا**"۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کوصلاحیت تو دیتے ہیں لیکن زبان نہیں دیتے ،لیکن جب ان سے اللہ پاک اصلاح عالم کا کام لینا چاہتے ہیں تو کسی صاحب زبان کواس کے سپرد کردیتے ہیں جیسے حضرت شمس تبریز کی زبان مولانا روم ہیں،اسی طرح میری زبان مولانا قاسم نانوتوی ہیں۔

ایک موقع پرآپ نے فرمایا کہ دل مکہ مکرمہ میں رہے اورجسم ہندوستان میں یہ بہتر ہے اس سے کہ جسم تو مکہ میں رہے اوردل ہندوستان میں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے اپنی شکایت کرتے ہوئے حضرت سے کہا کہ حضرت میں ذکرتو کرتا ہوں لیکن اس کا کوئی نفع محسوس نہیں ہوتا (ممکن ہے اس سے ان کی مراد یہ رہی ہو کہ اتنے دنوں سے میں ذکرکررہا ہوں لیکن ابھی تک میں صاحب کشف وکرامت نہیں بنا)۔اس پرحضرت نے فرمایا کہ کیا یہ کم نفع ہے کہ تم ذکر میں لگے ہوئے ہواورتم کوذکرکی توفیق دے دی گئی ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگرریاء سے بھی کوئی عمل کرتا ہوتو اس کوکرتے رہنا چاہئے ،اس کوچھوڑنا نہیں چاہئے ،اس لئے کہ شروع شروع میں توریاء ہوگی پھرعادت ہوجائے گی اورعادت سے عبادت ہوجائے گی ، یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اتحادواتفاق کی بنیادتواضع ہے۔جن لوگوں میں تواضع ہوتی ہے ان میں اتفاق ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ میں لوگوں کو بیعت سے اس لئے انکار نہیں کرتا کہ کہیں وہ کسی بدعتی کے پھندے میں نہ پھنس جائیں پھر اللہ تعالیٰ مجھ سے مواخذہ فرمائیں کہ فلاں شخص تمہارے پاس بیعت کے لئے آیا تھا تم نے کیوں اس کو واپس کر دیا، اگر تم واپس نہ کرتے تو وہ غلط جگہ نہ پھنستا۔ اگر اللہ نے مجھ سے یہ سوال کر لیا تو میں کیا جواب دوں گا، اس لئے مجھ سے جو بیعت کی درخواست کرتا ہے، اس کو بلا ٹال مٹول فوراً بیعت کر لیتا ہوں۔ چوراسی سال تین ماہ بیس دن کی عمر میں ۱۳۱۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور جنت المعلیٰ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

(۱۲۰) تذکرہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، گنگوہ کے رہنے والے تھے علم وفن کے امام تھے، مسلک دیوبند کے بانی وترجمان تھے، آپ نے علوم ظاہرہ کی تکمیل دہلی میں کیا، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی سے حدیث پاک پڑھنے کا آپ کو شرف حاصل ہوا، اکیس سال کی عمر میں فراغت کے بعد گنگوہ واپس تشریف لائے اور درس وتدرس میں مشغول ہو گئے، ایک لمبے وقت تک مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا درس دیتے رہے۔

لیکن ۱۳۰۱ھ سے صرف حدیث پاک کی تدریس میں آپ نے اپنے کو مشغول کر لیا اور مکمل صحاح ستہ کی تعلیم اکیلے دیتے رہے شوال سے شعبان تک صحاح

ستہ کی ساری کتابیں مکمل فرما دیتے تھے۔

اسی درمیان ایک مرتبہ آپ کا تھانہ بھون جانا ہوا اور یہ سفر حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی سے ایک مسئلہ میں گفتگو کے لئے تھا، لیکن ان کی ملاقات سے پہلے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے، ملاقات و خیر و خیریت کے بعد آپ نے سفر کی وجہ دریافت کی، آپ نے فرمایا کہ مولانا محمد صاحب سے مناظرہ کے لئے آیا ہوں، حضرت حاجی صاحب نے یہ سن کر جواب میں فرمایا کہ ایسا مت کرنا وہ ہمارے بزرگ اور بڑے ہیں، اس کے جواب میں حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ اگر وہ آپ کے بڑے ہیں تو میرے بھی بڑے ہیں اور اس کے بعد مناظرہ کا ارادہ ترک فرما دیا۔

اسی ملاقات میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت کی درخواست کی، چند روز کے بعد حضرت نے بیعت فرمالیا۔ بیعت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ حضرت میں پڑھنے پڑھانے والا آدمی ہوں، ذکر و شغل اور دوسرے مجاہدات میرے بس کے نہیں ہیں اور نہ ہی رات میں تہجد کے لئے مجھ سے اٹھا جا سکے گا۔ حضرت حاجی صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، لیکن چند روز کے بعد آپ نے وہ سب کچھ کرنا شروع کر دیا جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ میرے بس کا نہیں۔

چنانچہ آپ نے ذکر دوازدہ تسبیح اور تہجد کی پابندی بھی شروع کر دی۔

ایک دن حضرت حاجی صاحب نے آپ کا ذکر سن کر فرمایا تم تو ماشاء اللہ ایسا ذکر کرتے ہو جیسے پرانے مشاق ذکر کیا کرتے ہیں۔

بیعت کے ایک ہفتہ کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو بلایا اور فرمایا میاں مولوی رشید احمد اللہ تعالیٰ نے جو نعمت مجھے دی تھی وہ میں نے آپ کو دے دی، اب اس کو آگے بڑھانا آپ کا کام ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے حضرت حاجی صاحب کے یہاں پورا ایک چلہ لگایا اور اس کے بعد گنگوہ واپس تشریف لے آئے، اجازت وخلافت کے بعد آپ پر گریہ طاری ہونے لگا، پوری پوری رات آپ پر گریہ طاری رہتا جس سے آپ کا وہ لحاف جسے سردی میں استعمال کرتے تھے وہ بھی متاثر ہوگیا تھا، یعنی اس کا رنگ بدل گیا تھا۔

علمی انہماک تدریسی خدمات کے ساتھ عبادت سے انہماک اور لگاؤ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ آپ دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں تشریف لے گئے ملاقات کرنے والوں کی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے عصر کی نماز کے لئے آپ مسجد میں اس وقت پہونچے جب امام قرأت شروع کر چکا تھا، نماز کے بعد رنجیدہ حالت میں آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے رنجیدگی اور اداسی کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ بائیس سال کے بعد آج میری تکبیر اولیٰ فوت ہوئی ہے، اسی کا رنج وملال ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ علم تصوف نام ہے اصلاح ظاہر و باطن اور مداومت علی الدین اور قوت یقین کا۔ حضرات صوفیاء کا کام اخلاق کو سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے، تصوف کی حقیقت اللہ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادے کو فنا کر دینا اور اللہ تعالیٰ کی رضاء کے ساتھ راضی رہنا ہے، فرمایا کرتے تھے کہ صوفی میں درج ذیل اخلاق کا ہونا ضروری ہے۔

۱-اپنے آپ کو کم تر سمجھنا یعنی کبر سے دور رہنا۔

۲-خلق خدا کے ساتھ خوش اخلاقی کا معاملہ کرنا یعنی غیض وغضب سے دور رہنا۔

۳- ہر ایک کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرنا اور دوسروں کو اپنے سے اعلیٰ و افضل سمجھنا۔

۴-ہر ایک کے ساتھ سخاوت کا معاملہ کرنا بخل سے دور رہنا۔

۵-خلق خدا کی غلطیوں کو معاف کر دینا اور درگزر سے کام لینا۔

۶-خلق خدا کے ساتھ بشاشت اور خندہ پیشانی سے پیش آنا

۷-تصنع اور تکلف سے اپنے کو دور رکھنا اور سادگی کو اختیار کرنا۔

۸-اعتدال کے ساتھ خرچ کرنا اور کشادہ دستی کا مظاہرہ کرنا۔

۹-اللہ تعالیٰ پر جیسا بھروسہ کرنا چاہئے ویسا بھروسہ کرنا توکل کو نہ چھوڑنا۔

۱۰-تقوی اور پرہیزگاری ہر حال میں اختیار کرنا اور اللہ دیکھ رہا ہے اس کا استحضار پیدا کرنا۔

۱۱-بقدر کفاف تھوڑی دنیا پر قناعت کرنا، حرص وطمع اور لالچ سے دور رہنا۔

۱۲-حب مال، حب جاہ سے اپنے کو دور رکھنا۔

۱۳-وعدہ خلافی سے اپنے کو دور رکھنا، کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرنا۔

۱۴-بردباری اور دوراندیشی کے ساتھ زندگی گزارنا۔

۱۵-اپنوں سے محبت اور الفت کا برتاؤ رکھنا اور اغیار سے دور رہنا

۱۶-اپنے محسن کا شکر گزار رہنا، ناشکری سے گریز کرنا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ نسبت قرب الٰہی کا نام ہے اس کو کوئی سلب نہیں کرسکتا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز اللہ پاک اپنے بندے کو عطا فرمائے اور کوئی دوسرا اس کو سلب کرلے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ علماء حقہ کی توہین کرتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں قبر میں ان کا چہرہ قبلہ سے پھر جاتا ہے جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔

حضرت گنگوہی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ وہ حضرات ائمہ کرام کو برا بھلا کہتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا عمل وحدت مطلب پر اس شدت کے ساتھ تھا کہ ایک مرتبہ ایک مجلس میں فرمایا کہ اگر کسی مجلس میں تمام اولیاء جمع ہوں ان میں حضرت جنید بغدادی بھی ہوں اور ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب بھی تو ہم تو حضرت حاجی صاحب ہی کی طرف متوجہ رہیں گے۔ حضرت جنید بغدادی کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھائیں گے چونکہ ہمارا مطلب تو حضرت حاجی صاحب ہی سے پورا ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک بے تکلف دیہاتی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا بدن دبا رہا تھا، اس دیہاتی نے بے تکلفی میں حضرت گنگوہی سے کہا کہ مولوی جی تم تو بہت خوش ہو رہے ہو گے کہ لوگ تمہاری خوب خدمت کر رہے ہیں۔

حضرت گنگوہی نے جواب میں فرمایا کہ بھائی جی تو خوش ہوتا ہے کیونکہ دبانے سے بدن کو راحت ملتی ہے لیکن اس کی وجہ سے الحمدللہ دل میں کوئی بڑائی نہیں پیدا ہوتی کہ میں بڑا ہوں اور یہ چھوٹا ہے۔

یہ جواب سن کر وہ دیہاتی بولا کہ اجی! مولوی جی تب تو خدمت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ شروع سے اب تک صوفیاء غیر محققین سے جس قدر دین کو نقصان پہونچا ہے اتنا کسی اور فرقہ سے نہیں پہونچا عقائد کے اعتبار سے اور اعمال کے اعتبار سے بھی یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت شارع علیہ الصلوۃ والتسلیم نے احسان کو مطلوب قرار دیا تھا، لیکن حضرات صوفیاء غیر محققین نے استغراق کو مقصود بنا لیا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ شہاب الدین سہروردی، حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد شہید بریلوی نے نام کے صوفیاء اور علم و تحقیق سے عاری صوفیاء کے عقائد و اعمال کی بہت اصلاح فرمائی چونکہ اللہ تعالیٰ نے طریق سنت کو ان کے قلوب پر منکشف فرما دیا تھا، اور الحمدللہ مجھ پر بھی اللہ تعالیٰ نے وہی طریق منکشف فرما دیا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ اس طریق کی اصلاح کا وہ کام مجھ سے لے رہا ہے جو اسلاف مذکورین سے اللہ نے لیا۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر نماز باجماعت فرائض وواجبات کا کوئی اہتمام کرتا ہے تو نہ ہی اس کو یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ میں کامل اور بزرگ ہو گیا اور نہ دوسرے ہی اس کو ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں۔

لیکن فرائض و واجبات سے ہٹ کر اشراق، چاشت، اوابین وغیرہ کا کوئی پابند ہوجاتا ہے، تو وہ خود بھی اپنے کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے اور دوسرے بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ ہوگیا حالانکہ فرائض و واجبات اور سنت مؤکدہ کا جو اہتمام حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ ان نوافل کا نہیں لیکن طریق سنت سے ہٹنے میں یہی خطرہ ہوتا ہے کہ شیطان کو رہزنی کا موقعہ مل جاتا ہے اور طریق سنت پر چلنے میں شیطان کو رہزنی کا موقع نہیں ملتا، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے ایک صاحب سے سوال کیا کہ آپ کو مرتبۂ احسان حاصل ہے یا نہیں؟ جواب میں انہوں نے کہا کہ جی حاصل ہے، اس کے جواب میں حضرت گنگوہی نے فرمایا اب آپ کو طریقت کی لائن سے کسی تعلیم کی ضرورت نہیں کیونکہ مرتبۂ احسان کے حاصل ہوجانے کے بعد اشغال صوفیاء میں مشغول ہونا ایسا ہی ہے، جیسے کوئی شخص گلستاں، بوستاں، پڑھنے کے بعد کریما شروع کرے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہیں، مجھ کو سامنے کھڑا کیا اور آپ نے سو مسائل مجھ سے دریافت فرمائے، میں نے ہر مسئلہ کا جواب دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی تصویب فرمائی اور بہت مسرور ہوئے، یہ خواب بیان کرنے کے بعد حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ جس دن سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے میں بہت خوش ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کسی مسئلہ میں پوری دنیا میرے خلاف ہوجائے تب بھی انشاءاللہ حق میری ہی طرف ہوگا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ جب میں ابتداء گنگوہ کی خانقاہ میں آ کر مقیم ہوا تو خانقاہ کے ادب واحترام کا میرے دل ودماغ کے اوپر اتنا غلبہ تھا کہ خانقاہ میں استنجاء کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، قضاء حاجت کے لئے جنگل جایا کرتا تھا۔

اسی طرح لیٹنے اور جوتا پہن کر چلنے پھرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی چونکہ اپنے وقت کے بڑے شیخ اور عارف باللہ کی یہ جگہ تھی۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی مجلس میں تصور شیخ کا مسئلہ زیر بحث تھا، اسی درمیان آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور وجد کے ساتھ آپ نے حاضرین مجلس سے کہا کہوتو کہہ دوں حاضرین نے اس کے جواب میں کہا جی ضرور ارشاد فرمائیں دوبارہ پھر آپ نے اسی کیفیت کے ساتھ فرمایا، کہوتو کہہ دوں اس کے جواب میں بھی حاضرین نے یہی کہا کہ جی حضرت ارشاد فرمائیں پھر تیسری مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہوتو کہہ دوں، تیسری مرتبہ جب تمام حاضرین نے یہ کہا کہ حضرت ارشاد فرمائیں اور اس کے بعد ہمہ تن گوش ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ تین سال تک مکمل حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ اس کے بعد پھر جوش آیا اور آپ نے فرمایا کہوتو کہہ دوں یہ سن کر حاضرین مجلس نے درخواست کی کہ حضرت ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ کئی سال تک حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی کام آپ سے پوچھے بغیر نہیں کیا، اس کے بعد پھر آپ کو جوش آیا اور فرمایا

کہوتو کہہ دوں اس کے جواب میں حاضرین نے عرض کیا کہ حضرت ضرور ارشاد فرمائیں لیکن آپ خاموش ہوگئے اگلے دن بھی حاضرین مجلس نے اصرار کیا لیکن آپ خاموش ہی رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے ایک مرتبہ حضرت مولانا یحیٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں ہے ذرا اس کو دیکھو حضرت مولانا یحیٰ صاحب نے بہت تلاش کیا لیکن ان کو نہیں ملا، حضرت سے جا کر انہوں نے کہا کہ حضرت! وہ مسئلہ تو شامی میں نہیں ہے اس کے جواب میں حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ شامی لے کر آؤ۔ چنانچہ شامی آپ کی خدمت میں پیش کی گئی باوجودیکہ آپ اس وقت بینائی سے معذور تھے، آپ نے صفحہ کو کھول کر رکھ دیا اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو، چنانچہ جب دیکھا گیا تو وہ مسئلہ وہاں لکھا ہوا تھا، حضرت کی اس بصیرت کو دیکھ کر سب حیران رہ گئے، اس کے بعد حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مجھ سے غلط بات نہیں کہلوائے گا، اس لئے مجھے یقین تھا کہ جو بات میں نے کہی ہے وہ کتاب میں ضرور موجود ہے۔

ایک موقعہ پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ مکاشفات کی تین قسمیں ہیں:

۱-تحت التکوین۔اس میں کافر و مسلمان دونوں برابر ہیں۔

۲- مکاشفہ عن لوح المحفوظ۔ یہ خاص ہے مسلمانوں کے ساتھ یہ مکاشفہ کافروں کو حاصل نہیں ہوتا۔

۳- مکاشفہ عن علم اللہ۔ لیکن یہ مکاشفہ خاص ہے حضرات انبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ۔

لیکن پہلے دو مکاشفات میں غلطی کا امکان ہے کیونکہ ان دونوں میں زمان ومکان کی تعیین تخمینہ سے ہوتی ہے اور تخمینہ اور انداز لگانے میں غلطی ہوسکتی ہے۔

برخلاف مکاشفہ کی تیسری قسم کے کہ اس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں، چونکہ حضرات انبیاء علیہ الصلوۃ والتسلیم کے علوم غلطی سے پاک وصاف ہوتے ہیں، نیز اللہ کے علم میں ماضی، حال واستقبال تینوں زمانے برابر ہیں۔ اور حضرات انبیاء کرام کا علم چونکہ ماخوذ ومستنبط ہوتا ہے علم الٰہی سے اس لئے اس میں کسی خطاء یا غلطی کا کوئی احتمال یا امکان نہیں ہوسکتا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے ایک استاد کے حوالہ سے بیان فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو دنیا کا بنانا ہو اور دین سے دور کرنا ہو اس کو طبیبوں کے سپرد کردو اور جس کو دین کا بنانا ہو اور دنیا سے دور کرنا ہو اس کو صوفیاء کے سپرد کردو۔ اور جس کو دین اور دنیا دونوں سے دور کرنا ہو اس کو شاعروں کے سپرد کردو۔

اس پر ایک بزرگ نے سوال کیا کہ حضرت اگر دونوں کا بنانا ہو تو اس کو کس کے سپرد کیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو ناممکن ہے اور اس کے بعد یہ شعر سنایا ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ جمعہ کے دن جمعہ کی اذان کے وقت ہمیشہ کے

لئے اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے، اللہ پاک حضرت کی قبر کو منور فرمائے۔

(۱۲۱) تذکرہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی

حضرت مولانا قاسم نانوتوی جو ہندوستان کے اکابر و اساطین علماء میں سے ہیں جن کی حیثیت لاکھوں علماء کے لئے روحانی جد امجد کی ہے اور جو دار العلوم کے بانی بھی ہیں، آپ کی طرف نسبت کو فضلاء دار العلوم دیوبند سعادت سمجھتے ہیں۔

آپ قصبہ نانوتہ کے رہنے والے تھے جو ضلع سہارنپور کا معروف و مشہور قصبہ ہے اور درجنوں اکابر علماء و اولیاء کا مولد و مسکن ہے جو دیوبند اور گنگوہ کے درمیان واقع ہے، دیوبند سے مغرب کی جانب بارہ میل کے فاصلہ پر یہ قصبہ ہے ایک طرف شہر سہارنپور اور دوسری طرف قصبہ جلال آباد ہے، حضرت مولانا قاسم نانوتوی ۱۲۴۸ھ میں قصبہ نانوتہ میں پیدا ہوئے، آپ کا تاریخی نام خورشید حسین ہے، آپ کے والد بزرگوار کا نام شیخ اسد علی بن غلام شاہ ہے، حضرت مولانا قاسم نانوتوی بچپن ہی سے ذہین محنتی اور سعادتمند تھے، طالب علمی کے زمانہ میں ہمیشہ اپنے رفقاء میں نمایار ہے، آپ نے ابتدائی تعلیم فارسی وعربی کی دیوبند میں حاصل کی اور پھر حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی کے ساتھ دہلی پہونچ کر حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی کے حلقہ درس میں داخل ہوگئے اور وہیں سے صحاح ستہ کی تکمیل کی۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مولانا احمد علی سہارنپوری کے کتب خانہ مطبع

احمدی میں کتابت کے کام کے ساتھ درس وتدریس میں اپنے کو مشغول کر دیا۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا فیض الحسن گنگوہی، مولانا حکیم محمد صادق مرادآبادی کو زمانہ کتابت میں ہی آپ نے حدیث کی اکثر کتابیں پڑھائیں اوراسی زمانہ کے یہ آپ کے فیض یافتہ ہیں۔

اس وقت حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری بخاری شریف پر حاشیہ لکھ رہے تھے، چوبیس پارہ لکھنے کے بعد باقی چھ پاروں کا حاشیہ آپ کے سپرد کر دیا جس کی تکمیل حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے فرمائی اسی دوران آپ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوکر علوم ظاہرہ کے ساتھ علوم باطنہ کی تکمیل کی اوراپنے مرشد کے ایسے منظور نظر بنے کہ آپ کے مرشد نے آپ کے بارے میں ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے، اب مدتوں سے نہیں ہوتے ایک موقعہ پر حضرت حاجی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ پاک اپنے بعض بندوں کو زبان عطاء فرمادیتے ہیں جیسے حضرت شمس تبریز کے لئے مولانا روم کو زبان بنادیا تھا۔

اسی طرح مجھ کو مولانا محمد قاسم ملے ہیں جو میری زبان ہیں جو میرے قلب میں آتا ہے اس کو وہ اپنی زبان سے مدلل ومبرہن کر کے بیان کر دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی (جو حضرت مولانا قاسم نانوتی کے ہم وطن رفیق درس اور ہم زلف تھے) نے فرمایا کہ مولانا قاسم نانوتوی نے طالب علمی کے زمانہ میں ایک خواب دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہیں

اوران سے ہزاروں نہریں جاری ہیں، ان کا یہ خواب مولانا یعقوب صاحب نے اپنے والد محترم حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے بیان فرمایا تو حضرت نے اس کی تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ مولانا قاسم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔

یہی خواب دوسرے انداز سے اس طرح بھی مروی ہے کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے خواب دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی جگہ بیٹھا ہوا ہوں اور میرا چہرہ کوفہ کی طرف ہے اور کوفہ کی طرف سے ایک نہر نکلی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاری ہے اس خواب کو آپ نے شاہ محمد اسحٰق صاحب کے بھائی مولانا یعقوب صاحب سے تعبیر بدل کر اس انداز سے بیان فرمایا کہ حضرت ایک شخص نے اس طرح کا خواب دیکھا ہے۔

تو آپ نے تعبیر دیتے ہوئے فرمایا کہ اس شخص سے جس نے یہ خواب دیکھا ہے حنفی مذہب کو بہت قوت حاصل ہوگی اور وہ خود بھی پکا حنفی ہوگا، اور اس کی شہرت بھی خوب ہوگی لیکن شہرت کے بعد اس کا انتقال جلدی ہو جائے گا۔

چنانچہ آپ کا یہ خواب دارالعلوم دیوبند کی شکل میں شرمندۂ تعبیر ہوا جس کی ابتداء ایک استاذ اور ایک طالب علم سے ہوئی اور ایک مسجد کی مسجدیت کو باقی رکھتے ہوئے اس سے ایک زمانہ تک درسگاہ کا کام لیا جاتا رہا، کیونکہ اس وقت دارالعلوم کی کوئی مستقل عمارت نہیں تھی۔ جب طلباء میں اضافہ ہوا تو مسجد کے ساتھ یہ دارالعلوم کرایہ کے مکانوں میں چلتا رہا، جب تعلیم کا سلسلہ مزید بڑھا تو حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی رائے یہ ہوئی کہ کرایہ کے مکانوں سے کام نہیں چلے گا بلکہ مدرسہ کے نام

سے ایک مستقل جگہ ہونی چاہئے۔ حضرت کی اس رائے سے تمام رفقاء کار نے اتفاق کیا، سوائے حاجی عابد صاحب کے ان کی رائے یہ تھی کہ مسجد کے گردو پیش چند حجرے بنا دیئے جائیں اور اسی سے کام لیا جائے، لیکن حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی اپنی رائے پر قائم رہے اور یہ طے پایا کہ مدرسہ کی تعمیر کے لئے ایک اشتہار جاری کردیا جائے تاکہ سنگ بنیاد میں مختلف علاقوں کے مسلمان جمع اور حاضر ہوسکیں۔ چنانچہ جمعہ کا دن اس کے لئے طے کیا گیا، جمعہ کے بعد حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے وعظ فرمایا اور وعظ ختم ہونے کے بعد تمام حاضرین وموجودین جس میں شہر کے علاوہ باہر کے بھی مہمان تھے، بنیاد رکھنے کے لئے روانہ ہوگئے اور اس جگہ پر پہونچ گئے جو جگہ چار آنہ گز کے حساب سے دارالعلوم کے لئے خریدی گئی تھی، لیکن حضرت حاجی عابد صاحب کا اس وقت بھی اعراض سامنے آیا لیکن حضرت مولانا قاسم نانوتوی بنیاد کی جگہ پر پہونچنے سے پہلے مسجد چھتہ تشریف لے گئے اور آپ نے بڑے درد کے ساتھ حاجی عابد صاحب سے کہا کہ آپ ہمارے بڑے ہیں ہم سب آپ کے چھوٹے ہیں خوردوں کے ساتھ ایسی بے رخی اچھی بات نہیں ہے۔

حضرت کے یہ فرمانے کا حاجی صاحب پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بھی ساتھ ہولیے اور بنیاد کی جگہ پہونچ گئے سب سے پہلی اینٹ دارالعلوم کی حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی تجویز پر میاں جی منے شاہ نے رکھی جو حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب کے نانا تھے، اس کے بعد دوسری اینٹ حاجی عابد حسین صاحب نے رکھی، اس کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے اینٹ رکھی اس کے بعد حضرت مولانا قاسم نانوتوی

نے اینٹ رکھی اس کے بعد وہاں موجود دیگر اکابر اور اولیاء نے اینٹ رکھی۔ اس طرح دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی، جو آگے چل کر عالم اسلام کا مرکز اور کروڑوں انسانوں کی تربیت گاہ اور علم وعمل کا محور بنا جس سے دین کے بڑے بڑے نامور علماء، فقہاء، خطباء، زعماء، ادباء، عقلاء، متبحرین علم وفن پیدا ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند نے جہاں دین کے ہر شعبہ کے شہسوار پیدا کئے وہیں ملک وملت کی خدمت حریت سے بھی بشمول حضرت مولانا قاسم نانوتوی یہاں کے جیالے غافل نہیں رہے۔ چنانچہ جہاد حریت کے ایک اہم کارکن ہونے کی وجہ سے فرنگی حکومت نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی گرفتاری کا بھی وارنٹ جاری کر دیا، مخلص رفقاء کار کے اصرار پر آپ صرف تین دن روپوش رہے اور اس کے بعد باہر نکل کر چلنے پھرنے لگے جس پر احباب کو تشویش ہوئی، مزید روپوشی کی درخواست کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ تین دن سے زیادہ روپوش رہنا آپ سے ثابت نہیں، چونکہ غارثور میں آپ کی روپوشی صرف تین دن ہی ثابت ہے۔

آپ کو اللہ نے جو ذہانت، لیاقت، فراست، ذکاوت، اور ہر ایک علم میں مہارت دی تھی، اس سے آپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ آپ نے فرق ضالہ غیر مقلدیت، شیعیت، بریلویت کے ساتھ آریہ سماج کے بڑے بڑے پنڈتوں کو بھی اپنا لوہا منوادیا اور ان کے لئے لوہے کا چنا آپ ثابت ہوئے۔ مباحثہ شاہ جہاں پور اور روڑکی کا مناظرہ اس کے لئے شاہد عدل ہیں جب ۱۸۷۸ء میں شاہجہاں پور میں عیسائی پادری اس کاٹ اور لوٹس کے ساتھ مناظرہ ہوا تو ان کو بھی انجیل کی تحریف اور

منسوخیت کا قائل ہونا پڑا اور اس موقعہ پر ہندو رہنما منشی پیارے لال نے کہا کہ مولوی محمد قاسم کا کیا کہنا ان کے دل پر علم کی سرسوتی (دیوی) بول رہی تھی، اس قدر علم کے باوجود سادگی اور تواضع ومسکنت کا یہ حال تھا کہ آپ کے حجرہ میں سوائے ٹوٹی ہوئی چٹائی کے اور کچھ نہ تھا سفر میں بھی عموماً ایک ہی جوڑے میں سفر پورا فرما لیتے تھے، اگر سفر طویل ہوتا تو ایک نیلی لنگی ساتھ رکھ لیتے، جب کپڑے زیادہ میلے ہوتے تو لنگی باندھ کر کپڑے اتار لیتے اور خود اپنے ہاتھ سے دھو کر پہن لیتے پوری زندگی کرتے میں کبھی بٹن نہیں لگوایا اور فرماتے تھے کہ یہ نصاریٰ کی علامت ہے کبھی کبھی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں تو کچھ نہیں ہوں لیکن میں نے جن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں وہ سب کچھ تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا اگر یہ مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا پتہ نہ چلتا، پرندوں کے تو گھونسلے بھی ہوتے ہیں، میرا یہ بھی نہ ہوتا اور کوئی میری ہوا تک نہ پاتا۔

ایک مرتبہ بھوپال سے آپ کی طلبی آئی اور پانچ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ طے پائی لیکن آپ نہیں گئے جب بعض خواص نے اصرار کیا کہ چلے جائیں اس سے معیشت میں بھی سدھار آجائے گا، پھر بھی آپ نہیں گئے، آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ مجھ میں کمال سمجھ کر بلا رہے ہیں اور میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا اصرار کے باوجود بالآخر آپ نہیں گئے اور قناعت کے ساتھ زہد والی زندگی کو آپ نے ترجیح دی، اس قدر سادگی انکساری تواضع اور جفاکشی کے باوجود طبیعت میں لطافت اور دماغ میں نزاکت

تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ تقریر فرما رہے تھے، اتفاقاً ایک نہایت بدہیئت شخص سامنے آ کر بیٹھ گیا، حضرت کی طبیعت اس کو دیکھ کر ایسی مکدر ہوئی کہ آپ کی تقریر رک گئی اور اچانک آپ کرسی چھوڑ کر چل پڑے اس کے بعد مجمع بھی منتشر ہو گیا، تھوڑی دیر بعد آپ واپس تشریف لائے تو وہ بدہیئت شخص سامنے سے جا چکا تھا، اس کے بعد آپ نے پوری بشاشت کے ساتھ تقریر مکمل کی۔

دار العلوم کی ضروریات کے باوجود کبھی کسی امیر کبیر، نواب، غنی کے دروازے پر نہیں گئے اور نہ کبھی ان کے سامنے دست دراز کیا، بار ہا ایسا ہوا کہ نوابوں نے آپ کی ملاقات کے اشتیاق کا اظہار کیا اور اپنے دروازہ پر بلایا لیکن ان کے دروازوں پر جانے سے یہ کہ کر معذرت کر دیا کہ نواب صاحب میری ملاقات کے مشتاق ہیں میں ان کی ملاقات کا مشتاق نہیں ہوں۔

لہٰذا وہ چل کر مجھ سے ملنے آئیں میں ان سے ملنے کیوں جاؤں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ چھتہ مسجد میں حجرے کے سامنے چھپر میں بیٹھ کر، حجامت بنوا رہے تھے، اسی درمیان میرٹھ کے ایک رئیس شیخ عبد الکریم آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہو گئے، آپ نے دور سے ان کو آتے ہوئے دیکھ لیا جب وہ قریب آئے تو آپ نے تغافل برتتے ہوئے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا وہ آپ کے پاس پہونچ کر ہاتھ باندھ کر کھڑے رہے، ان کے ہاتھ میں ایک رومال تھا جس میں بہت سارے روپئے بندھے ہوئے تھے جس کو حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے وہ لائے تھے، جب کافی دیر ہو گئی تو حضرت نے رُخ بدلا اور مخاطب کر کے فرمایا

کہ شیخ صاحب کیسے ساتھ مزاج ہیں؟ اس کے بعد انہوں نے سلام کیا اور قدم چومے اور رومال میں بندھا ہوا سارا پیسہ قدموں میں ڈال دیا۔ حضرت نے قدم ہی سے قدم میں پڑے ہوئے پیسوں کو ہٹا دیا، اصرار کے باوجود جب آپ نے قبول نہیں کیا تو جاتے ہوئے حضرت کی جوتیوں میں وہ ڈال کر چلے گئے، جب حضرت باہر نکلے اور جوتیوں میں پڑے ہوئے پیسے دیکھے تو پاؤں کی انگلیوں سے جوتا پکڑ کر سارے پیسوں کو زمین پر گرا دیا اور جوتے پہن لئے اور حافظ انوار الحق صاحب دیوبندی جو آپ کے ساتھ تھے مسکراتے ہوئے آپنے ان سے فرمایا حافظ جی ہم بھی دنیا کماتے ہیں اور دنیا والے بھی لیکن فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں تو وہ قدموں میں آکے گرتی ہے اور دنیا دار اس کے قدموں میں کرتے ہیں تو دنیا ان کو لات مارتی ہے اور ٹھکراتی ہے۔ یہ فرما کر پیسے وہیں تقسیم فرما دیئے۔ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی فرمایا کرتے تھے جو شخص ہم کو محتاج سمجھ کر دیتا ہے اس کا ہدیہ لینے کو جی نہیں چاہتا اور جو اس نیت سے دیتا ہے کہ اس سے ہمارے مال میں گھر میں برکت ہوگی اور قبول کر لینے کے بعد وہ احسان مند ہوتا ہے تو اس کا ہدیہ لینے کو جی چاہتا ہے، اگرچہ دو چار ہی پیسے کیوں نہ ہوں۔

ان سب صفات کے ساتھ آپ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ بہت زیادہ متبع سنت اور عاشق رسول تھے، چنانچہ جب حج کے لئے آپ تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ سے کئی میل دور ہی سے ننگے پاؤں چلنے لگے آپ کو یہ گوارہ نہیں ہوا کہ دیار حبیب میں جوتا پہن کر چلوں جبکہ راستہ میں سنگریزوں اور نوکیلے پتھروں کی بھر مار تھی، لیکن محبت اور عشق رسول میں نوکیلے پتھروں کی چبھن بھول گئے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے فرمایا کہ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور اپنی مبارک چادر میں مجھے ڈھانپ کر کبھی باہر لے جاتے ہیں کبھی اندر لاتے ہیں۔ رداء مبارک سے مجھ کو الگ کرنا نہیں چاہتے، سوتے جاگتے اکثر اوقات یہی منظر آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو جب آپ کی اس کیفیت کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اب آپ کی عمر ختم ہوچکی ہے اور اب جلدی ہی آپ دنیا کو الوداع کہنے والے ہیں۔ چنانچہ اس کے چند روز کے بعد ہی ۴ر جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ مطابق اپریل ۱۷۷۹ء بروز جمعرات بعد نماز ظہر آپ اس دار فانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرما گئے۔

اللہ پاک آپ کی قبر کو منور فرمائے اور امت پر جو آپ نے احسان کیا اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

(۱۲۲) تذکرہ مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی

حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم کا نام مولانا احمد علی نانوتوی ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گھر کے ماحول میں رہ کر حاصل کی، آپ کے علمی ذوق وشوق کو پروان چڑھانے میں آپ کے والد محترم کا کلیدی کردار رہا، جب تعلیمی سلسلہ آگے بڑھا تو آپ اس دور کے ممتاز عالم حضرت

مولانا مفتی الٰہی بخش کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں پہونچ کر علمی تشنگی کو دور کیا۔
حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کا شمار اس علاقہ کے نامور علماء و اساتذہ میں ہوتا تھا، آپ سے شیخ احمد علی سہارنپوری اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی جیسے فیض یاب ہوئے، حضرت مولانا مملوک علی صاحب کچھ عرصہ کے بعد حضرت مولانا سید محمد قلندر جلال آبادی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے، وہاں سے فیض یابی کے بعد آپ دہلی کے لئے روانہ ہوگئے اور دہلی پہونچ کر کچھ عرصہ مولانا عبد اللہ صاحب علوی مرشد آبادی سے فیض یاب ہوئے، اس کے بعد حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کے خاص شاگرد حضرت مولانا رشید الدین خاں صاحب کشمیری سے علوم وفنون کی تکمیل کی، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی سے بھی آپ نے ہدایۃ النحو کے بعض اسباق پڑھے اور آپ کی دعاؤں کی برکت سے آپ کے علم وفن میں جلاء پیدا ہوا، لیکن آپ کے علمی سفر کی آخری درسگاہ حضرت مولانا رشید الدین خاں کشمیری ہی کی درسگاہ تھی حضرت مولانا مملوک علی صاحب پر استاذ محترم کافی شفیق تھے اور استاذ وشاگرد کے تعلقات بھی بہت اچھے تھے اور شاگرد کی ذہانت اور ذکاوت اور علم پر استاذ کو بھروسہ بھی بہت تھا۔

اس لئے جب ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج کا قیام عمل میں آیا تو استاذ محترم اس کے جہاں صدر مدرس طے کئے گئے آپ کی خواہش پر شاگرد کو نائب صدر مدرس کی حیثیت سے طے کیا گیا، جب تک آپ دہلی کالج میں رہے، آپ نے پوری محنت وکاوش کے ذریعہ اس کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا اور اس کا ماحول آپ کی برکت سے اس

دور کی عیسائیت کے فتنہ سے پاک ومحفوظ تھا،آپ کی علمی صلاحیت اور خدمات کی بنیاد پر حضرت مولانا رشید الدین خاں صاحب کے انتقال کے بعد ۱۸۴۱ء میں باقاعدہ آپ کو دہلی کالج کا صدر مدرس طے کر دیا گیا،آپ جب تک دہلی کالج میں رہے پوری فکر ولگن کے ساتھ اور پوری اپنائیت کے ساتھ اس کی خدمت کرتے رہے، اسی درمیان کلکتہ کالج سے بھی آپ کو پیش کش کی گئی،لیکن آپ نے منظور نہیں کیا بلکہ یک در گیر محکم گیر پر مستقل مزاجی کے ساتھ عمل پیرا رہے۔

حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی دہلی کالج کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے ساتھ جو وقت فرصت کا ملتا اس میں طلباء کو درس بھی دیا کرتے تھے اسی زمانہ میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے بیشتر کتابیں پڑھیں اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی بھی جب دہلی تشریف لے گئے تو آپ نے بھی حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی۔اس طرح یہ دونوں حضرات حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے شاگرد بن گئے،اس کے علاوہ سر سید احمد خان نے بھی حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے اکتساب فیض کیا۔

حضرت مولانا مملوک علی صاحب جس وقت دہلی میں مقیم تھے انہی ایام میں حضرت مولانا سید احمد شہید نے تحریک حریت کا آغاز کیا دہلی کالج کی ملازمت کی وجہ سے آپ خود تو تحریک کا حصہ نہیں بن سکے،لیکن آپ نے اپنے حلقہ اثر میں اس تحریک کو ضرور موثر بنایا اور قوت پہونچائی جس کے نتیجہ میں بہت سے افراد اس تحریک کا حصہ بنے۔

یکم ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ میں آپ کی طبیعت خراب ہوئی اور اسی علالت میں ۱۱/ ذی الحجہ، ۷/اکتوبر ۱۸۵۱ء میں ہمیشہ کے لئے اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے، لیکن اپنے بعد ایک ایسے چشم و چراغ کو چھوڑ گئے یعنی حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی جو دارالعلوم دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث اور صدر مدرس بنے اور جن سے سیکڑوں علماء اور اکابرین وقت فیضیاب ہوئے۔

(۱۲۳) تذکرہ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی ۱۳/صفر ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸۳۴ء ضلع سہارنپور کے معروف قصبہ نانوتہ میں پیدا ہوئے، آپ کا تاریخی نام منظور احمد، غلام حسین اور شمس الضحیٰ ہے، آپ حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی کے نامور برخوردار ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کا حفظ نانوتہ ہی میں مکمل کیا جب آپ کی عمر گیارہ سال کی ہوئی تو والد بزرگوار حضرت مولانا مملوک علی صاحب اپنے ساتھ دہلی لے گئے اور میزان و منشعب اور گلستان سے ان کی تعلیم کا آغاز کیا اور تمام علوم متداولہ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے حاصل کئے، لیکن حدیث پاک یعنی صحاح ستہ کی تحصیل حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی سے کی۔

ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں والد بزرگوار حضرت مولانا مملوک علی صاحب نے جب اس دنیا کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا تو اس کے بعد آپ اکیلے پڑ گئے

لیکن پھر بھی ایک سال تک آپ نے دہلی میں قیام کیا، اس کے بعد جب آپ کی ملازمت اجمیر کے گورنمنٹ کالج میں ہوگئی تو تیس روپیہ کی ملازمت پر آپ اجمیر تشریف لے گئے لیکن کم سنی کی وجہ سے وہاں پہونچنے کے بعد آپ کو ڈپٹی کلکرک بنادیا گیا۔

لیکن اس عہدہ کو آپ نے قبول نہیں کیا اس کے بعد سو روپئے ماہانہ تنخواہ پر بنارس بھیجا گیا اور کچھ دنوں کے بعد بنارس سے ڈیڑھ سو روپے کی تنخواہ پر ڈپٹی انسپکٹر بنا کر سہارنپور آپ کو بھیجا گیا۔

سہارنپور میں قیام کے زمانہ میں غدر کا واقعہ پیش آیا اس کے بعد آپ نے سرکاری ملازمت سے استعفی دے کر نانوتہ میں قیام کرلیا کچھ دنوں کے بعد منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میں جو میرٹھ میں تھا حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی کی خواہش پر تصحیح کتب کے کام پر مامور ہوگئے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا یعقوب صاحب دونوں حضرات کی رہائش ایک ہی مکان میں تھی البتہ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی تحتانی منزل میں تھے اور حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی فوقانی منزل کے کمرے میں، ایک مرتبہ ایک طوائف اپنی نوجوان لڑکی کو اپنے ساتھ لے کر جس کا کام غلط پیشہ تھا دعاء کے لئے حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے کمرہ میں آئی اور آکر کہا کہ حضرت یہ میری لڑکی ہے اور گزر بسر اسی کی کمائی پر ہے، لیکن یہ بہت دنوں سے بیمار چل رہی ہے، لہٰذا اس کو دعا کردیں اور کوئی تعویذ دے دیں کہ یہ ٹھیک ہوجائے تاکہ یہ اپنا پیشہ وارانہ کام دوبارہ شروع کرسکے حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی نے یہ کہہ

کر اپنی جان بچائی کہ اوپر والے کمرے میں چلی جاؤ وہاں، ایک بزرگ رہتے ہیں، چنانچہ وہ عورت اوپر گئی اور حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی سے مل کر اس نے پوری بات کہی حضرت مولانا یعقوب صاحب نے نہ معلوم کونسی دعاء کی یا تعویذ دیا کہ ایک ہی دن میں اس کی وہ بیمار بچی ٹھیک ہوگئی کل ہو کر شکرانہ میں وہ مٹھائی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے ایک جگہ مٹھائی رکھوا دیا اس کے بعد وہ عورت چلی گئی لیکن نہ ہی آپ نے اس مٹھائی کو استعمال کیا اور نہ اپنے دوستوں کو دیا بلکہ یہ اعلان کر دیا کہ یہ مٹھائی حرام کمائی کی ہے اس کا کھانا حرام ہے، جس کا دل چاہے لے لے۔ اس کے بعد ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں آپ میرٹھ کا مطبع مجتبائی چھوڑ کر دار العلوم دیوبند تشریف لائے اور یہاں تدریس کے منصب پر آپ فائز ہوگئے، اس کے بعد آپ نے پوری زندگی دار العلوم دیوبند میں گزار دی۔

آپ دار العلوم دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث تھے، آپنے اپنے والد بزرگوار سے علوم نقلیہ وعقلیہ میں مہارت اور ذہانت و ذکاوت وراثت میں پائی تھی، آپکے فیض صحبت اور تعلیم وتربیت سے آسمان علم وفضل کے بہت سے آفتاب ومہتاب بن کر نکلے اور چمکے جنہوں نے پورے عالم کو فیضیاب کیا اور ایک دنیا آپ سے مستفید ہوئی۔

آپ علوم ظاہرہ میں جہاں بے مثال تھے وہیں علوم باطنہ میں بھی آپ ماہر و ممتاز تھے، آپ جہاں قطب ارشاد تھے، وہیں قطب تکوین بھی تھے، آپ کے چہرے سے دیکھنے والوں کو معلوم ہوجاتا تھا کہ آپ اللہ کے ولی ہیں، اکثر آپ پر جذب کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی اور جب جذب کی کیفیت طاری ہوتی تو کئی کئی روز کے لئے

آپ غائب ہو جایا کرتے تھے، آپ کے جذب کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔

ایک مرتبہ آپ دہلی میں تشریف فرما تھے اور کئی روز تک آپ غائب رہے واپسی پر ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت آپ کئی روز سے کہاں تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ حکم ملا کہ دہلی میں جہاں جہاں تمہارا قدم پہونچے گا ہم اس جگہ کو آباد کردیں گے۔ اس لئے میں شہر دہلی اور اس کے گردونواح میں گشت کررہا ہوں تا کہ وہ ساری جگہیں آباد ہو جائیں۔

چنانچہ آپ کا قدم جہاں جہاں پہونچا وہ ساری جگہیں آباد ہو گئیں۔

ایک مرتبہ گنگا جل کے احترام کی وجہ دریافت کرنے کے لئے گنگوتری پہونچ گئے اور کئی روز وہاں مراقب رہے، جب آپ کو یہ بتلایا گیا کہ گنگا جہاں سے نکلی ہے وہاں کسی نبی یا ولی نے وضوء کیا ہے جس کی وجہ سے یہاں سے گنگا کی شروعات ہوتی ہے، اور اسی کی برکت ہے کہ گنگا جل کا احترام لوگوں کے دلوں میں ہے۔

آپ پر اکثر جذب کی کیفیت طاری رہتی تھی جس کی وجہ سے اپنا نام بھی بھول جاتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ خود آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک صاحب کو ایک خط لکھا اور خط مکمل کرنے کے بعد جب دستخط کرنے کی نوبت آئی تو اپنا نام بھول گیا، اسی جذب کی وجہ سے آپ پر اکثر گریہ طاری رہتا تھا، آنکھوں سے کثرت سے آنسو بہتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ کچھ حضرات نے حضرت مولانا یعقوب صاحب سے مثنوی مولانا روم پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو دارالعلوم دیوبند کے حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ

انہیں دارالعلوم میں بیٹھنے دو گے یا نہیں، اگر یہ مثنوی پڑھانے لگے تو دارالعلوم میں نہیں رہیں گے بلکہ جنگلوں میں نکل جائیں گے اور آگ بھڑک اٹھے گی۔

ایک مرتبہ دیوبند میں ہیضہ کی بیماری پھیلی جس کی پیشین گوئی حضرت مولانا یعقوب صاحب نے پہلے ہی کر دی تھی، اس وبا کے پھیلنے کے بعد حضرت مولانا یعقوب صاحب نے اعلان فرمایا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ ہر چیز سے صدقہ نکالیں اس سے انشاءاللہ یہ بلاء دفع ہو جائے گی اس اعلان کے بعد بعض دیوبندیوں (دیوبند کے رہنے والوں) نے یہ کہا کہ لگتا ہے دارالعلوم کو چندہ کی ضرورت ہے، غلہ پیسہ کم ہو گیا ہے اس کی خبر کسی طرح حضرت مولانا یعقوب صاحب کو ہوگئی آپ اس پر بہت برہم اور ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند یہ جملہ کئی مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا پورے جلال کی حالت میں آپ کی زبان سے نکلنے والا یہ جملہ حاجی محمد عابد صاحب اپنے حجرے میں بیٹھے سن رہے تھے، وہ گھبرا کر باہر نکلے اور کہنے لگے کہ حضرت کیا فرما رہے ہیں۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کیا کہا اس کے بعد حاجی محمد عابد صاحب نے اس جملہ کو دہرایا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اب تو یونہی ہوگا۔

چنانچہ اس کے بعد اس کثرت سے ہیضہ کی وباء پھیلی کہ بیس بیس پچیس پچیس جنازوں کی نماز ایک دفعہ ہوتی تھی ایسا لگتا تھا جیسے دیوبند خالی ہو گیا۔

جب یہ وباء ختم ہوئی تو آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں تو سمجھا تھا کہ میرا ابھی وقت آ گیا لیکن کیا ابھی دیر ہے؟

لیکن اس کے بعد اپنے وطن نانوتہ پہونچے اور وہاں پہونچ کر مبتلاء مرض ہوئے اور واصل بحق ہوگئے۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کو امراء، اغنیاء اصحاب ثروت اور نوابوں سے کافی دوری تھی ان کی نظر ہمیشہ اس پہ رہتی تھی۔

بئس الفقير على باب الأمير

اسی لئے باوجود خواہش چاہت اور طلب کے بھی امراء، اغنیاء، نوابوں سے دور رہا کرتے تھے، نواب محمود علی خاں چھتاری کی بہت خواہش تھی کہ آپ کبھی چھتاری تشریف لائیں لیکن باوجود ان کی خواہش اور بعض اہم دوستوں کی درخواست واصرار پر بھی آپ چھتاری تشریف نہیں لے گئے اور آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ جو علماء ان کے یہاں جاتے ہیں ان کو وہ ہدیہ میں سو روپیہ پیش کرتے ہیں اور چونکہ وہ بھی ملاقات کے مشتاق ہیں اس لئے جب میں جاؤں گا تو مجھ کو دوسو روپیہ دیں گے، لیکن میں وہاں جاکر مولویت کے نام پر دھبہ نہیں لگانا چاہتا۔ چنانچہ آپ نہیں گئے۔

آپ کے اندر جہاں اور خوبیاں تھیں ایک خوبی جو بہت بڑی تھی، وہ زہد و قناعت کی تھی ایک مرتبہ والد محترم حضرت مولانا مملوک علی صاحب کی نسبت پر بڑی تنخواہ پر بھوپال آنے کی دعوت دی گئی، لیکن دارالعلوم دیوبند کے قیام کو آپ نے بڑی تنخواہ پر ترجیح دیتے ہوئے بھوپال کی دعوت کو مسترد کردیا اور پوری زندگی دارالعلوم میں گزار دی، وفات سے چند روز قبل وطن مالوف نانوتہ تشریف لے گئے اور وہیں

طاعون کی بیماری میں ۳/ربیع الاول ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء کو داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دار فانی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا۔ ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی جب تک اس دار فانی میں رہے مجذوب ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب کشف و کرامت بھی رہے اور آپ کے مکاشفات و کرامات سے لوگ مستفید ہوتے رہے لیکن انتقال کے بعد بھی آپ کی کرامتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔

چنانچہ ایک مرتبہ نانوتہ میں ٹھنڈی کے ساتھ بخار آنے کی وباء پھیلی جس سے بہت سے لوگوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا، لیکن اس وقت جن لوگوں نے بھی حضرت مولانا یعقوب صاحب کی قبر سے مٹی اٹھا کر اپنے بدن پر باندھ لیا وہ شفاء یاب ہو گئے اور بخار جیسی مہلک بیماری سے نجات پا گئے۔ دھیرے دھیرے یہ خبر نانوتہ اور قرب و جوار میں پھیل گئی اور آپ کی قبر کی مٹی لے جانے والوں کی قطار لگ گئی، اہل خانہ قبر پر مٹی رکھتے رکھتے تھک گئے، اخیر میں ایک دن آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا معین الدین صاحب جو طبیعت کے قدرے تیز مزاج تھے، وہ حضرت کی قبر پر پہونچے اور جا کر کہا آپ کی تو کرامت ہے اور ہماری جان پر مصیبت روز مٹی ڈالتے ڈالتے ہم تھک چکے ہیں، سنو! آج کے بعد اگر اپنی کرامت دیکھائی تو ہم قبر پر مٹی ڈالنا چھوڑ دیں گے ایسے ہی پڑے رہو گے لوگ جوتے پہنکر تمہارے اوپر سے چلیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ کی یہ کرامت ختم ہوگئی اور آپ کی قبر سے لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔

(۱۲۴) حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی ان کے والد کا نام حافظ لطف علی تھا، آپ قصبہ نانوتہ جو ضلع سہارنپور کا ایک معروف ومشہور قصبہ ہے ۱۸۲۳ء میں وہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اور قرآن کریم کا حفظ آپ نے اپنے والد ماجد حافظ لطف علی سے کیا باقی علوم متداولہ کی تحصیل اور تکمیل کے لئے آپ نے دلی کا سفر کیا وہاں پہونچ کر آپ نے حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا صدر الدین صاحب اور حضرت مولانا رشید الدین صاحب سے علوم وفنون کا علم حاصل کیا اور حدیث پاک کی بعض اہم کتابیں حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی سے پڑھیں۔

تکمیل علوم کے بعد تدریسی خدمات کے لئے اجمیر کے کالج میں آپ کی تقرری ہوئی، ایک عرصہ تک آپ نے اس کالج میں بحسن وخوبی تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد آپ آگرہ کالج منتقل ہوگئے اور وہاں بھی آپ نے بحیثیت مدرس ایک زمانہ تک تدریسی فرائض انجام دیئے۔ ۱۲۸۳ھ میں حضرت مولانا سعادت علی صاحب سہارنپوری نے سہارنپور میں مدرسہ کی بنیاد ڈالی تو آپ ہی سب سے پہلے اس کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور بیس سال تک آپ نے اس مدرسہ میں منصب صدارت کو عزت بخشا، آپ کے یہاں آنے کے بعد آپ ہی کی نسبت پر اس مدرسہ کا نام مظاہر العلوم رکھا گیا۔

آپ جہاں حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب

نانوتوی کے مایہ ناز شاگرد تھے، وہیں آپ دہلی کالج کے ممتاز فضلاء میں سے بھی تھے، آپ جہاں قابل فخر محدث تھے وہیں مقبول مدرس بھی تھے، بیس سال کے طویل عرصہ تک آپ نے مدرسہ مظاہر العلوم کی تشنگان علوم کو مختلف علوم وفنون سے فیضیاب کیا اور جلیل القدر اور مایۂ ناز فضلاء کی ایک ٹیم تیار کی۔

ان تلامذہ میں قابل ذکر وفخر ایک نام حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کا بھی ہے جو آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں جنہوں نے آپ ہی کا نہیں بلکہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کا بھی پوری دنیا میں تعارف ہی نہیں کرایا بلکہ نام روشن کیا۔ آپ نے مدرسہ مظاہر العلوم کے مسند حدیث کو ایک زمانہ تک عزت ورونق بخشی اور بذل المجہود لکھ کر آپ نے مدرسہ مظاہر العلوم کو زندہ جاوید بنادیا۔ آپ نے حج کا دو سفر کیا، پہلا سفر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کی رفاقت میں ہوا اور دوسرا سفر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی معیت میں ہوا۔

حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بڑے گہرے مراسم تھے، اگرچہ حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی ان دونوں حضرات سے عمر میں بڑے تھے، لیکن بیعت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے تھے، حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ ایک تخت بچھا ہوا ہے جس کے صدر مقام پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی جلوہ افروز ہیں۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی نے ایک خط حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں روانہ کیا جس میں اس خواب کے تذکرہ کے ساتھ بیعت کی درخواست بھی کی۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے اس کے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ تم ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک سے بیعت ہوجاؤ۔ چنانچہ حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی حضرت حاجی صاحب کا یہ خط لے کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی، حضرت نانوتوی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں ہاتھ بڑھاتا ہوں، آپ ہی مجھے بیعت فرمالیں اس کے جواب میں حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی نے حضرت حاجی صاحب کا خط دکھایا خط دیکھنے کے بعد آپنے فرمایا کہ آپ گنگوہ چلے جائیں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہوجائیں، چنانچہ آپ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت گنگوہی سے اپنی آمد کی غرض بتلائی ابتداءً آپ نے بھی ٹال مٹول سے کام لیا، لیکن پھر آپ نے بیعت فرمالیا، بیعت کے بعد آپ حضرت گنگوہی کے جانثار اور جانباز ہوگئے، پھر محبوب خدام ہی نہیں بلکہ آپ کے خلفاء کے زمرے میں بھی داخل ہوگئے۔

جملہ علوم وفنون کے ساتھ بالخصوص فقہ اور حدیث میں آپ بڑا درک رکھتے تھے مزاج کے اعتبار سے انتہائی سادہ پرہیزگار اور منکسر المزاج تھے، حضرت گنگوہی سے وابستگی کے بعد اس فطری سادگی اور تواضع میں چار چاند لگ گیا تھا، علوم ظاہرہ کے ساتھ علوم باطنہ میں بھی آپ درجہ کمال کو پہونچ گئے تھے، تعلیمی وتدریسی خدمات کے ساتھ عبادت وریاضت سے بھی خصوی شغف تھا، محبت رسول ہی نہیں بلکہ عشق رسول

کے ساتھ اتباع سنت کا بہت اہتمام والتزام تھا۔

ذاتی زندگی کے ساتھ مدرسہ کے معاملات میں تقوی کا حال یہ تھا کہ مدرسہ کے اوقات میں جب کوئی شخص آپ کے پاس ذاتی ملاقات کے لئے آتا تو ابتداء گفتگو اور انتہاء گفتگو پر گھڑی دیکھنے کا اہتمام فرماتے اور جتنی دیر ذاتی گفتگو فرماتے ایک کاغذ پر اس کا اندراج فرما لیتے تھے اور ختم ماہ پر منٹ اور سکنڈ کو جوڑ کر اگر نصف یوم سے کم ہوتا تو نصف یوم اور اگر نصف یوم سے زائد ہوتا تو ایک یوم کی رخصت لکھوا کر تنخواہ وضع کروا دیتے تھے، ان تمام تر خوبیوں کے ساتھ ایک دن وہ بھی آیا کہ ۲۴ ؍ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء کو آپ نے ہمیشہ کے لئے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو منور فرمائے اور اپنی شایان شان اجر جزیل عطا فرمائے۔

(۱۲۵) تذکرہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بڑے عالم اور محدث اور صاحب کشف وکرامت وصاحب توجہ وتصرف اکابرین میں سے تھے۔

آپ کی پیدائش ۱۲۶۹ھ قصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپور میں ہوئی، آپ کے لئے بہت بڑی سعادتمندی کی بات یہ تھی کہ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی آپ کے سگے نانا تھے، اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی شیخ الحدیث اول وصدر مدرس دارالعلوم دیوبند آپ کے ماموں تھے۔

حضرت مولانا مملوک علی صاحب یعنی آپ کے نانا محترم نے آپ کی بسم اللہ کرائی اور آپ نے عربی، فارسی کی ابتدائی کتابیں قصبہ انبہٹہ اور قصبہ نانوتہ کے مختلف علماء سے پڑھیں اس کے بعد اپنے چچا مولانا انصار علی کے ساتھ گوالیار تشریف لے گئے، اور وہاں پہونچ کر آپ نے میزان سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا، کچھ عرصہ کے بعد آپ گوالیار سے انبہٹہ واپس آ گئے اور مولانا سخاوت علی صاحب کے یہاں زیر تعلیم ہو گئے، لیکن کچھ دنوں کے بعد آپ کو انگریزی اسکول میں داخل کرا دیا گیا، لیکن وہاں کی تعلیم سے آپ مطمئن نہیں تھے۔ بالآخر جب ماہ محرم ۱۲۸۳ھ میں دار العلوم دیوبند کا وجود عمل میں آیا اور اس کے صدر مدرس آپ کے ماموں حضرت مولانا یعقوب صاحب مقرر ہوئے تو آپ نے دیوبند آ کر کافیہ سے اپنی تعلیم پھر سے شروع کر دی۔

چھ مہینے کے بعد ماہ رجب ۱۲۸۳ھ میں جب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی بنیاد رکھی گئی اور آپ کے دوسرے ماموں مولانا مظہر صاحب وہاں صدر مدرس بنا دیئے گئے، تو آپ دیوبند سے مظاہر علوم آ گئے اور مختصر المعانی کی جماعت میں آپ شامل ہو گئے، اس کے بعد اخیر تک مظاہر علوم ہی میں رہے اور وہیں سے آپ کی فراغت ہوئی فراغت کے بعد تیس روپے ماہانہ پر آپ معین مدرس وہیں مقرر کر دیئے گئے۔

اس کے بعد تکمیل ادب کے لئے آپ لاہور تشریف لے گئے اور مولانا فیض الحسن صاحب سے علم وادب پڑھا اس کے بعد واپس دیوبند تشریف لے آئے، دیوبند سے آپ منصوری پہاڑ پر مدرس بنا کر بھیجے گئے وہاں چند ماہ کے قیام کے بعد منگلور آپ کو صدر مدرس بنا کر بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد آپ بھوپال پھر بھاولپور بریلی، اور

دیوبند میں وقفہ وقفہ سے تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۳۱۴ھ میں جب آپ کی عمر ۴۵ پینتالیس سال کی تھی بحیثیت صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم میں آپ کا تقرر عمل میں آیا، اس کے بعد آپ نے اپنے ماموں مولانا مظہر صاحب نانوتوی کے لگائے ہوئے علمی باغیچہ کی پوری جانفشانی اور عرق ریزی کے ساتھ باغبانی کی اور اس کی تعمیر وترقی اور اس کی شہرت وآفاقیت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی لیکن علوم عالیہ اور ادبیہ میں دسترس رکھنے کے باوجود آپ کو معرفت الٰہیہ کی جستجو شروع ہوئی۔ چنانچہ آپ نے اپنی اس خواہش کا اظہار حضرت مولانا قاسم نانوتوی سے ملاقات کے وقت کیا اور فرمایا کہ اگر آپ کے نزدیک میرا آپ کے خدام کے سلسلہ میں داخل ہونا بہتر ہو تو مجھ کو اپنی خدمت میں قبول فرمالیجئے، اس کے جواب میں حضرت نانوتوی نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا مشورہ دیا اس کے جواب میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے حضرت گنگوہی سے سفارش کی درخواست کی اس کے جواب میں حضرت نانوتوی نے فرمایا کہ میں جب گنگوہ جاؤں اس وقت چلے آنا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت نانوتوی گنگوہ تشریف لے گئے، اس کی اطلاع پاکر حضرت سہارنپوری فوراً گنگوہ پہونچے اور حضرت نانوتوی کی سفارش پر حضرت گنگوہی نے حضرت سہارنپوری کو بیعت کرلیا۔ اس کے بعد حضرت سہارنپوری سلوک وطریقت کے معمولات کے پابند ہوگئے دن میں تشنگان علوم نبوت کو درس دیتے اور رات کی تنہائیوں میں قرب الٰہی کی جستجو میں محو ہوجاتے، یہ سلسلہ ایک عرصہ تک چلتا رہا اور باطنی وروحانی اعتبار سے آپ ترقی کے منازل طے کرتے رہے،

یہاں تک کہ ۱۲۹۷ھ میں جب آپ کا سفر حج ہوا اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے آپ کی ملاقات ہوئی تو پہلی ہی ملاقات میں آپ نے اپنی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمادیا اور اپنے دست مبارک سے خلافت نامہ لکھ کر آپ کے سپرد کیا، نیز اپنے سر سے دستار مبارک اتار کر آپ کے سر پر رکھ دیا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری جب حج سے واپس تشریف لائے تو آپ نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے ان کی طرف سے عطا کردہ دونوں نوازشات کا تذکرہ کیا۔ حضرت گنگوہی نے اس اجازت نامہ پر دستخط فرمایا اور اجازت نامہ اور دستار دونوں آپ کے سپرد کردیا۔ اس طرح آپ حضرت حاجی صاحب اور حضرت گنگوہی دونوں کے خلیفہ ومجاز قرار پائے۔ حالانکہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بیعت حضرت گنگوہی سے تھے لیکن اجازت حضرت حاجی صاحب نے دی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی پیر سے بیعت ہو تو دوسرا پیر بھی ان کو بیعت کی اجازت دے سکتا ہے اور وہ معتبر ہے اور حضرت حاجی صاحب کا یہ عمل اس کی دلیل ہے جس طرح حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت تھے، لیکن ان کی اجازت سے پہلے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے ان کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرما دیا اور اس پر حضرت تھانوی نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی بزرگ کا صرف دستخط کرنا بھی ان کی طرف سے اجازت کے قائم مقام ہے چونکہ حضرت حاجی صاحب کے اجازت نامہ

پر حضرت گنگوہی نے صرف دستخط کیا یعنی اس تحریر کی تصدیق وتصویب کے ساتھ اپنی طرف سے بھی رضاء کا اظہار فرما دیا اس کے بعد حضرت سہارنپوری حضرت گنگوہی کے بھی خلیفہ قرار پائے اور حضرت گنگوہی کے خلفاء کی فہرست میں آپ کا نام بھی آیا اور آپ مشہور بھی حضرت گنگوہی کی اجازت کے ساتھ ہوئے اور اس پر اپنے بزرگوں میں سے کسی نے نکیر نہیں کی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شیخ کسی کو اجازت دے اور اس کے اجازت نامہ پر دوسرا شیخ دستخط کر دے، تو یہ دستخط شیخ ثانی کی طرف سے بھی اجازت قرار پائے گی اور جب تک شیخ ثانی تقریراً یا تحریراً اپنی اجازت سے رجوع نہ کر لے، جس کی اعتباریت کے لئے شرعی شہود (گواہوں) کی بھی ضرورت پڑے گی اس وقت تک شیخ ثانی کی طرف اجازت کی نسبت معتبر اور درست ہوگی اور کسی کا انکار ونکیر مکابرہ اور عناد کہلائے گا جو مسموع نہیں بلکہ مردود ہوگا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری جس طرح علمی و تدریسی خدمات سے زندگی بھر وابستہ رہے اور سلوک وتزکیہ کی بھی خدمت آپ انجام دیتے رہے، اسی طرح اس دور کے نام نہاد دینی فتنوں کے تعاقب میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ چنانچہ ہدایات الرشید کے نام سے ردشیعیت پر آپ نے ایک لاجواب کتاب تصنیف کی، اسی طرح براہین قاطعہ کے نام سے بھی ایک اہم کتاب آپ نے تصنیف فرمائی جس کے جواب میں بددینوں نے آپ کو کافر تک قرار دیا، لیکن آپ نے ان سب چیزوں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

۱۳۴۴ھ میں آپ حج کے لئے تشریف لے گئے اور رفقاء سفر کو حج کے بعد

ہندوستان بھیج دیا اور آپ نے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرلی اور بعض علماء وطلباء کے اصرار پر ابوداؤد کا درس شروع کردیا لیکن یہ سلسلہ چند روز ہی تک چل سکا۔ اسی طرح آپ کی علمی شاہکار بذل المجہود کی تصنیف وتالیف بھی مدینہ منورہ ہی میں مکمل ہوئی۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے مولیٰ سے تین دعائیں مانگی تھیں، دوتو قبول ہوگئیں ایک باقی ہے۔

(۱) حرمین میں اسلامی شریعت اور حکومت کا نفاذ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔

(۲) موت سے پہلے بذل المجہود کی تالیف مکمل ہوجائے۔

(۳) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار رحمت یعنی جنت البقیع میں تدفین نصیب ہوجائے۔

چنانچہ آپ کی تیسری دعاء بھی قبول ہوئی بذل المجہود کی تالیف کی تکمیل کے آٹھ مہینے بعد ۱۳۴۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کہا کرتے تھے کہ میں چھ سال آپ کی خدمت میں رہا لیکن مجھے یاد نہیں کہ حضرت کی تکبیر تحریمہ کبھی فوت ہوئی ہو عبادت و ریاضت کے ساتھ آپ صاحب کشف وکرامت بزرگوں میں تھے۔ مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں ایک مرتبہ مہمان توقع سے زیادہ آگئے، اور کھانے کا انتظام اتنا نہیں تھا۔ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتحال کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا کہ دیگ کو چادر سے ڈھک دو میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور کچھ پڑھ کر دیگ پر دم کیا

اور فرمایا کہ دیگ پر سے چادر مت ہٹانا، ایک کونہ سے نکال کر کھلاتے رہو۔ چنانچہ سارے مہمان کھانے سے فارغ ہو گئے اس کے باوجود بھی کھانا بچ گیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ سہارنپور میں آریوں سے مناظرہ ہوا جس میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھی شریک تھے، اریوں کا ایک سادھو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، جب مسلمان مقرر تقریر کے لئے کھڑا ہوتا تو وہ گردن جھکا کر تصرف شروع کر دیتا، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مسلم علماء کی تقریریں غیر مرتب اور غیر مؤثر اور غیر مربوط اور پراگندہ ہوتی تھیں اس صورتحال کو بعض علماء نے محسوس کرلیا اس کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو اس کی اطلاع کی گئی آپنے فوراً گردن جھکائی اور اپنا کام شروع کر دیا، اس کے تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ سادھو گھبرا کر مجلس چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، اس کے بعد جتنے مقررین آئے ان کی تقریریں منظّم اور مربوط اور اثر انگیز و دلپذیر ہوئیں جس کے نتیجہ میں اس مجلس میں گیارہ لوگ مشرف باسلام ہوئے، آپ کے بڑوں کا آپ پر اتنا اعتماد تھا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے آپ کے بارہ میں ایک مرتبہ فرمایا کہ تم میرے سلسلہ کے فخر ہو مجھے تم سے بہت خوشی ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ نسبت (یادداشت واحسان) کرشمہ اس کا میرے سعید ازلی قرۃ العینین خلیل احمد کو نصیب ہوئی جس پر ہزار فخر و ناز یہ بندۂ ناساز کر کے اپنا وسیلہ قرار دیئے مطمئن بیٹھا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری اپنے جانشین حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری سے وفات کے وقت یہ فرمایا کہ سیاسی مسائل میں حضرت

شیخ الہند سے رجوع کرنا اور سلوک کے مسائل میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سے رجوع کرنا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری فرمایا کرتے تھے کہ ہر ذاکر کو ذکر باوضوء کرنا چاہئے اور ہر سالک کو باوضوء رہنا چاہئے، یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہر ایک کو تہجد کا بہت اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ یہ صلحاء کا شعار ہے اور روحانیت کے لئے بے حد مفید ہے، اگر رات میں کسی وجہ سے تہجد ناغہ ہوجائے تو سورج نکلنے کے بعد ۱۲ر رکعت تہجد کی نیت سے ادا کرلینی چاہئے، یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہر سالک کے لئے دو چیزیں بہت نقصان دہ ہیں اس سے بہت بچنے کی ضرورت ہے۔

(۱) بدعت اور بدعتیوں کے ساتھ تعلق ومحبت اور لگاؤ۔

(۲) اللہ پاک کی نعمتوں کی ناشکری۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ والوں سے ہر ایک کو وابستہ رہنا چاہئے اور ان سے محبت رکھنی چاہئے، اگر اللہ والوں سے محبت ہوگی تو انشاء اللہ خاتمہ کبھی خراب نہیں ہوگا اور اگر اللہ والوں سے بغض وعناد ودشمنی ہوئی تو خاتمہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہر ایک کو سلسلہ میں ضرور داخل ہوجانا چاہئے، چاہے اس سے معمولات کی پابندی ہو یا نہ ہو۔

لیکن سلسلہ میں داخل ہونا بھی نفع سے خالی نہیں، یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہدیہ انہی کا قبول کرنا چاہئے جو محبت سے پیش کرتے ہوں ایسے لوگوں کا ہدیہ نہیں لینا چاہئے جو کسی جاہ ومنصب یا کسی دنیوی غرض سے دیتے ہوں۔

اتباع سنت کا بہت زیادہ اہتمام تھا۔ خاص طور پر ڈاڑھی سے متعلق آپ کے یہاں بہت شدت تھی، فرمایا کرتے تھے جس کے چہرے پر داڑھی ہوگی، میرا تعلق بھی اس سے رہے گا اور جس کے چہرے پر داڑھی نہ ہو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں سے ہے جو لوگ داڑھی نہیں رکھتے ان کو اللہ کی محبت حاصل نہیں ہوسکتی۔

(۱۲۶) تذکرہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی ہندوستان کے ان اکابرین میں سے ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی عبادت و ریاضت کے ساتھ خدمت دین واشاعت علوم وفنون اور اسلام و مسلمانوں کی بقا اور ملک وملت کی آزادی میں گزار دی۔

اتر پردیش کے شہر بانس بریلی میں ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے، آپ نے حضرت مولانا عبداللطیف صاحب سے قرآن کریم کا کچھ حصہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، جب دارالعلوم دیوبند کا آغاز ہوا تو آپ دیوبند تشریف لے آئے اور دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم کی حیثیت سے آپ نے داخلہ لیا، آپ کے سب سے پہلے استاذ ملا محمود اور آپ ان کے سب سے پہلے شاگرد محمود بنے، مسجد چھتہ میں انار کے درخت کے نیچے آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا اور بتدریج سال بسال آپ آگے بڑھتے گئے۔ بالآخر ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۷۰ء میں آپ دارالعلوم دیوبند سے

فارغ ہوئے۔

آپ کے اساتذہ میں ملامحمود کے علاوہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا شاہ عبد الغنی دہلوی شامل ہیں۔ جن سے آپ نے علمی اکتساب کیا اور مختلف علوم وفنون کی کتابوں کی تدریس سے فیضیاب اور بہرہ ور ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دارالعلوم ہی میں بحیثیت معین مدرس مقرر کر لئے گئے، شروع میں آپ کے سپرد ابتدائی درجات کی کتابیں کی گئیں، لیکن دھیرے دھیرے آپ کی ذہانت و فطانت اور اطمینان بخش انداز تدریس سے متاثر ہوکر منتظمین نے اونچے درجات کی کتابیں دینی شروع کر دیں تا آنکہ ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں آپ دارالعلوم کے شیخ الحدیث بنادیئے گئے اور آپ کے ذمہ بخاری و مسلم شریف کی گئی اور چالیس سال تک آپ نے مسلسل بخاری شریف کا دارالعلوم دیوبند میں درس دیا۔ جس کے نتیجے میں سینکڑوں نامور علماء اور ممتاز اساتذہ جو آپ کے زانوئے تلمذ سے فیضیاب تھے پیدا ہوئے، جیسے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، مولانا اصغر حسین دیوبندی، مولانا اعزاز علی صاحب دیوبندی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا عزیر گل پشاوری، مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی۔

آپ نے علوم ظاہرہ میں کمال حاصل کرنے کے ساتھ علوم باطنہ کی تحصیل کی طرف ہمیشہ توجہ رکھی اور اکابرین وقت بالخصوص حاجی امداداللہ مہاجر مکی اور حضرت

مولانا رشید احمد گنگوہی کے حلقۂ ارادت میں داخل رہے اور آپ حضرت کے بتلائے ہوئے معمولات اور اوراد و وظائف پر سختی سے عمل پیرا رہے۔ درسی مشاغل کے ساتھ شب بیداری، تہجد کی پابندی اور قرآن کریم کی تلاوت جیسے امور سے کبھی غفلت نہیں برتی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دن وہ بھی آیا کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے آپ کو اپنی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا اور اس کی تائید میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی اجازت سے نوازا۔

آپ جہاں علم ظاہر کے پہاڑ تھے اور دارالعلوم دیوبند جیسے مؤقر ادارے کے شیخ الحدیث وصدر مدرس تھے اور باطنی اعتبار سے اونچے مقام پر فائز تھے اس وقت کے آپ بڑے اکابرین کے اجازت یافتہ تھے، اسی کے ساتھ آپ ملک وملت کے لئے ایک عظیم قائد کی حیثیت رکھتے تھے، بالخصوص آزادی ہند کے لئے بہت زیادہ فکرمند اور سوز دروں کے ساتھ متحرک رہتے تھے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے انڈین نیشنل کانگریس کے قیام سے سات سال قبل ثمرۃ التربیت نامی ایک تحریک شروع کی جس کا مقصد تلامذہ کو آزادی ملک کے لئے تیار کرنا تھا۔

اسی طرح ریشمی رومال کی تحریک آپ ہی نے شروع کی جس کے نتیجے میں آپ کو حضرت مولانا حسین احمد مدنی مولانا عزیر گل پشاوری کے ساتھ دسمبر ۱۹۱۶ء میں حجاز میں گرفتار کیا گیا اور مالٹا میں لاکر آپکو قید کیا گیا اور ایک لمبے وقفے تک آپ مالٹا کی قید کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے، اس کے بعد جون ۱۹۲۰ء میں آپ مالٹا کی قید سے رہا ہوکر بمبئی پہونچے، اس کے بعد آپ دہلی تشریف لائے، چندروز قیام کے

بعد آپ دیوبند واپس پہونچے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی جب دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو علماء وطلباء کے بڑے مجمع سے آپنے خطاب فرمایا اور مالٹا کی اسارت سے حاصل کردہ سبق آموز باتیں آپ نے بتلائیں آپ نے فرمایا کہ جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کرتا رہا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی و دنیوی لحاظ سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں، تو اس تباہی کے دو اسباب معلوم ہوئے۔

(۱) امت کا قرآن چھوڑ دینا اور قرآن اور قرآنی ہدایات سے دوری اختیار کرنا۔

(۲) آپسی اختلافات اور خانہ جنگی۔

اس لئے میں مالٹا کے جیل سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی زندگی میں قرآن کریم کی لفظی و معنوی اشاعت وتبلیغ میں صرف کروں گا۔ لہذا لفظی تعلیم کے لئے ہر بستی میں مکاتب قائم کئے جائیں اور بچوں کو اس کی تعلیم دی جائے اور بڑوں کو درس قرآن کی صورت میں معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے ان کو آمادہ کیا جائے۔

اسی طرح سے عائلی اور خاندانی جھگڑوں کو حتی الامکان ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔

اسی طرح ۱۹۱۹ء میں تحریک آزادی کو فروغ دینے کے لئے جمعیت علماء ہند کے نام سے ایک تنظیم جو وجود میں آئی تھی مالٹا سے رہائی کے بعد ۱۹۲۰ء میں آپ بھی اس سے مربوط ہو گئے، ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء مطابق ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ منگل کے دن

آپ کا انتقال ہوا اور مزار قاسمی میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے پہلو میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

(۱۲۷) تذکرہ ابوالحسن علی ہجویری

حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری کا شمار حضرات صوفیاء میں کبار مشائخ میں ہوتا ہے، آپ کا نام علی تھا، آپ کی کنیت ابوالحسن تھی، لیکن گنج بخش (خزانہ بخشنے والا) اور داتا گنج سے مشہور ہوئے۔ آپ ۴۰۰ھ میں غزنی شہر سے متصل ہجویر نامی ایک بستی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام سید عثمان ہے۔ جلاب جو غزنی سے متصل ایک دوسری بستی کا نام ہے وہاں والد محترم رہا کرتے تھے، آپ نے باطنی و روحانی تعلیم شیخ ابوالفضل محمد بن حسن الختلی سے حاصل کی جو جوریہ سلسلہ سے منسلک تھے اور شیخ ابو الحسن علی حضرمی کے مرید تھے جن کو شیخ ابو بکر شبلی سے ارادت تھی اور شیخ ابو بکر شبلی حضرت جنید بغدادی سے بیعت تھے۔

انکے علاوہ شیخ ابوالعباس اشقاقی، الشیخ ابو جعفر محمد بن المصباح الصید لانی، شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیر ی، شیخ ابو عبداللہ محمد بن علی المعروف داستانی بستامی کا شمار بھی آپ کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔

شیخ ابوالعباس اشقاقی کے بارے میں حضرت علی ہجویری فرمایا کرتے تھے کہ آپ علم اصول وفنون میں امام اور اہل تصوف میں اعلیٰ پائے کے بزرگ تھے، مجھے

آپ سے بڑی محبت تھی اور آپ بھی مجھ سے محبت فرماتے تھے، آپ کے مانند کوئی آدمی نہیں دیکھا۔

شیخ ابوجعفر محمد بن المصباح الصید لانی کے بارے میں شیخ علی ہجویری فرمایا کرتے تھے، آپ صوفیاء متاخرین میں روساء متصوفین میں سے تھے علم حقیقت میں بہت فصیح البیان تھے حسین بن منصور الحلاج کے طریق تصوف کی طرف مائل تھے۔

شیخ ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری کے بارے میں حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانے میں ناموراور بلند مرتبہ بزرگ تھے، آپ نے ہرفن میں کتابیں لکھیں اور آپ کی ہر کتاب علمی اور تحقیقی اور عمدہ ہیں، بیکار بحث اور گفتگواور لغو باتوں سے آپ الگ تھلگ رہتے تھے۔

شیخ ابوعبد اللہ محمد بن علی المعروف داستانی بستامی کے بارے میں شیخ علی ہجویری فرماتے تھے کہ آپ تمام علوم کے عالم تھے، آپ بارگاہ حق کے اہل حشمت میں سے تھے۔ آپ کے اخلاق بہت اچھے تھے آپ کا کلام انتہائی مہذب ہوتا تھا، آپ کے اشارات بہت لطیف ہوتے تھے۔

آپ کے طریقت کے شیخ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن الختلی کے بارے میں آپ فرماتے تھے کہ طریقت کی لائن سے آپ میرے مقتدا ہیں، تفسیر حدیث اور تصوف تینوں کے آپ عالم تھے، تصوف میں آپ حضرت جنید بغدادی کے مذہب پر تھے۔ حضرت شیخ حضرمی کے مریداور حضرت سروانی کے مصاحب تھے، ساٹھ سال تک مخلوق سے علیحدہ پہاڑوں میں گوشہ نشیں رہے، زیادہ تر قیام جبل لگام پر تھا۔

میں نے آپ سے زیادہ بارعب صاحب ہیبت کوئی شخص نہیں دیکھا، صوفیوں کے لباس سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔

شیخ علی ہجویری نے روحانیت کو حاصل کرنے کے لئے بہت سے اسلامی ممالک کا سفر کیا جیسے شام، عراق، فارس، کوہستان، بغداد، خراسان، کرمان، ترکستان، آذربائجان، ماوراءالنہر وغیرہ ان مقامات پر بہت سے اہل اللہ سے آپ نے ملاقات کی اور ان کی صحبت و روحانیت سے فیضیاب ہوئے، صرف خراسان میں تین سو بزرگوں سے آپ نے ملاقات کی جن کے بارے میں آپ کا تاثر یہ تھا کہ جن تین سو نفوس قدسیہ سے میں فیضیاب ہوا ان میں سے صرف ایک شخصیت پوری دنیا کے لئے کافی تھی۔

اس کے علاوہ بہت سے آپ کے معاصرین وہ رہے جن سے آپ بہت متاثر ہوئے، جیسے شیخ محمد ذکی بن علاء ان کے بارے میں آپ فرماتے تھے کہ آپ زمانے کے سرداراور محبت کے شعلہ ہیں۔

اسی طرح شیخ قاسم سدوسی ان کے بارے میں آپ فرماتے تھے کہ آپ بہت بڑے پیر اور مجاہدہ کش اولیا میں سے ہیں، شیخ ابوالحسن علی بن بکران کے بارے میں آپ فرماتے تھے کہ بزرگ صوفی ہیں۔اسی طرح شیخ ابوطاہر مکسوف کے بارے میں آپ فرماتے تھے کہ آپ جلیل القدر بزرگ ہیں، اسی طرح خواجہ رشید مظفر بن ابوسعید کے بارے میں آپ فرماتے تھے کہ دلوں کا قبلہ ہیں اور شیخ احمد نجاح سمرقندی کے بارے میں آپ فرماتے تھے کہ زمانے کے بادشاہ ہیں۔

آپ کے نزدیک تصوف کا حاصل دل کو غیر اللہ سے منقطع کرنا اور دنیا سے دل کو خالی کر کے اللہ سے جوڑ لینا تھا، یعنی اللہ کے ساتھ سچی محبت کے ساتھ بندگی میں لگ جانا تصوف کا خلاصہ تھا، کسی خاص وضع کے اختیار کرنے کی کوئی اہمیت آپ کے نزدیک نہیں تھی، البتہ اس کا اہتمام ضرور تھا کہ طالب کو ہر حال میں شریعت اور علم کا پیروکار ہونا چاہئے، کیونکہ سلطان علم سلطان حال پر غالب اور اس سے افضل ہے۔

چنانچہ حضرت ہجویری خود مسلسل چالیس برس سفر میں رہے، لیکن کبھی نماز با جماعت ناغہ نہیں کیا، اور جمعہ کی نماز کا خصوصیت کے ساتھ اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ جمعہ کے دن کسی قصبہ میں قیام فرماتے تا کہ با جماعت نماز جمعہ ادا کر سکیں، آپ کا لباس رہن سہن عام انسانوں جیسا تھا، اس وقت کے صوفیاء کے لباس اور وضع قطع سے آپ کو سخت وحشت تھی۔

نکاح کے بارے میں آپ کی رائے یہ تھی کہ جو شخص مخلوق میں رہنا چاہے اور خلق کے جھمیلوں سے اسے دلچسپی ہو اس کو ضرور نکاح کر لینا چاہئے اور جس کو بغیر نکاح کے زنا جیسے عظیم گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اس کے لئے تو نکاح کرنا فرض ہے اور جو ان ساری چیزوں سے منزہ مبرہ ہو اس کو چاہئے کہ وہ بغیر کسی جھمیلے کے یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں لگا رہے۔

کیونکہ آپ کی عمر کا بیشتر حصہ سفر کی حالت میں گزرا اس لئے شادی بیاہ کے الجھنوں سے آپ نے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھا اور پوری زندگی تجرد کے ساتھ آپ نے گزار دی، اگر چہ تجرد کی وجہ سے آپ کو مشکل حالات سے گزرنا پڑا، لیکن اللہ کے

خصوصی فضل وکرم اور خصوصی فضل نے آپ کی حفاظت فرمائی۔

آپ اپنے شیخ اور مرشد کے حکم سے تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے لئے سلطان محمود غزنوی کے بیٹے ناصر الدین کے زمانے میں ۱۰۴۰ء میں لاہور تشریف لائے، آپ سے پہلے آپ کے پیر بھائی حسین زنجانی خدمت پر مامور تھے، اس لئے آپ کو لاہور آنے کا حکم ملا تو آپ نے اپنے شیخ سے معذرت کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ وہاں تو شیخ حسین زنجانی موجود ہیں، پھر میری کیا ضرورت ہے، لیکن اس کے باوجود شیخ کا یہی حکم تھا کہ تم لاہور ہی جاؤ۔ رات کے وقت میں لاہور پہنچا اور صبح کے وقت حسین زنجانی کا جنازہ باہر لایا گیا۔

آپ نے اگرچہ لاہور کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کا بھی سفر فرمایا، لیکن زیادہ تر قیام لاہور ہی میں رہا، آپ کے سن وفات کے سلسلے میں مؤرخین کا شدید اختلاف ہے، لیکن بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق آپ کا انتقال ۵۰۰ ھ میں ہوا، اور لاہور میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

ناصر الدین مسعود کے بیٹے ظہیر الدین نے آپ کا روضہ تعمیر کروایا اور خانقاہ کا فرش وغیرہ جلال الدین اکبر نے بنوایا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر جیسے اکابر اولیاء نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کی اور آپ کی روحانیت سے فیضیاب ہوئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے چلہ کشی کے بعد رخصت ہوتے وقت ایک شعر پڑھا جو بہت مشہور ہوا اور اس کی برکت سے گنج بخش کے نام سے آپ

کی شہرت ہوئی۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آپ کا عرس ہر سال لاہور میں ۱۸رصفر سے ۲۰رصفر تک ہوتا ہے۔آپ کی تصنیفات میں کشف المحجوب بزبان فارسی تصوف کی مشہور و نایاب اور پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے مثال کتاب ہے، تصوف کی حقیقت پر مفصل گفتگو اس میں موجود ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کشف المحجوب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کو کشف المحجوب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے اس کی برکت سے اس کو مرشد مل جائے گا۔

حضرت شرف الدین یحیٰ منیری نے بھی اپنے مکتوبات میں بھی کشف المحجوب کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت علی ہجویری فرمایا کرتے تھے کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے اور نفسانی خواہشات کو روکنا جہاد اکبر ہے، نماز کے بارے میں شیخ علی ہجویری نے لکھا ہے کہ نماز بندے کو خدا کے راستے پر پہنچاتی ہے اور اصل نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو اور روح عالم ملکوت میں اور وضو جسم کے طہارت کے ساتھ باطن کی طہارت کا ذریعہ ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں تصوف محض علوم وفنون کا نام نہیں بلکہ یہ اخلاق کا نام

ہے اور اخلاق میں یہ اہم ہے کہ خدا کے احکام کو لغویات سے پاک ہوکر پورا کریں، بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا اور کسی سے معاوضہ کا طلبگار نہ ہونا اور نفسانی خواہشات کی اتباع نہ کرنا حاصل تصوف ہے۔

حضرت شیخ علی ہجویری نے حضرت جنید بغدادی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جس سے آٹھ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیم کی پیروی ہوتی ہے۔

(۱) سخاوت حضرت ابراہیم جیسی ہو

(۲) رضا حضرت اسماعیل جیسی ہو۔

(۳) صبر حضرت ایوب جیسا ہوا

(۴) اشارات حضرت زکریا جیسے ہوں۔

(۵) غربت حضرت یحیٰ جیسی ہو۔

(۶) سیاحت حضرت عیسیٰ جیسی ہو

(۷) لباس حضرت موسیٰ جیسا ہو۔

(۸) فقر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ہو۔

الغرض کشف المحجوب حضرت شیخ علی ہجویری کی زندگی کے ذاتی تجربات، مکاشفات، مجاہدات کے علاوہ حضرات صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اہل بیت اور اہل تصوف کے تذکرے پر مشتمل ہے جو خواص وعوام کے لئے یکساں نافع ہے اور سالکین کے لئے اس کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

(۱۲۸) تذکرہ خواجہ نظام الدین اولیاء

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ہندوستان کے کبار اولیاء میں سے ہیں صاحب کشف وکرامت اور صاحب سلسلہ بافیض بزرگوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ کی پیدائش ۹/اکتوبر ۱۲۳۸ء میں بدایوں شہر میں ہوئی، آپ کا اصل نام سید محمد نظام الدین ہے، والد کا نام سید احمد بخاری ہے، آپ مختلف القاب سے جانے پہچانے جاتے ہیں، نظام الاولیاء، محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیاء، زر بخش وغیرہ۔

آپ کے جدامجد سید علی بخاری اور آپ کے نانا خواجہ عرب بخارا سے ہجرت کر کے بدایوں آئے تھے۔

آپ کی عمر ابھی پانچ سال کی ہوئی تھی کہ والد بزرگوار کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا، لیکن آپ کی بلند ہمت والدہ نے محنت ومشقت کر کے آپ کی عمدہ پرورش کی کچھ ہی عرصہ کے بعد آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز کر دیا، آپ بدایوں کے قاری مقری سے قرآن کریم کی تعلیم کا آغاز فرمایا، اس کے بعد مولانا علاء الدین اصولی سے آپ نے قدروری کی تعلیم حاصل کی اور حضرت مولانا کمال الدین صاحب سے مشارق الانوار کی تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی سے آپ نے باقی علوم کی تحصیل کی، سولہ سال کی عمر میں آپ بدایوں سے دہلی آگئے اور حضرت مولانا شمس الدین خوارزمی سے بھرپور استفادہ کیا اور اپنی ذہانت اور محنت سے علمی امتیاز اور تفوق پیدا کر لیا۔

ذہانت کا یہ عالم تھا کہ آپنے مقامات حریری زبانی یاد کرلی تھی بعد میں اس پر آپ کو افسوس ہوا تو اس کے کفارے میں آپ نے حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کو حفظ کیا۔

ظاہری علوم کی تحصیل کی تکمیل کے بعد آپ نے بیس سال کی عمر میں اجودھن کا سفر کیا جس کا ذکر آپ بارہ سال کی عمر سے سن رہے تھے اور اسی وقت سے آپ کے دل میں اس جگہ کی اور صاحب جگہ کی کشش پیدا ہوگئی تھی، گویا کہ اب آپ نے علوم باطنہ کی تحصیل کی طرف قدم بڑھا دیا جب آپ بابا فرید الدین گنج شکر کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے تو آپ کو دیکھ کر بابا فرید الدین گنج شکر نے یہ شعر پڑھا ۔

اے آتش فراقت دل ہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت جاں ھاں خراب کردہ

اس کے بعد آپ حضرت بابا فرید الدین کے دست بابرکت پر بیعت ہوئے، بابا نے آپ کے ساتھ خصوصی عنایت کا معاملہ فرمایا اور بڑے اہتمام کے ساتھ شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصوف پر معروف و مشہور کتاب عوارف المعارف کے چھ ابواب پڑھائے اور اس کے علاوہ آپ سے تصوف کی دوسری کتابیں بھی پڑھیں اور جب تک بابا فرید الدین گنج شکر نے آپ کی تکمیل باطن کے لئے آپ کے قیام کی ضرورت محسوس کی آپ وہاں مقیم رہے۔

بالآخر ایک دن وہ بھی آیا کہ آپ کو اپنی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا اپنا لعاب دہن حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے دہن مبارک میں ڈالا اور چند نصائح

سے آپ کو سرفراز فرمایا کہ قرآن مجید کے حفظ پر دھیان دینا اپنے کو مجاہدے میں مشغول رکھنا نفلی روزے رکھنا بابا نے یہ بھی فرمایا کہ تم سایہ دار درخت کے مانند ہوگے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام پائے گی اپنی استعداد کی ترقی کے لئے مجاہدے کرتے رہنا ان وصایا کے ساتھ خلعت خاص سے سرفراز فرمایا، اور خلافت نامہ لکھ کر آپ کے سپرد کیا اور یہ ہدایت کی کہ ہانسی میں مولانا جمال الدین کو اور دہلی میں قاضی منتخب کو بھی خلافت نامہ دکھا دینا۔

جب خواجہ نظام الدین اولیاء بابا فرید الدین گنج شکر کی یہ دولت لازوال لے کر دہلی تشریف لائے تو دہلی میں لا مکان ہونے کی وجہ سے آپ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے، اس کے ساتھ فقر و فاقہ بھی آپ سے وابستہ رہا، کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ کئی روز گزر گئے اور کھانے کی کوئی چیز میسر نہیں آئی، اسی حال میں آپ خلق خدا کی تربیت اور تبلیغ دین کے مقدس مشن پر مکمل طور پر کاربند رہے۔

تا آنکہ آپ کے شیخ بابا فرید الدین گنج شکر کے وصال کی خبر آپ کو ملی، جب آپ اجودھن پہنچے تو مولانا بدرالدین اسحاق نے بابا کا جامہ مصلی اور عصاء آپ کے سپرد کیا، یہ گراں قدر امانت لے کر آپ دوبارہ پھر دہلی تشریف لائے اور دہلی کے غیاث پور میں آپ نے قیام فرمایا، اس سفر کے بعد خلق خدا اور طالبین کا رجوع شروع ہوا اور فتوحات کے دروازے کھلے اور عوام وخواص کا رجوع عام آپ کی خانقاہ کی طرف ہونے لگا۔

پھر تو عالم یہ ہوگیا کہ صبح سے شام تک فتوحات کی لائن لگنے لگی، اور لینے

والے سے زیادہ لانے والے ہوگئے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی دل کھول کر تقسیم کرنا شروع کیا اور خلق خدا کو خوب فیضیاب فرمایا۔

لیکن ان سب کے باوجود کسی کی زمین و جائیداد کبھی قبول نہیں کی اور نہ ہی سلاطین وامراء کے قریب ہوئے اور نہ ہی اہل سیاست سے کبھی آپ کا کوئی تعلق رہا بلکہ بابا کی وصیت کے مطابق ریاضت ومجاہدے میں اپنے کو مشغول رکھا، پوری رات میں کئی کئی سو رکعتیں آپ نفلیں پڑھا کرتے تھے، پیرانہ سالی میں بھی برابر روزانہ روزہ رکھتے تھے افطاری وسحری بھی بہت معمولی ہوتی تھی، حرارت عشق اور محبت کی تپش کے ازالہ کے لئے کبھی کبھی سماع کا بھی شغل ہوتا تھا، مزامیر اور آلات غنا سے مکمل پرہیز تھا، اپنے خلفاء کو ہمیشہ قرآن کی تلاوت اور حفظ کی تاکید کرتے تھے خود بھی متبع سنت تھے اور سنت کے اہتمام کی تاکید فرماتے تھے۔

آپ کے لنگر خانے میں ہزاروں من کھانا پکتا، ہزاروں کی تعداد میں فقراء و مساکین خانقاہ سے کھانا کھاتے تھے، وصال سے قبل جب آپ بیمار ہوئے تو آپ نے وصیت کی کہ گھر اور خانقاہ کے اندر جو کچھ ہے میرے بعد یہ سب غرباء ومساکین میں تقسیم کردیا جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق خواجہ محمد اقبال نے ہزاروں من غلہ غرباء ومساکین میں تقسیم کردیا، آپ کا انتقال ۱۸/ ربیع الثانی بروز بدھ ۷۲۵ھ مطابق ۴/ مارچ ۱۳۲۴ء کو طلوع آفتاب کے وقت ہوا، آپ کی مسجد کے پورب طرف آپ کی تدفین عمل میں آئی، جو آج بستی نظام الدین کے نام سے موسوم ہے۔

آپ کے مشہور خلفاء میں مولانا شمس الدین یحیٰ، مولانا فخر الدین، مولانا

علاء الدین، مولانا برہان الدین، مولانا شہاب الدین، مولانا سراج الدین، امیر خسرو، حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی وغیرہم ہیں۔

(۱۲۹) تذکرہ خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی

حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی سلسلہ چشتیہ کے ممتاز بزرگوں میں ہیں اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ممتاز خلفاء میں ہیں، سلسلہ چشتیہ میں چراغ دہلوی کے نام سے آپ معروف ومشہور ہیں، آپ کا نام محمود ہے، چراغ دہلی آپ کا لقب ہے، والد کا نام شیخ یحیٰی ہے، آپ کے دادا کا نام سید عبداللطیف ہے۔آپ کے دادا محترم سید عبداللطیف سب سے پہلے خراسان سے ہندوستان تشریف لائے اور کچھ عرصہ لاہور میں قیام فرمایا، آپ کے والد ماجد شیخ یحیٰ لاہور ہی میں پیدا ہوئے اوراس کے بعد اودھ منتقل ہوگئے، اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

اودھ کے فیض آباد شہر سے متصل ایودھیا میں ۱۳ر ستمبر ۱۳۵۶ء میں خواجہ نصیر الدین محمود پیدا ہوئے آپ کی عمر ابھی نوسال کی ہی تھی کہ والدمحترم کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا، آپ کی والدہ نے دینی تعلیم کے لئے آپ کو مولانا عبدالکریم شیروانی کے پاس بٹھایا، ان کے انتقال کے بعد آپ مولانا افتخار الدین گیلانی کے حلقہ درس میں شامل ہوگئے اوران سے علوم ظاہرہ کی تکمیل کی۔

بچپن ہی سے آپ پر زہدوتقوی کا اثر غالب تھااور بچپن ہی میں نماز باجماعت

کے آپ پابند ہوگئے تھے، کسی بھی حال میں جماعت فوت نہیں ہوتی تھی۔

۲۵؍سال کی عمر میں آپ نے تجرد کی زندگی اختیار فرمائی اور تقرب خداوندی کی جستجو میں لگ گئے۔ چنانچہ ایک درلیش کے ساتھ آٹھ سال تک جنگل و بیابان میں آپ چکر لگاتے رہے، لیکن اس صحراء نوردی میں بھی آپ نماز باجماعت کے پابند رہے۔

۴۳ سال کی عمر میں بالآخر آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت بابرکت میں پہنچ گئے اور آپ سے بیعت کا شرف حاصل کیا، بیعت ہونے کے بعد علوم باطن کی جستجو میں آپ لگ گئے اور پیر و مرشد کی ہدایت کے مطابق ریاضت ومجاہدہ شروع کردیا اور مجاہدہ بھی اتنا سخت کہ دس دس دن گزر جاتے اور کچھ تناول نہ فرماتے، بھوک کا جب غلبہ ہوتا تو لیمو کا عرق پی لیتے۔

کچھ دنوں تک خواجہ نظام الدین اولیاء کی صحبت بابرکت میں رہنے کے بعد والدہ کی خدمت کی وجہ سے دہلی سے ایودھیا چلے گئے اور وہاں رہ کر عبادت وریاضت کو جاری رکھا۔ البتہ گاہ بگاہ دہلی آتے جاتے رہے، لیکن والدہ کے انتقال کے بعد مستقل دہلی ہجرت کر گئے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے حجرہ خاص میں سکونت پذیر ہوگئے، اس طرح حضرت کی بھرپور خدمت کے ساتھ حضرت کی بھرپور توجہ اور فیوض و برکات کے اکتساب کا بھرپور حصہ ملا جس کی وجہ سے باطنی کیفیات میں رسوخ کے ساتھ بہت جلدی ترقی کے منازل آپ نے طے کر لئے اور ایک دن وہ آیا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے خرقہ، عصاء، کاسہ، اور نعلین دے کر اپنا جانشین مقرر فرما دیا اور دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبر وسکون سے برداشت کرنے کی تلقین

فرمائی۔

جانشینی کے بعد ابتدائی دور بہت ہی تنگی اور ترشی میں گزرا، ایک بار ایک دن آپ نے روزہ رکھا اور مسلسل دو دن تک کھانے کو کچھ نہیں ملا، تنگی کی وجہ سے اکثر راتیں ایسی گزرتی تھیں کہ آپ اندھیرے میں پوری رات گزارتے تھے، چراغ کے تیل کا انتظام نہیں ہو پاتا تھا۔

لیکن نظام قدرت ہے **ان مع العسر یسرا**۔ ہر تنگی کے بعد آسانی اور راحت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد غیبی نصرت شامل حال ہوئی اور تنگی، خوشحالی سے تبدیل ہوگئی، پھر تو مہمانوں اور مریدوں کے لئے عمدہ اور لذیذ کھانوں کا انتظام ہونے لگا، خود اکثر نفلی روزہ رکھتے تھے لیکن مہمانوں کو پر تکلف کھانے پیش فرماتے تھے اور بہت محبت سے مہمانوں کو کھلاتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے دست مبارک سے برتنوں میں پلاؤ پروس رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے یارو خوب کھاؤ یہ بھی فرمایا کہ حلال اور طیب کھانا وہ ہے کہ کھاتے وقت اللہ کا استحضار رہے اور یہ نیت ہو کہ اس کھانے سے جو قوت پیدا ہوگی اس کو عبادت و طاعت میں صرف کروں گا ایک مرتبہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دنیا کی مثال سایہ کی طرح ہے اگر تم اس کی طرف رخ کروگے تو وہ تم سے پیچھے ہوگا، یعنی، روگرداں ہوگا لیکن اگر تم اس کی طرف اپنا پشت کروگے تو وہ تمہارے آگے ہوگا۔

ایک مرتبہ مکہ معظّمہ کے ایک بزرگ نے سید جلال الدین بخاری سے کہا کہ

اگر دلی شہر کے سارے مشائخ چلے گئے تو بھی کوئی بات نہیں، کیونکہ ان کی ساری برکتیں اور کرامتیں شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہیں ان کی ذات سراپا غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں یہ سن کر شیخ جلال الدین بخاری مکہ معظّمہ سے دہلی آئے اور شیخ خواجہ نصیر الدین سے ملاقات کر کے مکی بزرگ کی پوری بات نقل کی اور وہیں سے آپ چراغ دہلی کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ اگرچہ بعض حضرات یہ لکھتے ہیں کہ حضرات خواجہ نظام الدین اولیاء نے آپ کو چراغ دہلی کے لقب سے سرفراز فرمایا، آپ صاحب کشف و کرامت اور اپنے شیخ کے سچے جانشین تھے روزے کا اہتمام بہت فرماتے تھے، کثرت سے نفلی روزہ رکھا کرتے تھے، شرعی احکام کی بہت سختی سے پابندی فرمایا کرتے تھے، اسی وجہ سے قوالی کو خلاف سنت قرار دیتے تھے۔

بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین کی مجلس کی خوشبو خواجہ نصیر الدین کی مجلس سے آتی تھی اور اس زمانے کے بعض اولیاء یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے انتقال فرمانے کے بعد دہلی کی ولایت اور قطبیت خواجہ نصیر الدین محمود کی طرف منتقل کردی گئی۔

جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو آپ نے شیخ رکن الدین سے فرمایا کہ مجھے جب قبر میں اتارنا تو میرے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء کی دی ہوئی امانتیں۔ اس طرح سپرد کردینا کہ خرقہ، میرے سینے پر کاسہ سر کے نیچے، تسبیح انگلیوں کے نیچے اور نعلین پشت کے ایک طرف اور عصاء پشت کے دوسری طرف رکھ دینا۔ چنانچہ مریدین نے تدفین کے وقت ایسا ہی کیا۔

آپ کا انتقال ۱۸؍رمضان ۷۵۷ھ مطابق ۱۳۵۶ء میں دہلی میں ہوا آج بھی آپ کا مزار دہلی کے جس خطے میں ہے وہ چراغ دہلی کے نام سے موسوم ہے، مرجع خلائق ہے۔

آج بھی عوام وخواص آپ کے روحانی فیض سے مستفیض ہوتے ہیں اور قلبی سکون حاصل کرنے کے لئے لوگوں کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

آپ کے مشہور خلفاء میں سید جلال الدین بخاری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور سید محمد گیسو دراز ہیں۔ اللہ پاک ان اولیاء کے فیوض و برکات سے ہمیں مالا مال فرمائے۔ آمین

(۱۳۰) تذکرہ حضرت خواجہ گیسو دراز

حضرت خواجہ گیسو دراز کا شمار بھی اونچے بزرگوں میں سے ہوتا ہے، آپ کا روحانی تعلق سلسلہ چشتیہ سے ہے، آپ حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کے اجل خلفاء اور آپ کے جانشین ہیں۔

آپ کا نام محمد تھا، آپ کی کنیت ابوالفتح تھی، لیکن آپ خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسو دراز کے لقب سے مشہور ہوئے حضرات علماء اور ماہرین دینیات انہیں شیخ ابو الفتح صدرالدین محمد دہلوی کے نام سے جانتے تھے۔

آپ کے آباء واجداد ہرات سے ہجرت کر کے دلی آ گئے تھے، اور دلی کو اپنا

مسکن بنالیا تھا، آپ کے والد کا نام سید یوسف ہے جو سید راجہ کے نام سے بھی مشہور تھے، آپ انتہائی نیک باز اور پاکباز لوگوں میں سے تھے اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ ۷۲۱ھ میں ۴ر رجب المرجب کو آپ کی پیدائش ہوئی۔

آپ کے والد شروع ہی سے تعلیم کے دلدادہ تھے، اس لئے آپ نے ہمیشہ تعلیم کی اہمیت پر زور دیا خود عبادت اور مراقبہ میں زیادہ وقت گزارتے تھے۔

خواجہ گیسو دراز جب دس سال کے تھے تو ان کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد آپ کے نانا نے آپ کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی اور آپ نے انکو ابتدائی کتابوں کی تعلیم دی، اس کے بعد آپ نے حضرت تاج الدین بہادر اور قاضی عبد المقتدر جیسے کبار علماء سے علمی فیض حاصل کیا، پندرہ سال کی عمر میں وہ دلی لوٹ آئے اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے دست مبارک پر بیعت ہو گئے، پھر حضرت مرشد کی ہدایات کے مطابق عبادت و ریاضت میں لگ گئے، نوافل یعنی اشراق، چاشت وغیرہ کے پابند ہو گئے اور نفلی روزے بھی رکھنے لگے، ذکر و فکر اور مراقبہ سے آپ کی دلچسپی بڑھ گئی اور علوم ظاہرہ سے آپ کا دل ہٹ گیا، لیکن آپ کے مرشد حضرت چراغ دہلوی نے یہ کہہ کر کہ تم سے ایک اور کام لینا ہے، آپ کو علوم ظاہرہ میں لگا دیا۔ چنانچہ پھر اپنے مرشد کی ہدایت کے مطابق علوم و فنون میں پورا کمال پیدا کرلیا اور آپ نے درجنوں کتابوں کی تصنیف کی جس میں تفسیر قرآن کریم کے علاوہ عوارف المعارف اور فصوص الحکم جیسی تصوف کی اہم کتابوں کی شرح لکھی اور آپ کا شمار کثیر التصانیف بزرگوں میں ہونے لگا، اس کے بعد پھر دھیرے دھیرے ریاضت

ومجاہدہ کی طرف عود کر آئے جنگلوں میں جا کر عبادتوں میں مشغول رہنے لگے، بہت اہتمام سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگے، التزام کے ساتھ تہجد پڑھنے لگے، اس کے بعد ذکر ومراقبہ میں مشغول ہونے لگے، آپ یہ فرماتے تھے کہ جو شخص ذکر ومراقبہ نہ کرے اس کو برسوں روزہ نماز کے باوجود کوئی راہ نہیں ملتی، ایک دن وہ آیا کہ پھر اپنے مرشد حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے پاس آ کر مقیم ہو گئے اور دل وجان سے آپ کی خدمت میں مصروف ہو گئے اور اتنے قریب ہوئے کہ جب حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کا انتقال ہوا تو آپ ہی نے خواجہ صاحب کو غسل دیا اور حضرت خواجہ صاحب نے اپنے انتقال سے پہلے آپ کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر فرما دیا، اس کے بعد جو حضرات حضرت چراغ دہلوی سے منسلک تھے سب آپ سے بیعت ہو گئے اور حضرت چراغ دہلوی کے انتقال کے بعد کافی عرصے تک آپ دہلی میں مقیم رہے۔

لیکن شاہی خاندان کی خواہش اور اصرار پر حضرت سید گیسو دراز ۸۰۱ھ میں گلبرگہ منتقل ہو گئے اور تا حیات وہیں پر عوام وخواص کو اپنی روحانیت سے فیضیاب فرماتے رہے، دکن کے عوام وخواص میں آپ کی بڑی مقبولیت تھی، شاہی خاندان اور شہزادے بھی روحانی استفادے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور فیضیاب ہو کر واپس ہوتے تھے۔ حضرت خواجہ گیسو دراز کے یہاں ہر ایک کی قدر تھی، اگر بادشاہ ملنے کے لئے آنا چاہتا تو آپ انکار نہیں فرماتے تھے بلکہ اس کے لئے اچھا کھانا پکانے کا حکم دیتے اور سلاطین ماحضر کو بہت شوق سے تناول فرماتے اور تبرک کے طور پر دسترخوان سے اپنے ساتھ بھی لے جاتے۔

لیکن حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز خود شریعت کے بہت سختی سے پابند تھے، جب کوئی شخص مرید ہونے کے لئے آتا تو زبان ونگاہ کی حفاظت کا خصوصی عہد لیتے اور شریعت پر قیام کے ساتھ نماز با جماعت کی تاکید فرماتے، دیگر اوراد و وظائف کے ساتھ ایام بیض کے روزوں کے اہتمام کی ہدایت فرماتے۔

طریقت کے ساتھ شریعت کا کام بھی اللہ نے آپ سے خوب لیا، چنانچہ آپ کی تصنیفات کی تعداد کم وبیش تیس سے زیادہ ہیں اور طریقت کے لائن سے آپ اتنے اونچے مقام پر تھے کہ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی جیسے جلیل القدر بزرگ بھی اکتساب فیض کے لئے آپ کی خدمت میں گاہ بگاہ حاضر ہوتے تھے۔

حضرت خواجہ محمد گیسو دراز فرمایا کرتے تھے کہ دیگر امور کے ساتھ ہر سالک کو لقمہ حلال پر بہت خاص نظر رکھنی چاہئے، حرام لقمہ عبادت وریاضت کی پوری گٹھری کو ضائع وبرباد کر دیتا ہے۔

اسی طرح یہ بھی فرمایا کرتے تھے جو سالک دوسروں کو دکھلانے کے لئے عبادت کرے وہ مؤمن نہیں بلکہ کافر ہے، گویا کہ آپ کے نزدیک **ریاء الشیخ افضل من اخلاص المرید** کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

ایک سو سال سال کی عمر میں دس نومبر ۱۴۲۲ھ میں آپ کا گلبرگہ میں انتقال ہوا اور وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

گلبرگہ شریف میں آپ کے علاوہ اور بھی بزرگوں کے مزار ہیں، آپ کے مزار کے اردگرد شاندار گنبد تعمیر کرا کر بادشاہ وقت نے آپ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا

ہے، آپ کی درگاہ شہنشاہ دکن حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے درگاہ کے نام سے مشہور ہے، سلسلہ چشتیہ کا تعارف جنوبی ہند میں آپ ہی کے ذریعہ ہوا، اس لئے علاقہ دکن میں اس نسبت سے آپ کا ایک اونچا مقام ہے، آج بھی ملک و بیرون ملک سے لاکھوں زائرین آپ کے مزار پر پہونچتے ہیں اور روحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔

(۱۳۱) تذکرہ سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت

حضرت مخدوم جلال الدین بخاری کا شمار ہندوستان کے اونچے بزرگوں میں ہوتا ہے، بعض حضرات نے آپ کو سلسلہ سہروردیہ کی نمایاں ترین شخصیات میں شمار کیا ہے، لیکن آپ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے اجل ترین خلفاء میں بھی شمار ہوتے ہیں، اس اعتبار سے آپ سلسلہ چشتیہ کے اولیاء کاملین میں سے ہیں۔

آپ کی پیدائش چودہ شعبان ۷۰۷ھ مطابق ۷/فروری ۱۳۰۸ء جمعرات کے دن مقام اوچ میں ہوئی، آپ کا نام آپ کے جد امجد کے نام پر جلال الدین رکھا گیا، لیکن بعد میں عوام وخواص میں مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے نام سے مشہور ہوئے، ابتداء میں آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے چچا محمد بخاری نے کی، اس کے بعد آپ اپنے والد کے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے شیخ رکن الدین کی خانقاہ میں آ کر مقیم ہو گئے، پھر شیخ رکن الدین نے آپ کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا۔

حضرت شیخ جلال الدین بخاری نے شیخ عبداللہ مطری سے عوارف المعارف

کا درس لیا، حضرت سید جلال الدین بخاری علوم ظاہرہ میں بتدریج مہارت حاصل کرلی، آپ مختلف علوم وفنون کا درس بھی دیا کرتے تھے، کبھی تفسیر، کبھی حدیث کبھی تصوف۔ شروع میں آپ نے اپنے والد ماجد سے تصوف کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد شیخ زکریا ملتانی کے پوتے شیخ رکن الدین کے ہاتھ پر آپ بیعت ہوئے، حضرت شیخ رکن الدین نے آپ کو اپنی خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا اور خرقہ پہنایا۔

آپ کو ان کے علاوہ درجنوں اولیائے کاملین کی زیارت اور فیضیابی کا موقع ملا، تقریباً دس بارہ سال آپ نے مختلف مقامات کی سیر کی۔ چنانچہ مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، یمن، عدن، دمشق، لبنان، مدائن، بصرہ، کوفہ، شیراز، تبریز، خراسان، بلخ، نیساپور، قطیف، ، بحرین، غزنی، ملتان، دہلی، وغیرہ کے آپ نے اسفار کئے اور ہر جگہ کے اولیائے کاملین سے فیوض وبرکات حاصل کئے۔ اسی وجہ سے آپ جہانیان جہان گشت کے لقب سے مشہور ہوگئے۔

ان اسفار میں درجنوں اولیاء سے آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہوئی جن میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی، شیخ عبد اللہ یافعی، شیخ عبد اللہ مطری، سید احمد کبیر رفاعی، شیخ نجم الدین صنعانی، شیخ نجم الدین کبری وغیرہم شامل ہیں۔

لیکن ان بزرگوں میں سے حضرت مخدوم کا خصوصی تعلق حضرت چراغ دہلوی سے تھا، اس لئے ہر دوسرے تیسرے سال دہلی ضرور تشریف لے جاتے تھے اور کافی عرصہ وہاں قیام رہتا تھا۔

اگرچہ بعض حضرات نے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی، شیخ نجم الدین

کبریٰ، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی منامی اجازت قرار دیا ہے۔

جس طرح آپ نے درجنوں اولیائے کاملین اور بزرگوں کی زیارت کی اسی طرح آپ نے تقریباً سات بادشاہوں کا دور حکومت دیکھا جن میں علاء الدین خلجی، شہاب الدین خلجی، قطب الدین، مبارک شاہ، ناصر الدین خسرو، غیاث تغلق، محمد بن تغلق، فیروز شاہ تغلق شامل ہیں۔

محمد بن تغلق کے زمانے میں آپ شیخ الاسلام بھی مقرر ہوئے اور چالیس خانقاہوں کا نظام آپ کے سپرد کیا گیا، لیکن آپ بہت جلد اس عہدے سے سبکدوش ہو گئے اور حج کے سفر پر تشریف لے گئے، آپ چھ مرتبہ حج سے مشرف ہوئے۔

آپ نے پوری زندگی خلق خدا کی اصلاح میں گزار دی اوچ کی خانقاہ میں مریدین و طالبین کا کثیر مجمع رہتا تھا اور آپ شریعت و طریقت کے علمی گہر بار نچھاور کرتے رہتے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے خلفاء پنجاب، سندھ، یوپی، بہار، بنگال، گجرات، مدراس تک پھیل گئے۔ اور اشاعت دین اور تبلیغ دین میں لگ گئے۔

باوجودیکہ حضرت مخدوم طریقت و تصوف کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے پھر بھی پوری زندگی عبادت و ریاضت اتباع شریعت و سنت سے کبھی دور نہیں رہے، خود آپ کے والد محترم کا معمول یہ تھا کہ روزانہ دو مرتبہ قرآن ختم کیا کرتے تھے اور نماز میں کثرت سے آہ و گریہ آپ پر طاری رہتا، اس کا پورا پورا اثر آپ کے اوپر رہا، آپ کسی جاہل شیخ کو کسی حال میں برداشت نہیں کر پاتے تھے، نماز چھوڑنے والے کو کبھی ولی تسلیم نہیں کرتے تھے، اپنے مریدین کو باجماعت نماز کی تاکید فرماتے اور یہ فرمایا

کرتے تھے۔

کہ جو شخص محلے کی مسجد کی اذان سنے اور نماز کے لئے مسجد نہ جائے تو اس کی قبر میں کیڑے کبھی ختم نہ ہوں گے اور اس کی قبر سے آگ نہ بجھے گی، اور وہ ہر وقت عذاب میں رہے گا۔

ایک لمبے عرصہ تک حضرت مخدوم سفر میں رہے اس کے باوجود جماعت کے ساتھ آپ کی نماز کبھی نہیں چھوٹی، عین نماز کے وقت کہیں نہ کہیں سے کوئی ابدال آجاتا اور وہ نماز میں شریک ہو جاتا۔ اس طرح آپ کو جماعت کا ثواب مل جایا کرتا تھا۔

حضرت مخدوم فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے رسولؐ کی متابعت کے بغیر اللہ کی قربت حاصل نہیں ہوسکتی، اس لئے آپ خود بھی زیادہ تر انہیں اوراد و وظائف کا اہتمام فرماتے جن کا ذکر احادیث میں ہے۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہانیان جہان گشت سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ اتنی کرامات متاخرین صوفیاء میں سے کسی سے صادر نہیں ہوئیں، لیکن اس کے باوجود حضرت مخدوم ان کرامتوں کو اپنا شرف اور کمال نہیں سمجھتے تھے، بلکہ یہ فرماتے تھے اللہ کے ولی کے لئے ممکن ہے کہ ہوا میں اڑے، پانی پر چلے، لیکن وہ اس وقت تک کے ولی نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنی گفتار رفتار اور کردار میں حضرت نبی پاکؐ کا پیروکار اور متبع نہ ہو۔

ان سارے کمالات کے باوجود ۷۸ سال کی عمر میں دس ذی الحجہ ۷۸۵ھ مطابق ۳رفروری ۱۳۸۴ء بدھ کے دن غروب آفتاب کے وقت یہ آفتاب علم وفضل

ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا لله و انا إليه راجعون۔ اللہ تعالیٰ حضرت مخدوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کے صدقہ طفیل میں ہم سب کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

آپ کا مزار مقام اوچ میں ہے جو بہاولپور ضلع کا ایک مقام ہے جو پاکستان کے صوبہ پنجاب میں واقع ہے، آپ کا روحانی فیض آج بھی جاری وساری ہے۔ اور ہزاروں ہزار لوگ ماہانہ وسالانہ اکتساب فیض کے لئے حاضری دیتے ہیں۔

(۱۳۲) تذکرہ سید محمد اشرف جہاں گیر سمنانی

حضرت سید محمد اشرف جہاں گیر سمنانی آٹھویں صدی ہجری کے سلسلۂ چشتیہ کے معروف ومشہور بزرگ ہیں اور آپ کا شمار اکابر اولیاء میں ہوتا ہے، آپ ملک سمنان کے صوبہ خراسان کے دار السلطنت شہر سمنان میں ۷۰۷ھ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام سلطان سید ابراہیم تھا جو سمنان کے بادشاہ تھے۔

آپ کا نام نامی اسم گرامی سید محمد اشرف ہے، جہاں گیر کے لقب سے آپ مشہور ہوئے۔

ابتدائی درجہ کی تعلیم آپ نے اپنے والد بزرگوار سید ابراہیم سے حاصل کیا، سات سال کی عمر میں آپ نے پورا قرآن بروایت سبعہ حفظ کرلیا اور چودہ برس کی عمر میں آپ نے تمام علوم متداولہ میں عبور حاصل کرلیا۔

۱۷/سال کی عمر میں والد محترم سید ابراہیم کے انتقال کے بعد آپ سمنان کے سلطان بنا دیئے گئے، آپ کے دور سلطنت میں سمنان عدل و انصاف اور علم وفن کا مرکز بن گیا۔ لیکن دھیرے دھیرے آپ کا دل بادشاہت سے اچاٹ ہونے لگا اور سلوک ومعرفت کی طرف طبیعت کا میلان ہونے لگا۔ اوراس وقت کے موجود اکابر اولیاء وصوفیاء سے آپ کے رابطے بڑھنے لگے۔ چنانچہ اسی دوران شیخ رکن الدین علاء الدین سمنانی، شیخ عبدالرزاق کاشی، شیخ عبداللہ یافعی، سید علی ہمدانی، شیخ عمادالدین تبریزی سے اکتساب فیض شروع کردیا۔

نوبت بایں جا رسید کہ بالتدریج طریقت اور علوم باطن کی طرف رجحان بڑھتا گیا اس درمیان ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خضر فرمارہے ہیں کہ اگر سلطنت الٰہی چاہتے ہو تو دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان چلے جاؤ۔

چنانچہ آپ نے اس کو اشارۂ غیبی سمجھ کر ۲۵/سال کی عمر میں بادشاہت اپنے چھوٹے بھائی سید محمد اعرف کے سپرد کردیا اور ہندوستان کے ارادہ سے سمنان سے نکل پڑے۔ چنانچہ ماوراء النہر ہوتے ہوئے آپ بخارا پہونچے اور وہاں سے سمرقند آئے اور پھر وہاں سے چل کر ملتان کے مقام اوچ پہونچے۔ جہاں حضرت شیخ جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت کی خانقاہ رشد وہدایت اور تعلیم طریقت کا مرکز اور مرجع بنی ہوئی تھی۔

آپ نے وہاں تین روز قیام فرمایا۔ تین روز میں شیخ جلال الدین نے اکابر و مشائخ سے حاصل شدہ تمام فیوض وبرکات سے آپ کو سرفراز وفیضیاب فرمادیا۔ اور یہ

فرمایا بیٹا اشرف جلدی کرو اور شیخ علاء الحق والدین کی خدمت میں حاضر ہوجاؤ وہ شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ دہلی ہوتے ہوئے بہار پھر وہاں سے بنگال پہونچے اور وہاں ضلع مالدہ کے مقام پنڈور پہونچے، جہاں شیخ علاء الحق والدین کی خانقاہ تھی، وہاں پہونچ کر آپ بیعت ہوئے اور بارہ سال آپ کی بافیض خدمت میں رہے، اور روحانیت میں خوب خوب کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد شیخ کے حکم پر شیراز ہند جونپور وایا بنارس کچھوچھہ پہونچے جو اس وقت ضلع امبیڈکرنگر میں ہے اور یہیں آپ نے اپنی خانقاہ قائم کی اور پوری زندگی یہیں قیام پذیر رہے اور یہیں سپرد خاک ہوئے۔ اگرچہ آپ مختلف علاقوں کا سفر کرتے رہے، گلبرگہ شریف بھی گئے اور شیخ گیسودراز سے بھی ملاقات کی اور فیضیاب ہوئے۔

گلبرگہ سے اپنے شیخ کی زیارت کے لئے وایا بہار شریف روانہ ہوئے جب بہار شریف پہونچے تو حضرت خواجہ شرف الدین یحیٰ منیری کا جنازہ تیار تھا، حسب وصیت آپ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، حضرت سمنانی نے ایک سونوے اولیاء سے ملاقات کی اور ان کی روحانیت سے فیض یاب ہوئے، آپ کو اردو زبان کا پہلا مصنف بھی کہا جاتا ہے، آپ نے مختلف علوم میں درجنوں کتابوں کی تصنیف کی لیکن مرور زمانہ کے ساتھ وہ سارے مواد ضائع ہوگئے، سواء چند کتابوں کے آپ کی کرامات کو دیکھ کر مختلف علاقوں میں ہزاروں ہندوؤں نے اسلام قبول کیا، جو تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ سارے کمالات کے ساتھ شریعت وسنت کی اتباع کا بہت اہتمام تھا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کوئی شخص اس وقت تک ولی نہیں ہوسکتا جب تک ظاہراً

و باطناً قولا وفعلا شریعت کا پابند نہ ہو۔ علم اور تحصیل علم کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور فرماتے تھے علم دین کے ایک مسئلہ کا جاننا ہزار رکعت نوافل سے افضل ہے۔ تمام کمالات کے باوجود بالآخر ۲۸ر محرم الحرام ۸۲۸ھ کو آپنے ہمیشہ کے لئے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا اور کچھوچھہ شریف میں آپ ابدی نیند سوگئے، **اللهم ارحمه واغفرله و أدخله فی الجنة** ۲۸ر محرم کو ہر سال عرس ہوتا ہے اور ہزاروں ہزار افراد شرکت کر کے روحانی تسکین حاصل کرتے ہیں۔

(۱۳۳) تذکرہ شیخ شرف الدین احمد یحی منیری

حضرت شرف الدین احمد یحی منیری۔ آپ ہندوستان کے کبار اولیاء میں سے ہیں۔ سلسلہ فردوسیہ کے چشم و چراغ ہیں، صاحب کشف وکرامت بزرگوں میں آپ کا شمار ہے، آپ کا نام احمد، شرف الدین لقب اور مخدوم الملک خطاب تھا۔ لیکن شرف الدین اور مخدوم الملک سے آپ زیادہ مشہور ہوئے۔ آپ کے والد کا نام یحی تھا۔

آپ کے پردادا مولانا محمد تاج فقیہ اپنے زمانہ کے کبار علماء ومشائخ میں سے تھے، ملک شام سے ہجرت کر کے ہندوستان کے منیر میں قیام پذیر ہوگئے تھے۔ شیخ شرف الدین احمد کی پیدائش جون ۱۲۶۳ء میں منیر میں ھوئی۔ آپ کی تعلیم مکتب سے شروع ہوکر اپنے وقت کے ممتاز عالم ومحدث حضرت مولانا شرف الدین ابوتوامہ کے یہاں مکمل ہوئی جو سونار گاؤں (بنگلہ دیش) میں مقیم تھے۔ شیخ احمد شرف الدین نے ان

سے تمام علوم وفنون کی تکمیل کی۔ آپ نے تعلیم اس قدر انہماک سے حاصل کیا کہ آنے والے خطوط کو بھی ایک بستہ میں رکھتے رہے اور طلباء کے ساتھ دسترخوان پر کھانا بھی نہیں کھاتے تھے، آپ کا کھانا آپ کے کمرہ میں پھونچا دیا جاتا تھا۔ آپ کی ذکاوت اور علمی دلچسپی کی وجہ سے استاذ محترم نے ان کو اپنا داماد بنالیا۔

ایک طویل عرصہ کے بعد جب وطن واپس آئے والد محترم انتقال کر چکے تھے کچھ دنوں والدہ کی خدمت میں رہے، اس کے بعد علم باطن کی جستجو میں ۱۲۹۱ء میں دہلی روانہ ہوگئے وہاں پہونچ کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے ملاقات کی، اس کے بعد لاہور پہونچ کر شیخ نجیب الدین فردوسی کے دست مبارک پر بیعت ہوئے، شیخ نجیب الدین خلیفہ تھے خواجہ رکن الدین فردوسی کے اور آپ خلیفہ تھے خواجہ بدرالدین سمرقندی کے اور آپ خلیفہ تھے، خواجہ سیف الدین باخرزی کے اور آپ خلیفہ تھے نجم الدین کبری کے۔

شیخ نجیب الدین نے کچھ ہی عرصہ کے بعد اجازت وخلافت سے سرفراز فرما کر واپس کر دیا۔

آپ نے جب اپنے شیخ سے فرمایا کہ میں ابھی اجازت کے لائق نہیں ہوا ہوں تو شیخ نے فرمایا یہ معاملہ اشارۂ غیبی سے ہوا ہے اور چلتے وقت یہ وصیت کی کہ دوران سفر اگر کوئی خبر ملے تو دہلی واپس مت آنا اپنا سفر جاری رکھنا۔ چنانچہ دوران سفر اپنے شیخ کے انتقال کی خبر ملی لیکن حسب وصیت سفر جاری رکھا اور اپنی تکمیل کے لئے بہیا کے جنگل میں جا کر مقیم ہوگئے اور تیس سال تک بہیا اور راجگیر کے جنگلات میں رہ کر ریاضت ومجاہدہ اور قرب خداوندی کے حصول میں لگے رہے۔ بارہ برس کے بعد جب لوگوں کو آپ کے

جنگل میں قیام کا علم ہوا تو آپ کے پاس لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوئی، پھر آپ بالتدریج لوگوں کی اصلاح کے لئے جنگل سے گاہ بگاہ بہار شریف آنے جانے لگے۔

پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ محمد شاہ تغلق نے بہار شریف میں آپ کے لئے خانقاہ بنوادی اور آپ نے بادل ناخواستہ اس میں قیام اور فیض رسانی کو قبول فرمالیا۔ لیکن جب فیروز شاہ تغلق کا زمانہ آیا تو آپ نے جاگیر واپس کردی۔ آپ کے مریدین کی تعداد لاکھوں تھی اس کے باوجود اتباع سنت کا اہتمام بہت تھا اور ہمیشہ باجماعت نماز ادا فرماتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ روحانیت کے ساتھ آپ کے علم وفضل کا اندازہ آپ کی تصنیفات سے ہوتا ہے، درجنوں کتابوں کے آپ مصنف ہیں، راحت القلوب، ارشاد الطالبین، ارشاد السالکین جیسی اہم تصانیف آپ کی ہیں۔ ارشاد وتربیت سے متعلق مریدین وخلفاء کو لکھے گئے خطوط کا مجموعہ مکتوبات صدی و دوصدی آپ کے علم وفضل اور باطنی علوم کے درک کی بین دلیل ہے۔ آپ صاحب کشف وکرامت بھی تھے، کرامات کا ظہور بھی ہوتا تھا، لیکن اس کے اظہار سے آپ کو شدید نفرت تھی، دنیا سے بے رغبتی بہت زیادہ تھی۔ ۵؍شوال ۷۸۶ھ شب میں نماز عشاء کے وقت ۱۱۸ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ جنازہ کی نماز سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی نے پڑھائی اور منیر میں آپ سپرد خاک ہوئے۔

(۱۳۴) تذکرہ مرزا مظہر جان جاناں

حضرت مرزا مظہر جان جاناں سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر اولیاء میں سے ہیں،

آپ کا شمار صاحب کشف وکرامت اونچے بزرگوں میں ہوتا ہے، آپ کی پیدائش ۱۳/ مارچ ۱۶۹۹ء میں ہوئی۔ آپ کے والد مرزا جان سلطان اورنگزیب عالمگیر کے دربار میں صاحب منصب تھے، جب مرزا مظہر کی پیدائش کی خبر سلطان عالمگیر کو ہوئی تو سلطان نے کہا بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے، باپ کا نام چونکہ مرزا جان ہے اس لئے بیٹے کا نام مرزا جان جاناں رکھتے ہیں، لیکن عوام میں آپ مرزا مظہر جان جاناں سے مشہور ہوئے۔

آپ کے والد محترم مرزا جان جو شاہ عبدالرحمٰن قادری کے مرید تھے، آپ کی پیدائش کے بعد وہ دنیا سے کنارہ کش ہو گئے اور عمر کا باقی حصہ فقر اور قناعت کے ساتھ بسر کیا۔

آپ کے والد بزرگوار نے آپ کی تعلیم کا بہت اہتمام کیا، تعلیم کی ابتداء خود آپ نے کی، لیکن قرآن شریف مع تجوید قاری عبدالرحیم صاحب سے آپ نے پڑھا اور دیگر علوم وفنون بالخصوص حدیث وتفسیر کی تعلیم آپ نے حضرت مولانا محمد افضل سیالکوٹی سے حاصل کی۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کو علوم دینیہ کے علاوہ دیگر فنون میں بھی مہارت حاصل تھی جیسے فن سپہ گری وغیرہ آپ فرماتے تھے کہ اگر بیس آدمی تلوار کھینچ کر مجھ پر حملہ کریں اور میرے ہاتھ میں صرف ایک لاٹھی ہو تو میں ان سب کے لئے اکیلا کافی ہوں۔

حضرت مرزا صاحب جب علوم ظاہرہ سے فارغ ہو گئے تو علوم باطنہ کی جستجو شروع ہوئی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے والد بزرگوار آپ کو لے کر اپنے پیر شاہ عبد الرحمٰن قادری کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ اگرچہ سلسلہ قادریہ کے اونچے

بزرگوں میں سے تھے اور صاحب کشف وکرامت بھی تھے، لیکن آپ کو ان سے مناسبت نہیں ہوسکی، اس لئے آپ ان سے بیعت نہیں ہوسکے، لیکن روحانیت کی جستجو میں جہاں کہیں کسی صاحب کمال کا نام سنتے ان کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

جب آپ کی عمر اٹھارہ سال کی ہوگئی تو کچھ احباب سے سید نور محمد بدایونی کے کمالات سنے۔ چنانچہ ملاقات کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ملاقات کے بعد سید نور محمد بدایونی بغیر کسی درخواست کے آپ سے فرمایا آنکھیں بند کر کے قلب کی طرف متوجہ ہوجاؤ۔ چنانچہ ایک ہی توجہ میں سید نور محمد صاحب نے مرزا صاحب کے لطائف خمسہ کو ذاکر بنا دیا، چار سال تک آپ کے بتلائے ہوئے ریاضت ومجاہدات آپ کرتے رہے، اس کے بعد سید نور محمد صاحب بدایونی نے حضرت مرزا صاحب کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرما دیا۔

سید نور محمد بدایونی کے انتقال کے بعد چھ سال تک آپ سید صاحب کے مزار سے روحانی فیض حاصل کرتے رہے، اس کے بعد حسب حکم آپ شاہ گلشن کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس کے بعد محمد زبیر کی خدمت میں پہنچ کر فیضیاب ہوئے، اس کے بعد حاجی محمد افضل اور حافظ سعد اللہ کی خدمت میں سالوں رہ کر باطنی دولت سے مالا مال ہوئے، اخیر میں آپ نے سید محمد عابد سنانی جو خلیفہ تھے شیخ عبد الاحد سرہندی کے ان کی طرف رجوع فرمایا اور سات سال تک آپ سے روحانی فیض حاصل کرتے رہے۔

ان کے انتقال کے بعد آپ نے مسند خلافت کو زینت بخشی اور دور وقریب

سے آنے والے طالبان خدا کو اللہ تک پہونچانے کا کام شروع کردیا اور آپ کے کمالات کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا جس شخص کو سلوک اور مقامات کے حصول کی آرزو ہو وہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی خدمت میں پہنچ جائے۔ چنانچہ ہزاروں ہزار عوام وخواص آپ سے بیعت ہوئے اور دو سو صلحاء آپ کے اجازت یافتہ بنے۔ اس طرح ۳۵ سال تک طالبان خدا کو ذکر کی تلقین کرتے رہے اور اللہ کا قرب اور معرفت کی دولت سے مالا مال فرماتے رہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں دیگر کمالات کے ساتھ زہد وتوکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اور سلاطین وامراء واغنیاء کے ہدایا سے گریز فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ سلطان محمد شاہ نے یہ پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملک عطا فرمایا ہے، اس میں سے جتنا آپ کا دل چاہے قبول فرمالیں، لیکن آپ نے قبول کرنے سے معذرت کردیا۔

ایک مرتبہ نواب نظام الملک نے تیس روپیہ بطور ہدیہ پیش کیا، آپ نے قبول نہیں فرمایا، اس طرح بڑے بڑے سلاطین اور نوابوں کے نذرانوں سے آپنے اپنے آپ کو ہمیشہ دور رکھا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں فرمایا کرتے تھے، اگر چہ ہدیہ کے رد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن ہدیہ قبول کرنے کو واجب بھی نہیں کہا گیا ہے جو مال یقینی طور پر حلال وطیب ہو اس کے لینے میں برکت ہوتی ہے، اس لئے ہمارے جو رفقاء خاص اخلاص کے ساتھ کچھ لاتے ہیں اس کو قبول کرلیتا ہوں اور امیروں کا مال اکثر مشتبہ ہوتا

ہے اور لوگوں کے حقوق اس سے متعلق ہوتے ہیں، قیامت کے دن اس کا حساب دینا دشوار ہوگا، اس لئے میں امیروں کے ہدیوں سے دور رہتا ہوں۔

ایک مرتبہ ایک امیر نے آم کا ہدیہ آپ کی خدمت میں بھیجا، آپ نے واپس کر دیا اس کے بعد اس نے بہت خوش آمد کر کے دوبارہ بھیجا، آپ نے اس میں سے صرف دو آم رکھ لئے، باقی کو واپس کر دیا، تھوڑی دیر کے بعد ایک باغ کا مالک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آ کر یہ شکایت کی فلاں امیر نے میرے آم کے باغ پر زبردستی ناجائز قبضہ جما دیا ہے اور اس باغ کے آموں میں سے کچھ آم آپ کے پاس ہدیہ میں بھیجا ہے، آپ میری مدد فرمائیے، آپ کو یہ سن کر بہت تکلیف ہوئی اور حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا دیکھتے ہو لوگ ناجائز مال ہدیے میں دے کر میرا باطن سیاہ کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں صاحب کشف و کرامت بھی تھے آپ مریدین کو مقامات عالیہ کی بشارتیں بھی دیا کرتے تھے، بعض معاندین نے بشارتوں کی تکذیب کی اور یہ کہا اگر اللہ کے رسول ﷺ آپ کی دی ہوئی بشارتوں کی تصدیق فرما دیں، تب آپ کی بشارت معتبر ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب اپنے احباب کے ساتھ متوجہ ہو کر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ظاہر ہوئی اور آپ نے معاندین و منکرین کی سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ مرزا صاحب کی ساری بشارتیں صحیح ہیں۔

حضرت مرزا صاحب روحانیت میں اس مقام پر پہنچے تھے کہ آپ کو کشف قبور کی دولت بھی حاصل تھی، قبر پر مراقبے کے بعد صاحب قبر کے احوال سے آپ واقف

ہوجایا کرتے تھے، اور لوگوں کے پوچھنے پر بتلا دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک معاند نے بطور امتحان حضرت سے عرض کیا کہ یہ میرے ایک دوست کی قبر ہے اس کا حال دریافت کر کے مجھ کو بتلا دیجئے۔ حضرت مرزا صاحب اس قبر کی طرف متوجہ ہوئے اور معاند سائل کو ڈانٹا اور فرمایا یہ ایک عورت کی قبر ہے، تمہارے دوست کی نہیں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی عمر اسی سے تجاوز کر گئی تو آپ پر اللہ کی ملاقات کا شوق غالب آ گیا، آپ نے اپنے ایک خلیفہ ملا نسیم کو ان کے وطن رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے بعد اب ہماری تمہاری ملاقات نہیں ہوگی، آپ کے اس فرمانے کا اثر خدام اور متعلقین پر بہت ہوا، آپ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ اللہ نے میری ساری آرزوئیں پوری فرما دیں، اللہ نے مجھ کو اس انعام سے مشرف فرمایا، علم ظاہر سے حظ وافر عطا فرمایا، اعمال صالحہ پر استقامت بخشی لوازم طریقت یعنی کشف و کرامت سے سرفراز فرمایا، صلحاء کو کسب فیض کے لئے میرے پاس بھیجا، دنیا اور اہل دنیا سے اللہ نے بے نیاز رکھا اور سوائے شہادت ظاہری کے اور کوئی آرزو باقی نہیں ہے، کیونکہ بندے کے اکثر بزرگوں نے جام شہادت نوش کی ہے۔

لیکن بندہ بہت کمزور اور ضعیف ہے بندے میں جہاد کی طاقت نہیں، اس لئے بظاہر اس مقام و مرتبہ کا حاصل ہونا محال ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ آرزو بھی پوری فرما دی اور آپ کو شہادت سے سرفراز فرمایا۔

جس کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ مغل بادشاہ شاہ عالم کے دور میں ایرانی شیعوں نے اتنا زور پکڑا کہ ایرانیوں کے قائد نجف خاں کو دہلی کے مسند وزارت پر فائز

کرنا پڑا، اس کے بعد شیعہ سنی جھگڑے عروج پر پہنچ گئے، خاص طور پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں چونکہ سنی حضرات کے یہ دونوں مرکز تھے، اس لئے نجف خاں نے خصوصیت کے ساتھ ان دونوں کو نشانہ بنایا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی جائیداد کو ضبط کر کے حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین کو دہلی سے باہر کر دیا گیا، اس کے بعد صرف مرزا مظہر جان جاناں باقی بچ گئے تھے۔

سات محرم ۱۱۹۵ھ کو جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو چند لوگوں نے حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے دروازے پر دستک دی، خادم ان خبیثوں کو اور ان کی نیتوں کو نہیں سمجھ سکا۔ اس نے سمجھا کی ملاقات و زیارت کے لئے آئے ہیں۔ حضرت کی اجازت سے تین آدمی اندر داخل ہوئے جن میں ایک ایرانی نزاد مغل بھی تھا جب یہ تینوں خبیث اندر داخل ہوئے تو حضرت مرزا صاحب ان کے سامنے اکرام میں کھڑے ہو گئے، ایرانی نزاد مغل نے آپ سے پوچھا، آپ مرزا مظہر جان جاناں ہیں۔ حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا جی ہاں اس کے بعد اس خبیث کتے نے آپ پر گولی چلا دی جو آپ کے دل کے بائیں طرف لگی، آپ گولی لگتے ہی گر پڑے اور تینوں کتے خبیث فرار ہو گئے اس قاتلانہ حملے کے بعد آپ تین روز زندہ رہے اور اس زمانے میں یہ شعر کثرت سے پڑھتے رہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

بیاسی سال کی عمر میں ۶ رجنوری ۱۸۱۷ء میں آپ نے اس دار فانی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا، آپ کو بی بی صاحبہ کی حویلی میں جو چتلی قبر دہلی سے متصل تھی سپرد خاک کیا گیا۔

(۱۳۵) تذکرہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی

حضرت شاہ غلام علی دہلوی سلسلہ نقشبندیہ کے نامور بزرگوں میں سے ہیں اور بعض حضرات نے تیرہویں صدی ہجری کا آپ کو مجدد کہا ہے۔

شاہ عبداللہ المعروف شاہ غلام علی دہلوی کی پیدائش ۱۱۵۶ھ مطابق ۱۷۴۳ء میں پٹیالہ میں ہوئی، بچپن ہی میں آپ اپنے والد شاہ عبداللطیف کے حکم پر دہلی چلے آئے، کیونکہ آپ کے والد محترم سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے ان کو اپنے ہی پیر و مرشد سے بیعت کروانے کی خواہش تھی، آپ کے والد صاحب کے پیر شاہ ناصرالدین قادری تھے۔

آپ کی عمر جب ۱۸ رسال کی ہوئی اور آپ علوم ظاہرہ کی تحصیل سے فارغ ہوگئے تو والد صاحب کی اجازت سے آپ حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے بیعت ہوئے، آپ نے حضرت مرزا صاحب سے علوم باطنہ کی تحصیل کے ساتھ حدیث پاک کی بھی تکمیل کی اور ایک لمبے عرصہ تک حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں رہ کر روحانی فیض حاصل کرتے رہے، تا آنکہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے آپ کو اجازت

وخلافت سے سرفراز فرمایا، پیرومرشد کے وصال کے بعد آپ ہی جانشین بنے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی اپنے وقت میں اسلاف کے مقدس یاد بن گئے اور اچھے خاصے لوگ آپ کے گرویدہ ہوگئے، آپ دنیاوی مال ومتاع اور تعیّشات سے بہت دور رہے، اتباع سنت کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے، ہر وقت ذکر وفکر، عبادت وریاضت، اور باطنی اعتبار سے خدمت خلق میں مصروف رہتے تھے، آپ حافظ قرآن بھی تھے، فجر کی نماز اول وقت میں ادا فرما کر دس پارہ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت فرماتے، اس کے بعد مراقبے کا حلقہ ہوتا، اس کے بعد حدیث پاک اور تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔

پوری رات عبادت میں مصروف رہتے تھے، سالہا سال تک آپ نے چارپائی پر آرام نہیں فرمایا، اگر نیند کا بہت غلبہ ہوتا تو مصلیٰ ہی پر تھوڑی دیر آنکھ بند کر لیا کرتے تھے، آپ کا بستر بوریا کا تھا اور تکیہ بھی بوریے کو لپیٹ کر بنا رکھا تھا، اس کے ساتھ ایک مصلی تھا جس پر اکثر وقت گزرتا تھا، مال مشتبہ سے بہت زیادہ پرہیز کیا کرتے تھے، اور جو شخص خلاف شریعت وسنت زندگی گزارتا اس کو اپنے یہاں آنے کو پسند نہیں کرتے تھے اور یہ سب فیض تھا حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی پندرہ سالہ خدمت وصحبت کا۔

معاشی اعتبار سے ابتداء میں بہت تنگی رہی، لیکن کچھ عرصے کے بعد فتوحات کا دروازہ کھل گیا، آپ کی خانقاہ روحانیت کی مرکز بن گئی، ملک و بیرون ملک سے لوگ اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے دور دراز سے آنے لگے، ہندوستان کے

مختلف صوبہ اور اضلاع کے علاوہ سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، قندھار، کابل، پشاور، ملتان، لاہور سے لوگ آپ کی خدمت میں پہنچنے لگے، بیک وقت تقریباً پانچ سو مہمان آپ کی خانقاہ میں رہنے لگے اور غیب سے تمام مہمانوں کا انتظام ہوتا رہا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے جانے کے بعد جو خلاء پیدا ہوا تھا، اللہ نے شاہ غلام علی دہلوی کے ذریعے اس کو پورا فرما دیا، یہاں تک کہ لوگوں کی زبان پر جاری ہوگیا کہ دہلی میں دو ہی شخصیتیں ہیں، بلکہ دو ہی کامل ہستیاں ہیں علم شریعت میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور علم طریقت میں حضرت شاہ غلام علی دہلوی اپنے پیر و مرشد کی طرح آپ کو بھی ہمیشہ شہادت کی آرزو رہتی تھی، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب کی شہادت کی وجہ سے اور قتل ناحق کی پاداش میں تین سال تک لوگوں کو قحط کی مار جھیلنی پڑی اور نہ معلوم کتنے انسانوں کا خون بہا، اس لئے شہادت کی تمنا کے باوجود عوام کی بدحالی کے خیال میں اس تمنا کو موقوف فرما دیتے تھے۔

جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو حضرت شاہ ابوسعید کو لکھنؤ سے بلوایا اور اخیر وقت میں آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہنے لگی تھی اور بالآخر ۸۴ر سال کی عمر میں استغراق ہی کی حالت میں ۲۲ رصفر ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۸۲۴ء کو آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے حوالے کر دی، شاہ ابوسعید نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے پہلو میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

(۱۳۶) تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہ

حضرت خواجہ باقی باللہ جن کا نام محمد باقی اور لقب رضی الدین ہے، آپ سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر اولیاء میں سے ہیں، علماء اور مشائخ میں آپ باقی باللہ سے مشہور ہیں۔

۱۴؍جولائی ۱۵۶۴ء میں افغانستان کے کابل میں آپ کی پیدائش ہوئی جس سال آپ پیدا ہوئے اسی سال حضرت مجدد الف ثانی کی بھی پیدائش ہوئی، یعنی یہ دونوں آفتاب ایک ہی سال میں نکلے۔

آپ کے والد بزرگوار کا نام قاضی عبدالسلام تھا جو سمرقند کے مقام خلج کے رہنے والے تھے، والد بزرگوار اپنے زمانے کے معروف عالم باعمل اور صاحب قال و حال اور صاحب فضل وکمال بزرگ تھے۔ آپ نے آٹھ برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا کابل کے مشہور عالم دین حضرت مولانا محمد صادق حلوائی کے حلقہ تلمذ میں آپ داخل ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں آپ علم وعمل کے آفتاب بن کے چمکنے لگے اور اپنے زمانے کے اہل علم میں آپ کا شمار ہونے لگا، اس کے بعد سمرقند پہنچ کر فقہ، حدیث، تفسیر، اور دوسرے علوم وفنون کی تکمیل کی۔

لیکن ایک مرتبہ ایک مجذوب کی نظر آپ پر پڑ گئی جس کے بعد آپ کے ذہن کا امالہ ہوگیا علوم ظاہرہ اور اس کی کتابوں سے ہٹ کر علوم باطنہ اور روحانیت کی جستجو زیادہ ہوگئی۔ چنانچہ مرشد کامل کی تلاش میں آپ نکل پڑے اور امیر عبداللہ بلخی کی

خدمت میں پہنچے اور کچھ عرصے وہاں قیام کر کے روحانی ترقی حاصل کی، اس کے بعد آپ پیر بابا ولی کشمیری کی خدمت میں پہنچے اور فیوض و برکات سے بہرور ہوئے، اس کے بعد دہلی تشریف لائے اور حضرت شیخ عبدالعزیز کی خانقاہ میں پہنچ کر کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ اس کے بعد باشارہ غیبی بخارا کا سفر کیا اور وہاں پہنچ کر حضرت خواجہ محمد امکنگی سے فیضیاب ہوئے، آپ نے خرقہ خلافت سے سرفراز فرما کر آپ کو ہندوستان جانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ آپ کے حکم پر ترکستان سے لاہور ہوتے ہوئے ہندوستان کے مرکزی شہر دہلی آپ تشریف لائے اور دریائے جمنا کے کنارے قلعہ فیروز آباد میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔

آپ کی تشریف آوری کے بعد پانچ چھ سال کے اندر روحانی حلقوں میں ایک خوشگوار انقلاب برپا ہو گیا، علماء و مشائخ اور عامۃ المسلمین کے علاوہ امراء سلطنت بھی آپ کے حلقہ بیعت میں شامل ہونے لگے۔ چنانچہ نواب مرتضی، فرید بخاری، عبدالرحیم خان خاناں، مرزا قلیچ خان جیسے لوگ بھی آپ کے نیازمندوں میں شامل ہو گئے۔

یہی وہ دور تھا کہ شہنشاہ اکبر نے ابوالفضل اور فیضی کی مدد سے دین الٰہی کے نام سے مذہب کے اندر ایسی خرافات پیدا کر دی تھی کہ پورا ہندوستان اس کے تعفن سے بھر گیا تھا، حالانکہ اس وقت علماء و صلحاء کی کوئی کمی نہیں تھی، لیکن بادشاہ وقت کی سرپرستی کی وجہ سے فتنے نے اتنی قوت کے ساتھ سر اٹھا لیا تھا کہ اس کی سرکوبی میں اس وقت کے علماء و صلحاء اپنے کو بے بس و مجبور سمجھنے لگے۔ اس مشکل و پراگندہ اور مایوس کن حالات میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے نئی حکمت عملی اختیار کی، وہ یہ کہ عام طور پر

اکابرین ومشائخ حقہ کی روایت خلوت نشینی سے نکل کر ارکان سلطنت کو اپنے قریب ہونے دیا۔ چنانچہ وہ افراد آپ کے قریب ہوئے جن کا تذکرہ ابھی اوپر آچکا ہے۔ اس کے ساتھ آپ نے دور اکبری کے منفی اثرات کو زائل کرنے کے لئے ایک خاص حکمت عملی اختیار کی، وہ یہ کہ راسخ العقیدہ علماء، امراء، صلحاء کی ایک جماعت تیار کی جن میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی شامل تھے، ان حضرات نے علماء سو کے منفی کردار کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے جلال الدین اکبر کے بعد نور الدین جہانگیر کی جانشینی کی اس شرط کے ساتھ حمایت کی کہ وہ صحیح دین اسلام کی ترویج واشاعت میں ان کی حمایت اور تائید کریں گے۔

ادھر جلال الدین اکبر کے دربار سے وابستہ امراء جو آپ کے معتقد تھے ان کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جلال الدین اکبر کے زمانے میں دین الٰہی کے نام سے جو لا مذہبیت پیدا ہوئی تھی اس کا خاطر خواہ سد باب شروع ہوگیا، اور طبقہ امراء میں مذہب سے انس پیدا ہونے لگا جس کی وجہ سے جلال الدین اکبر کے خیالات کو وہ فروغ حاصل نہیں ہوسکا جو ہونا چاہئے تھا، اور اس کے لئے سب سے بڑی قربانی حکمت عملی کی تیاری کے ساتھ فکری وعملی اعتبار سے حضرت خواجہ باقی باللہ کی رہی، اس کے ساتھ آپ کی دعائے مستجاب نے بھی بہت کام کیا۔

آپ صاحب کشف وکرامت، خاموش مزاج، شب بیدار اولیائے کاملین میں سے تھے۔

لیکن جلال الدین اکبر کے پیدا کردہ فتنے کا مقابلہ بہت لمبے عرصے تک آپ

نہیں کر سکے، دہلی میں چند ہی سال کے قیام کے بعد سنیچر کے دن ۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۰۱۲ھ مطابق ۲۹/نومبر ۱۶۰۳ء بعد نماز عصر آپ نے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا اور دہلی میں آپ ہمیشہ کے لئے سپرد خاک ہو گئے آپ کا مزار دہلی میں فیروز شاہ قبرستان میں صحن مسجد کے متصل واقع ہے۔

(۱۳۷) تذکرہ شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی

حضرت شیخ احمد سرہندی دسویں صدی ہجری کے اولیاء واکابرین میں سے ہیں، آپ مجدد الف ثانی کے ساتھ مشہور ہیں، آپ گیارہویں صدی ہجری کے مجدد مانے گئے ہیں، آپ کی پیدائش جمعہ کے دن ۱۴/ شوال ۹۷۱ھ مطابق ۲۶/ جون ۱۵۶۴ء سرہند میں ہوئی جو ہندوستان کے ضلع فتح گڑھ کی ایک معروف جگہ ہے اور اسی سال حضرت باقی باللہ کی بھی پیدائش ہوئی۔ آپ کے والد شیخ عبدالاحد ایک ممتاز عالم دین اور صوفی صفت لوگوں میں معروف ومقبول انسان تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے بہت کم عمری میں اپنے والد محترم سے قرآن پاک حفظ کیا اور دیگر علوم کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد حضرت مولانا کمال الدین کشمیری سے سیالکوٹ میں معقولات کی تکمیل کی اور اس وقت کے اکابر محدثین سے فن حدیث کا علم حاصل کیا۔

آپ سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہرہ کی تعلیم سے فارغ ہوکر درس وتدریس

میں مصروف ہو گئے۔

تصوف میں سلسلہ چشتیہ کی تعلیم اپنے والد سے آپ نے حاصل کی اور سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ کی تعلیم دہلی پہنچ کر حضرت خواجہ باقی باللہ سے حاصل کیا۔ ۱۵۹۹ء میں آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کیا اور بتدریج علوم ظاہرہ کے ساتھ علوم باطنہ میں آپ نے ترقی حاصل کی اور دھیرے دھیرے آپ کے علم اور بزرگی کی شہرت اس قدر پھیلی کہ افغانستان، شام، ماوراء النہر اور دیگر عالم اسلام کے اکابر علماء آپ کے پاس پہنچ کر ظاہری و باطنی فیض حاصل کرنے لگے۔

مجدد الف ثانی کا خطاب آپ کے لئے سب سے پہلے حضرت مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی نے استعمال کیا اس کے بعد دھیرے دھیرے یہ خطاب عام ہوتا چلا گیا، تا آنکہ سارے علماء نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد دوسرے ہزار سال کے لئے آپ کے مجدد ہونے پر اتفاق کرلیا اور آپ بالاتفاق مجدد ثانی کہلانے لگے۔

طریقت کے ساتھ شریعت کے بھی آپ بہت سخت پابند تھے، آپ ایسے تصوف کے قائل نہیں تھے جو شریعت کے تابع نہ ہو اور قرآن وسنت کی پیروی اور ارکان اسلام پر عمل نہ ہو بلکہ آپ کے نزدیک کامیابی ان امور کی پابندی میں تھی، اگرچہ حضرت باقی باللہ کے انتقال کے بعد سلسلہ نقشبندیہ کی سربراہی کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوا اور تا حیات آپ اس سلسلے سے مربوط ہی نہ رہے، بلکہ اس سلسلے کا آپ نے تعارف کرایا اور اس کو خوب ترقی دی۔

لیکن اسی کے ساتھ جلال الدین اکبر کے پھیلائے ہوئے فتنے سے ناواقف

ونابلد نہیں تھے، بلکہ اس فتنے کی دسیسہ کاری سے آپ اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ آپ کمر بستہ ہو کر پوری قوت اور حکمت عملی کے ساتھ اس کا تعاقب اور دفاع کیا اور زندگی کا ایک اچھا خاصا حصہ اسلام کو جلال الدین اکبر کے پیدا کردہ فتنوں کی آمیزش سے تنقیح اور صفائی وستھرائی میں لگا دیا۔ چنانچہ اس کا خاطر خواہ فائدہ عوام امت کو پہنچا جو آپ کی کاوشوں کے نتیجہ میں اکبری فتنہ اکبر سے بچالے گئے۔

اسی کے ساتھ ردشیعیت ورافضیت اوران کے تعاقب میں بھی آپ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ چنانچہ آپ نے روافض وشیعہ کی تردید میں جو کتاب لکھی، وہ جہاں ان کے تعاقب کی شاہد عدل ہے، وہیں آپ کی اس کتاب کو اولیت کا مقام ودرجہ بھی حاصل ہے۔ چنانچہ آپ کی اتباع میں سید احمد بریلوی نے تعزیہ اور امام باڑوں کی ترجیحی طور پر مذمت کی اور عوام کو اس کے خلاف بیدار کیا اور ایک مہم بنا کر ان چیزوں کی شد ومد کے ساتھ مخالفت کی اور امت کو صراط مستقیم اور راہ سنت پر گامزن کرنے کی تلقین کے ساتھ ان کو راہ راست پر لانے کی پوری فکر کی۔

اگرچہ حضرت مجدد الف ثانی کو اپنے مشن کی تکمیل کے لئے مختلف ابتلاءات سے بھی گزرنا پڑا جس کو آپ نے احیائے سنت کے شوق میں بصد شوق قبول کیا۔

چنانچہ ایک مرتبہ بعض امراء نے مغل بادشاہ جہاں گیر کو خوب بھڑکایا اور یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ مجدد الف ثانی آپ کے باغیوں میں سے ہیں اور اس کی نشانی یہ بتلائی کہ وہ آپ کے لئے سجدۂ تعظیمی کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ کچھ حاسدین ومعاندین کے اکسانے پر بادشاہ نے حضرت مجدد الف ثانی کو اپنے دربار میں طلب

کیا، جب آپ گئے تو آپ نے سجدۂ تعظیمی سے گریز کیا جب بادشاہ نے سجدۂ تعظیمی نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو حضرت مجدد الف ثانی نے بلا خوف و خطر ہمت و جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ سجدہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں، یہ صرف اللہ کا حق ہے، اس کو کسی بندے کو نہیں دیا جا سکتا، اس کے بعد بادشاہ نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کروا دیا، لیکن کچھ عرصے کے بعد جہانگیر کی کھوپڑی میں اللہ نے صحیح بات ڈالی جس کے بعد اس نے آپ کی رہائی کا حکم دے دیا، لیکن آپ پر خصوصی نگرانی برقرار رہی۔

بہر حال حضرت مجدد الف ثانی کی محنت رنگ لائی اور ایک دن وہ آیا کہ حکومت کے مزاج میں تبدیلی پیدا ہوئی اور دھیرے دھیرے جلال الدین اکبر کے پھیلائے ہوئے فتنے کا سد باب ہوا اور ہندوستان برہمنیت یا وحدت ادیان کے گود میں جانے کے بجائے دوبارہ دین حجازی کی نگرانی میں آ گیا۔

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی رہا کہ وحدت الوجود کے عقیدے اور نظریے کے پس پردہ جو غلو اور مبالغہ پیدا ہو گیا تھا آپ نے پوری قوت کے ساتھ اس کی تردید و مخالفت کی اور امت کو اس فتنے سے نکالنے کی بھرپور کوشش کی اور کافی حد تک آپ اس میں کامیاب رہے۔

دوسری طرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد احفاد، تلامذہ و خلفاء کا سلسلہ وجود میں آیا جس سے حضرت مجدد الف ثانی کی جدوجہد اور کاوشوں کی آبیاری ہوئی اور پوری توانائی ملی اور علماء حقہ کی ایک پوری ٹیم وجود میں آ گئی جس کی

برکت سے ہندوستان میں کتاب وسنت کی اشاعت بڑے پیمانے پر ہوئی اور شجر اسلام کو پھلنے و پھولنے کا خوب موقع ملا۔

اسی کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی کی اولادوں نے بھی آپ کے مشن کو خوب پروان چڑھایا اور اپنے اپنے وقت کے سلاطین و امراء حکام و ارکان سلطنت کی صحیح اسلامی تربیت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

بالآخر حضرت مجدد الف ثانی اپنے تمام کمالات و خوبیوں کے ساتھ ۲۸ر صفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ر دسمبر ۱۶۲۴ء کو ہمیشہ کے لئے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا اور سرہند میں طلوع ہونے والا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے سرہند ہی میں غروب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور آپ کی اس عظیم کاوش کا بہترین صلہ و اجر عطا فرمائے۔ آمین

(۱۳۸) تذکرہ خواجہ محمد معصوم سرہندی

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی جو حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند اور جانشین ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ کے اکابرین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش سرہند کی ایک بستی ملک حیدر میں شوال ۱۰۰۷ھ مطابق ۱۵۹۹ء مئی کے مہینے میں ہوئی، آپ کا نام محمد معصوم اور کنیت ابو الخیرات اور لقب مجدد الدین اور خطاب عروۃ الوثقی ہے۔ حضرت باقی باللہ نے بچپن ہی میں آپ کو قطب عالم کے منصب پر فائز

ہونے کی بشارت دے دی تھی۔

۱۶؍سال کی عمر میں آپ نے علوم عقلیہ اور نقلیہ سے فراغت حاصل کر لی، صرف ایک ماہ کے اندر قرآن کریم کا مکمل حفظ کرلیا۔

شیخ محمد طاہر لاہوری اخوند سجاول سرہندی اور ملا بدر الدین سلطانپوری سے آپ نے علوم کی تحصیل کی اور سید زین العابدین یمنی محدث مدنی سے حدیث پاک کی اجازت حاصل کی۔

۱۱؍سال کی عمر میں ہی آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کے دست مبارک پر بیعت کر لی تھی اور علوم ظاہرہ کے ساتھ علوم باطنہ کی تحصیل کا آغاز اسی وقت سے کر دیا تھا، اسی کی برکت تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی کی حیات ہی میں آپ نے باطنی علوم کے مدارج طے کر لیے جس کے نتیجے میں حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی زندگی ہی میں آپ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی کے ایک مکتوب میں صراحتاً موجود ہے کہ مجھے یہ آرزو ہوئی کہ خلعت زائلہ میرے فرزند ارشد محمد معصوم کو دے دی جائے تو بہتر ہے۔ چنانچہ ایک لمحے کے بعد دیکھا میری وہ خلعت میرے فرزند کو دے دی گئی، گویا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے یہ واضح فرما دیا کہ اب میرے جانشین میرے بعد محمد معصوم ہوں گے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی اپنے والد محترم حضرت مجدد الف ثانی کی طرح مکمل متبع سنت اور عامل عزیمت تھے اور والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق امراء اور سلاطین کی صحبت سے بہت گریز کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ سلطان شاہ جہاں پوری

زندگی آپ کی رفاقت وصحبت کا متمنی رہا، لیکن اس میں وہ کامیاب نہیں ہوسکا، سلطان عالمگیر اگرچہ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھا لیکن آپ کی مجلس میں اس کی حیثیت عام لوگوں جیسی تھی، اگر کچھ عرض بھی کرنا ہوتا تو زبان نہیں کھلتی تھی، اس لئے تحریری عرض ومعروض پر اکتفاء کیا کرتا تھا اورنگزیب عالمگیر کی تخت نشینی کی بشارت کیونکہ آپ ہی نے دی تھی اس لئے وہ آپ کا بہت معتقد اور ارادت مند تھا بلکہ سرہند پہنچ کر باضابطہ وہ بیعت ہوا اور سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہوکر آپ کی صحبت سے فیضیاب بھی ہوا۔

ایک مشہور روایت کے مطابق حضرت خواجہ معصوم سرہندی کے ساٹھ ہزار خلفاء اور نو لاکھ مریدین تھے، حتی کہ اہل حرمین بھی آپ سے بیعت تھے۔

تمام کمالات اور خوبیوں کے ساتھ ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ مطابق ۱۷/اگست ۱۶۶۸ء میں سرہند ہی میں آپ نے اس دنیا کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا اور سرہند ہی کی زمین میں سپرد خاک ہوگئے۔

(۱۳۹) تذکرہ حضرت بہاؤالدین نقشبندی

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی سلسلہ نقشبندیہ کے بانی ہیں اور کبار اولیاء و صوفیاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش ۷۱۳ھ میں بخاریٰ سے تین میل کے فاصلے پر قصر ہندواں نیا نام قصر عارفاں قصبے میں ہوئی۔ آپ کا نام محمد ہے اور آپ کے والد کا نام بھی محمد ہے، لیکن آپ بہاؤالدین سے زیادہ مشہور ہوئے، آپ سلسلہ

نقشبندیہ کے بانی کی حیثیت سے مشہور ہیں، آپ کا لقب شاہ نقشبند تھا۔

آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کے مکان کے پاس سے حضرت خواجہ محمد بابا سماسی کا گزر ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے یہاں سے ایک مرد خدا کی خوشبو آرہی ہے، دوبارہ آپ کا گزر جب وہاں سے ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس خوشبو میں اضافہ ہو گیا ہے، جب آپ پیدا ہوئے اور دعا کے لئے آپ کے پاس لائے گئے تو آپ نے اپنا بیٹا بنالیا اور بچپن ہی سے توجہات باطنی سے سرفراز کرنا شروع کر دیا، اس طرح حضرت خواجہ محمد بہاؤالدین کی ابتدائی روحانی تربیت بابا سماسی نے کی اور بعد میں آپ کو سید امیر کلال کے حوالے فرما دیا، پھر آپ کی روحانی تکمیل حضرت سید امیر کلال کے یہاں سے ہوئی۔

لیکن روحانی طور پر آپ کی تربیت حضرت عبدالخالق غجدوانی نے اویسی طریقے پر فرمائی جس کا تذکرہ خود حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی نے اس طرح فرمایا ہے۔

کہ میں شروع شروع میں بیقراری کے عالم میں سکون کی تلاش میں رات میں بخارا کے اطراف میں پھرا کرتا تھا اور بخارا میں اس وقت موجود ہر مزار پر حاضری دیا کرتا تھا، ایک رات میں نے تین مزارات پر حاضری دی، اخیر میں جس بزرگ کے مزار پر گیا وہاں میں نے دیکھا کہ مزار کے قبلے کی دیوار شق ہوئی اور ایک بڑا تخت ظاہر ہوا جس پر ایک بزرگ تشریف فرما تھے، ایک صاحب نے بتلایا کہ یہ حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی ہیں، میں نے آپ کی خدمت میں سلام پیش کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا اور مکمل سلوک کی آپ نے تعلیم دی اور اس کے بعد وصیت فرمائی کہ استقامت کے ساتھ شریعت کا پابند رہنا اور عزیمت وسنت پر عمل کرنا اور بدعت سے دور رہنا۔

اسی لئے آپ کو حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی کا خلیفہ قرار دیا جاتا ہے اور اسی تاکید کی وجہ سے آپ پوری زندگی بہت سختی کے ساتھ شریعت وسنت کے پابند رہے اور رسوم اور بدعات سے دور رہے۔

اللہ نے پوری زندگی آپ سے ترویج واشاعت دین کا پورا کام لیا اور آپ کی روحانیت سے عوام وخواص مستفیض ہوئے اور ایک زمانے تک قال وحال کی مجلسیں گرم رہیں۔ بالآخر ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۳۹۰ء بروز سوموار تہتر برس کی عمر میں اپنے آبائی گاؤں قصر عارفان میں ہمیشہ کے لئے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا۔

آپ کی قبر پر بعد میں ایک شاندار مزار تعمیر کیا گیا جو آج بخارا کے قابل ذکر مقامات میں شامل ہے۔

اللہ پاک آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کے قائم کئے ہوئے سلسلے کو دوام وبقا عطا فرمائے۔ آمین

(۱۴۰) تذکرہ حضرت امیر کلال

حضرت خواجہ سید شمس الدین امیر کلال نقشبندیہ سلسلے کے اکابر اولیاء میں سے ہیں، حضرت بہاؤ الدین نقشبندی جو نقشبندیہ سلسلے کے بانی ہیں ان کے آپ پیر ومرشد ہیں۔ آپ کا نام سید شمس الدین ہے اور آپ کے والد کا نام امیر حمزہ ہے، لیکن امیر کلال سے آپ مشہور ہیں، آپ صحیح النسب سید ہیں، آپ کا سلسلہ نسب حضرت حسینؓ

سے ملتا ہے۔شہر بخارا سے چھ میل کے فاصلے پر سوخار نامی گاؤں میں ۶۷۶ھ مطابق ۱۲۷۸ء میں آپ پیدا ہوئے۔

آپ چونکہ کوزہ گری کا شغل رکھتے تھے، یعنی برتن بنانے کا کام آپ کرتے تھے جس کو ہندوستان کی زبان میں کمہار کہا جاتا ہے۔اسی لئے آپ کو کلال کہا جاتا ہے اس کے علاوہ آپ طاقتور پہلوان بھی تھے، شروع جوانی میں آپ کشتی بہت شوق سے کھیلا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ آپ کشتی کھیل رہے تھے، دیکھنے والوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی، اسی دوران اتفاق سے بابا سماسی کا گزر وہاں سے ہوا، آپ بھی وہاں کھڑے ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا یہاں کشتی لڑنے والوں میں ایک جوان ایسا ہے جو آگے چل کر اللہ والا بنے گا اور اس کی صحبت میں رہ کر کاملین زمانہ فیضیاب ہوں گے اور اللہ کے بہت سارے بندوں کو ان سے فیض پہنچے گا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت امیر کلال کی نگاہ بابا سماسی پر پڑی اور اس کے بعد کشتی چھوڑ کر آپ ہی کے ہو کر رہ گئے، بیس سال تک مسلسل آپ کی خدمت کی اور آپ کی روحانیت سے فیضیاب ہوتے رہے اور ایک دن وہ آیا کہ آپ بابا سماسی کے خلیفہ ہی نہیں بلکہ جانشین بنے۔

آپ کے باکمال اور صاحب فیض ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ بابا سماسی نے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی بخاری کو اصلاح وتربیت کے لئے آپ کے سپرد فرمایا اور وہ حضرت امیر کلال کی خدمت میں ایک لمبے عرصے تک رہے اور آپ کی اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت امیر کلال عابد و زاہد امراء و اغنیاء سے کنارہ کش زہد و استغناء کے ساتھ زندگی گزارتے تھے، ہر طرح کی تنگی و ترشی برداشت کر کے قرب الٰہی کی جستجو میں لگے رہتے تھے، لیکن اغنیاء و امراء کے تحائف و نذرانوں سے اپنے کو دور رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ امیر تیمور نے آپ کو پورا بخارا نذرانہ میں پیش کیا، لیکن آپ نے قبول نہیں کیا، اس کے بعد امیر تیمور نے اصرار کیا کہ اس کا کچھ حصہ قبول کر لیں، لیکن آپ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا بلکہ یہ ضرور لکھوا کر بھیجا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں درویشوں کی بارگاہ میں قربت حاصل ہو جائے تو تقوی اور عدل کو اختیار کرو کیونکہ یہ دونوں صفات وہ ہیں جن پر عمل کر کے اللہ کا اور اس کے نیک بندوں کا قرب حاصل کر سکتے ہو۔

حضرت امیر کلال کے چار خلیفہ ہوئے جن میں ایک نام حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کا بھی ہے، ڈیڑھ سو کے قریب لوگ آپ سے بیعت ہوئے اور آپ کی بابرکت صحبت سے فیضیاب ہو کر پوری زندگی صراط مستقیم پر گامزن رہے۔

بالآخر ۸/ جمادی الاولی ۷۷۱ھ مطابق ۲۸/ نومبر ۱۳۷۰ء جمعرات کے دن آپ نے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا اور سوخار میں آپ سپرد خاک ہو گئے، آج بھی آپ کا مزار مزار امیر کلال کے نام سے معروف و مشہور ہے اور عوام و خواص کی زیارت گاہ ہے۔

(۱۴۱) تذکرہ محمد بابا سماسی

حضرت محمد بابا سماسی سلسلہ نقشبندیہ کے کبار مشائخ میں سے ہیں جو بابا سماسی

کے نام سے معروف ومشہور ہیں، آپ سماس کے رہنے والے تھے، اس لئے آپ کو سماسی کہا جاتا ہے۔

بخارا شہر سے نو میل کے فاصلہ پر سماس نام کا ایک گاؤں تھا جہاں ۲۵ ؍ رجب ۵۹۱ھ مطابق ۱۱۹۵ء میں آپ کی پیدائش ہوئی آپ صاحب کشف وکرامت بزرگوں میں سے تھے، پوری زندگی آپ نے استغناء کے ساتھ عبادت وریاضت میں گزار دی، مشکل سے مشکل حالات میں بھی آپ نے تنگی وترشی کا کسی کے سامنے اظہار نہیں کیا، ہر حال میں مرضی مولی پر قربان اور خوش رہے اور اللہ کا قرب اور اس کی معرفت کی جستجو میں لگے رہے۔

آپ ہی وہ بزرگ تھے جو قصر ہندوان سے جو بخارا سے تین میل کے فاصلے پر ہے گزرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو اس زمین سے اللہ والے کی خوشبو آتی ہے اور جلدی ہی یہ مقام قصر عارفان بن جائے گا، چنانچہ آپ کی یہ پیشین گوئی اس وقت سچ ثابت ہوئی جب حضرت بہاؤالدین نقشبندی کی پیدائش قصر ہندوان میں ہوئی اور آپ کے جد امجد برکت کی دعا کے لئے بچے کو بابا سماسی کے پاس لائے آپ نے بچپن میں ہی حضرت خواجہ بہاؤالدین کو اپنا لڑکا بنالیا اور فرمایا یہ لڑکا اپنے وقت کا امام ومقتدا بنے گا اور حضرت امیر کلال سے خصوصیت کے ساتھ یہ وصیت فرمائی کہ میرے فرزند بہاءالدین کی تعلیم وتربیت میں کوئی کوتاہی نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت امیر کلال نے پوری زندگی اس وصیت کا لحاظ وخیال رکھا اور آپ کی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ حضرت بابا سماسی کی پیشین گوئی سو فی صد سچ ثابت ہوئی اور قصر ہندوان قصر

عارفان بن گیا اور سلسلہ نقشبندیہ کے پوری دنیا میں پہونچنے کا اس مقام کو شرف حاصل ہوا، اور خواجہ بہاؤالدین نقشبندی اس کا ذریعہ بنے۔

حضرت محمد بابا سماسی حضرت عزیزان علی رام طینی کے اکابر خلفاء میں سے ہیں، جب حضرت عزیزان کے انتقال کا وقت آیا تو آپ نے حضرت محمد بابا سماسی کو اپنا جانشین اور خلیفہ منتخب فرمایا اور اپنے تمام رفقاء و مریدین کو ان کی متابعت کا حکم دیا۔

اور جب محمد بابا سماسی کے انتقال کا وقت آیا تو آپ نے اپنا خلیفہ و جانشین حضرت امیر کلال کو منتخب فرمایا۔

حضرت محمد بابا سماسی اور حضرت امیر کلال یہ دونوں اولیاء بھی اگر چہ سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر میں شمار ہوتے ہیں، لیکن سلسلے کی اشاعت جتنی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی سے ہوئی، اتنی اشاعت ان دونوں اکابرین کے زمانے میں نہیں ہوسکی، سلسلے کی اشاعت کا کام حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کی قسمت میں لکھا جاچکا تھا، اس لئے اللہ پاک نے اس کی اشاعت کے لئے انھیں کو قبول فرمایا۔

۱۰ر جمادی الثانیہ ۷۵۵ھ مطابق ۱۳۵۴ء میں سماس گاؤں میں آپ کا انتقال ہوا اور وہیں تدفین آپ کی عمل میں آئی، آپ کا مزار سماس گاؤں میں آج بھی عوام و خواص کی زیارت گاہ ہے اور لوگ آپ کی روحانیت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

☆☆☆

تعارف حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم

حبیب الامت، عارف باللہ، حضرت، مولانا، الحاج، حافظ، قاری، **مفتی حبیب اللہ** صاحب قاسمی دامت برکاتہم چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی، دارالعلوم دیوبند کے اکابر فضلاء میں سے ہیں۔ جنہوں نے پوری زندگی خدمت دین، تبلیغ دین، اشاعت دین کے لئے وقف کردی ہے۔ آپ کی شخصیت اہل علم، اہل افتاء، اہل تدریس، اہل خطابت، اہل قلم میں معروف ومشہور ہے۔ آپ نے میزان سے دورۂ حدیث بلکہ افتاء وتخصص فی الحدیث تک کی تعلیم ایک زمانہ تک دی ہے اور دے رہے ہیں۔ تمام علوم وفنون پر آپ کی نگاہ ہے آج آپ کے ہزاروں فیض یافتہ تلامذہ ہندو بیرون ہند ہمہ جہت دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں۔

آپ کے رشحات قلم کی تعداد درجنوں ہے جن سے دنیا استفادہ کررہی ہے۔ بالخصوص التوسل بسید الرسل، نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین، أحب الکلام فی مسئلۃ السلام، جذب القلوب، مبادیات حدیث، علماء وقائدین کے لئے اعتدال کی ضرورت، احکام یوم الشک، مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں، والدین کا پیغام زوجین کے نام، حضرات صوفیاء اوران کا نظام باطن، تصوف وصوفیاء اوران کا نظام تعلیم وتربیت، تحفۃ السالکین، حبیب العلوم شرح سلم العلوم، صدائے بلبل، حبیب الفتاوی، رسائل حبیب، تحقیقات فقہیہ، التوضیح الضروری شرح القدوری، ملفوظات حبیب الامت، اک چراغ، جمال

ھمنشیں، جیسی اہم تصنیفات ہزاروں علماء سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ان میں خاص طور سے حبیب الفتاوی کی آٹھ جلدیں جدید ترتیب، تعلیق وتخریج کے ساتھ مکمل و مدلل اہل افتاء ودارالافتاء کے لئے سند کی حیثیت حاصل کرچکی ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے آپ اساسی ارکان میں سے ہیں، اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مدعو خصوصی ہیں، الحبیب ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ کے بانی وصدر ہیں۔ جس کے تحت درجنوں مکاتب غریب علاقوں میں چل رہے ہیں اور مساجد کی تعمیر کا کام ہورہا ہے اور غرباء ومساکین و بیوگان کی ماہانہ وسالانہ امداد کی جاتی ہے۔ **جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مھذب پور**، سنجر پور، اعظم گڈھ یوپی، انڈیا کے موسس ومہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ جامعہ کے دارالافتاء والقضاء کے آپ رئیس وصدر ہیں، اور ہندوستان کے دیگر بہت سے اداروں کو آپ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے، دینی، علمی، ملی خدمت آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

روحانی اعتبار سے آپ کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا **محمد زکریا** صاحب نور اللہ مرقدہ سے ہے اور ایک طویل زمانہ تک ان کی صحبت میں رہنے اور اکتساب فیض کا موقع آپ کو دستیاب ہوا ہے، بعد کے اکابرین میں حضرت مفتی **محمود حسن** صاحب گنگوہیؒ وحضرت قاری **صدیق احمد** صاحب باندویؒ وحضرت مولانا **عبد الحلیم** صاحب جونپوریؒ کی خدمت میں رہنے اور فیوض وبرکات کے حاصل کرنے کا ایک طویل زمانہ تک شرف حاصل رہا ہے۔ اور الحمد للہ

حضرت مفتی **محمود حسن** صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا **عبدالحلیم** صاحب جونپوریؒ سے **اجازت بیعت** بھی حاصل ہے۔ روحانی اعتبار سے آپ کے فیض یافتہ ہزاروں ہزار افراد ہند و بیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آج تک 76 حضرات آپ سے اجازت بیعت حاصل کر چکے ہیں جو خانقاہی نظام سے وابستہ ہیں۔

میدان خطابت میں اللہ پاک نے آپ کو خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے، آپ کا خطاب ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہوتا ہے، آپ کے خطابات کی مستقل سی ڈی ہند و بیرون ہند میں پائی جاتی ہے۔ اور انٹرنیٹ پر بھی آپ کے خطابات موجود ہیں، جن سے ایک عالم مستفید ہو رہا ہے۔

(Go You Tube Print Mufti Habibullah Qasmi)

الغرض آپ بہت سے خصوصیات کے حامل ہیں، اللہ پاک نے بے پناہ خوبیوں کا مالک بنایا ہے، اللہ پاک ہم سب کو حضرت والا کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے علوم و فیوض سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

حبیب الفتاوی

ارباب افتاء واصحابِ علم کے لئے ایک قیمتی تحفہ

فقہ وفتاوی انسانی زندگی کا لازمی جز ہے، اس کے بغیر رضاء الٰہی کا حصول، حدود شرعیہ کی معرفت، حلال وحرام کی تمیز، جائز ونا جائز کی پہچان اور اسلامی معاشرت غیر ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر قدم بہ قدم فقہی رہبری اور فتاوی ومسائل کی ضرورت ہر مسلمان محسوس کرتا ہے۔ جس کی تکمیل ہر دور کے اہل علم وارباب افتاء کے ذریعہ ہوتی رہی ہے ''حبیب الفتاوی'' اسی ضرورت کی تکمیل کی ایک کڑی ہے جو ہندوستان کے ممتاز اور مشہور مفتی اور نامور صاحب قلم حضرت حبیب الامت عارف باللہ حضرت مولانا الحاج مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم سابق مفتی واستاذ حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور حال شیخ الحدیث وصدر مفتی بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی، انڈیا۔ تلمیذ رشید وخلیفہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند وخلیفہ ومجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحبؒ جونپوری کی جامع تصنیف ہے جن کے قلم سے درجنوں کتابیں نکل کر اصحاب افتاء علماء امت، زعماء ملت سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

''حبیب الفتاوی'' میں جو علمی گہرائی، احکام شریعت سے آگہی، مطالعہ کی

وسعت، بالغ نظری، فقہی بصیرت، حوادث الفتاوی کا انطباق، جدید مسائل کا حل پایا جاتا ہے وہ دیدنی ہے، مستند کتابوں کے حوالے اور نظائر کے ساتھ تقریبا تمام ابواب پر عام فہم اور دلنشیں اسلوب میں مفصل بحث کی گئی ہے، اردو فتاوی میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب، ملک کے درجنوں بزرگ ارباب افتاء، ام المدارس کے علماء فقہاء کی تصدیق وتصویب، عمدہ کاغذ، خوبصورت طباعت، دلکش ٹائٹل کے ساتھ ''حبیب الفتاویٰ'' کی آٹھ (۸) جلدیں نئی تحقیق وتعلیق اور جدید ترتیب کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہیں جو یقیناً اصحاب افتاء واہل علم واہل مدارس کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے۔

☆☆☆

ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

(۲) مکتبہ الحبیب وخانقاہ حبیب گوونڈی ممبئی

(۳) مکتبہ الحبیب وخانقاہ حبیب مقام پوسٹ جھٹکاہی ڈھاکہ، ضلع مشرقی چمپارن، بہار

(۵) مکتبہ طیبہ دیوبند ضلع سہارنپور

(۶) اسلامک بک سروس پٹودی ہاؤس دریا گنج، دہلی

حضرت حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا الحاج

مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

کی تصنیفات وعلمی خدمات ایک نظر میں

(۱) حبیب الفتاوی (جلد اول)

(۲) حبیب الفتاوی (جلد دوم)

(۳) حبیب الفتاوی (جلد سوم)

(۴) حبیب الفتاوی (جلد چہارم)

(۵) حبیب الفتاوی (جلد پنجم)

(۶) حبیب الفتاوی (جلد ششم)

(۷) حبیب الفتاوی (جلد ہفتم)

(۸) حبیب الفتاوی (جلد ہشتم)

(۹) تحقیقات فقہیہ (جلد اول)

(۱۰) تحقیقات فقہیہ (جلد دوم)

(۱۱) رسائل حبیب (جلد اول)

(۱۲) رسائل حبیب (جلد دوم)

(۱۳) صدائے بلبل (جلد اول)

(۱۴) احب الکلام فی مسئلۃ السلام

(۱۵) مبادیات حدیث

(۱۶) نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین

(۱۷) التوسل بسید الرسل

(۱۸) المساعی المشکورۃ فی الدعاء بعد المکتوبۃ

(۱۹) احکام یوم الشک

(۲۰) جذب القلوب

(۲۱) تحفۃ السالکین

(۲۲) نوٹ کی شرعی حیثیت

(۲۳) والدین کا پیغام زوجین کے نام

(۲۴) تصوف وصوفیاء اوران کا نظام تعلیم وتربیت

(۲۵) حضرات صوفیاء اوران کا نظام باطن

(۲۶) حبیب العلوم شرح سلم العلوم

(۲۷) حضرت حبیب الامت کی علمی، دینی خدمات کی ایک جھلک

(۲۸) قدوۃ السالکین

(۲۹) درودوسلام کا مقبول وظیفہ

(۳۰) التوضیح الضروری شرح القدوری

(۳۱) علماء وقائدین کے لئے اعتدال کی ضرورت

(۳۲) مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں

(۳۳) جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلا دیا (اک چراغ)

(۳۴) برکات قرآن (زیر ترتیب)

(۳۵) خطبات حبیب الامت //

(۳۶) ملفوظات حبیب الامت (جلد اول)

(۳۷) حیات حبیب الامت

(۳۸) جمال ہم نشیں

☆☆☆

جامعہ کا مختصر تعارف

جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی، انڈیا، ضلع اعظم گڈھ کا وہ قابل ذکر وفخر اور معیاری ادارہ ہے، جس کی بنیاد علاقہ کی ضرورت اور وقت کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۴ء میں حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم خلیفہ ومجاز بیعت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ نے بدست خود رکھی، اور انہی کی جہد مسلسل، سعی پیہم اور مخلصانہ کارکردگی اور محنت کا یہ ثمرہ ہے کہ جامعہ نے تعلیمی وتعمیری اعتبار سے اتنی پیش رفت حاصل کی ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، اور روز افزوں ترقی ہر گوشہ سے دعوت نظارہ دے رہی ہے، اور جامعہ کا ہر چپہ بزبان حال یہ کہہ رہا ہے:

ہر شئی سے یہاں ہوتا ہے عیاں، فیضان علومِ حبیب اللہ
چھایا ہے ہر اک بام ودر پر، لمعانِ نجومِ حبیب اللہ

احاطۂ جامعہ صرف دارالعلوم ہی نہیں، بلکہ ایک شہر علم ہے، ظاہری وباطنی، علمی وروحانی اعتبار سے معاصرین پر سبقت حاصل کرچکا ہے۔ ؎

ع یہ دار علوم اسلامی صد رشک ضیاء طور بنا

وسیع رقبہ پر آباد یہ شہر علم مدارس اسلامیہ ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب بن

چکا ہے، اور سیکڑوں طالبان علوم نبوت یہاں رہ کر اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں، باطنی وروحانی کیفیات کے اعتبار سے یہ ادارہ اپنی مثال آپ ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم بانی جامعہ کی علمی، روحانی، فکری وذہنی صلاحیتوں کا جلوہ صدرنگ ارتقائی شکل میں ہر طرف عیاں ہے، اس علمی گہوارہ کا اپنی مضبوط کارکردگی، اعلی تعلیم اور اپنے بلندعزائم وحوصلوں میں ایک خصوصی مقام ہے۔

جس کا نمونہ پیش کرنے سے معاصر ادارے تہی دامن ہیں۔

☆☆☆